

انفاس العارفين

تالیف: - حجة الاسلام حضرت الامام شاه ولی اللہ رحمہ اللہ

ترجمہ و تبویب، تسہیل و تہذیب

عمران علی مظاہری

ادارۃ البحوث الاسلامیہ، دارالعلوم منہاج الدعوة الہیڑی سہارن پور یوپی

E-Mail>imazahiri@gmail.com

تفصیلاتِ طباعت

- نام کتاب :- انفاس العارفين
- مؤلف :- حجة الاسلام، حضرت الامام، المحدث الشاه ولی اللہ رحمہ اللہ
- مترجم :- عمران علی مظاہری
- حسب ایماہ :- داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی دامت برکاتہم
- تعداد صفحات :- 496
- بار اول :- نومبر ۲۰۱۵
- بار دوم :-
- مطبع و ناشر :- مکتبہ شاہ ولی اللہ، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی انڈیا
-

فہرست مضامین

۲	تفصیلاتِ طباعت
۴	فہرست عنوانات
۳۰	مقدمہ
۳۰	چند لمحات عارفین کی صحبت میں
۳۴	انفاس العارفين
۳۴	ترتیب و تالیف، اشاعتیں اور ترجمے
۳۴	(حضرت مولانا) نور الحسن راشد کاندھلوی
۴۲	حضرت شاہ ولی اللہ
۴۴	انفاس العارفين
۶۹	ترجمہ، تسہیل، تہذیب و تبویب
۷۶	حصہ اول
۷۷	آغاز کار
۷۷	معنوی میراث
۷۸	اسلاف کا وارث
۷۹	پہ آیانہ دام میں
۸۰	خواجہ کائنات
۸۰	جس کا انتظار تھا
۸۲	شغلِ نفی و اثبات
۸۳	پہلا سبق

- ۸۴ عظمت قرآن اور ہیبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۸۵ مرنے سے پہلے مرجانا
- ۸۷ بیخودی
- ۸۷ مقامات قلب
- ۸۹ کوچہ تنگ
- ۹۰ شیخ کے خطوط
- ۹۱ دل کی صفائی
- ۹۲ امتحان
- ۹۳ کشف و کرامت کے سر پر جوتے
- ۹۳ جانوروں سے کیا پردہ
- ۹۴ رکاوٹ نہیں، حکمت
- ۹۴ بڑوں کی دعاء
- ۹۴ خدمت کے حقوق
- ۹۷ نگاہ لطف کا صدقہ
- ۹۸ گستاخ بھی فیض یاب
- ۹۸ تعظیم کے مستحق
- ۱۰۰ اپنی اپنی قسمت
- ۱۰۱ آئے ہیں وہ مزار پہ
- ۱۰۲ تین سبق
- ۱۰۲ پڑھئے کتاب حسن تو

۶	انفاس العارفين مکمل
۱۰۴	عادت جو ہو گئی تھی
۱۰۴	بڑوں کی بڑی بات
۱۰۵	برکت
۱۰۶	فقیری یا بادشاہی؟
۱۰۷	تمام علوم سے فارغ
۱۰۷	یارخاں اور غیر
۱۰۸	ذرا اسکی خبر لینا
۱۰۹	ہے دیوانگی سے کام
۱۰۹	جلادے دفتر تمام
۱۱۰	حضرت شیخ تاج سنبھلی کی مقبولیت
۱۱۰	ناموری سے دور
۱۱۱	عرس کا اہتمام نہیں
۱۱۱	آخری وصیت
۱۱۲	وجود اور شہود
۱۱۴	میر ابو العلی
۱۱۶	ملفوظات میر ابو العلی
۱۱۷	... تو ہی دوا دے
۱۱۷	فولاد شکن
۱۱۷	سود خور کا چراغ
۱۱۸	با ادب جانور

۷	انفاس العارفين مکمل
۱۱۸	امیر کا طریقہ تصوف
۱۱۹	روزی کا کفیل
۱۲۰	نہ بچا بچا کے تو رکھ
۱۲۰	برطرنی کے احکام
۱۲۱	برطرنی کا سبب
۱۲۲	اختیاری نیند
۱۲۲	ہم سفر چوٹی
۱۲۳	فقیر ہلاک ہو گیا
۱۲۴	قلندرانہ انتظام
۱۲۵	اللہ ساتھ ہے
۱۲۵	بے ادب
۱۲۶	شملہ کا مطلب
۱۲۶	فقیری میں ہے آرام بہت
۱۲۷	وقت کی قدر
۱۲۷	نہ کر دست طلب دراز
۱۲۷	تبرکات
۱۳۰	میاں شیخی کی روٹی
۱۳۰	مجزوبوں کے نام
۱۳۱	وہ جس حال میں رکھے
۱۳۲	الگ دنیا کے باشندے

- ۱۳۲ صحبت سے پاک ہو گئے
- ۱۳۳ حسین رات
- ۱۳۵ صوفیاء کا لباس
- ۱۳۵ شاہ ازرائی
- ۱۳۶ کوئی خریدار نہیں
- ۱۳۷ جوتی کی شان
- ۱۳۷ تنور کے قابل
- ۱۳۸ غمزے
- ۱۳۸ رشوت کے کباب
- ۱۳۹ سوانح مرزا زاہد ہروی
- ۱۴۰ علم اجمالی و تفصیلی
- ۱۴۳ فنا فی التوحید
- ۱۴۳ قیوم عالم
- ۱۴۴ کبھی ان کو کبھی گھر کو دیکھتے ہیں
- ۱۴۴ حسن کو مستور کیوں دیکھوں؟
- ۱۴۵ یک جان یک قالب
- ۱۴۵ دائرے
- ۱۴۶ ایک گھڑی ہزار برس
- ۱۴۶ ہیں رنگ الگ الگ
- ۱۴۶ جو مجھ میں فنا ہے

- ۱۴۷..... اولیاء کی جنت
- ۱۴۷..... عتاب و عنایت
- ۱۴۸..... فاصلے حجاب نہیں
- ۱۴۹..... سلسلہ باقی رہے گا
- ۱۴۹..... غوث الاعظم کا جبہ
- ۱۵۰..... قبلہ نمائی
- ۱۵۰..... عاجز ہیں فرشتے بھی
- ۱۵۰..... نیک بخت کا درجہ
- ۱۵۱..... مغفرت کی دولت
- ۱۵۱..... الہدایا مشترک
- ۱۵۲..... مبارک زردہ
- ۱۵۲..... حسن اختلاف
- ۱۵۴..... جمال محمد جو مستور نہ ہوتا
- ۱۵۵..... اک آگ کا دریا ہے
- ۱۵۷..... موئے مقدس
- ۱۵۹..... غیر اللہ کو سجدہ سے ممانعت
- ۱۵۹..... سید صاحب
- ۱۵۹..... مقبول درود
- ۱۶۰..... نیاز کے چنے
- ۱۶۰..... حضرت علیؑ سے ملاقات

۱۰	انفاس العارفين مکمل
۱۶۱	خواجہ کی خلافت
۱۶۱	خاص نسبت
۱۶۱	حضرت غوث اعظم کی دوکان
۱۶۳	نور علی نور
۱۶۴	بشارت
۱۶۵	شیخ چراغ کی مجلس
۱۶۵	شیخ سعدیؒ
۱۶۶	مجدوبوں کا سردار
۱۶۷	عجیب دعوت
۱۶۷	غلط خیال ہے تیرا
۱۶۸	روح و دل کی غذا
۱۶۹	گمنام بزرگ
۱۷۰	سفری نماز
۱۷۰	تکلیف سے نجات
۱۷۱	روح کا قص
۱۷۱	شیخ محمد پھلتیؒ
۱۷۱	وبا کا فرشتہ
۱۷۲	ملک الموت
۱۷۲	کفر کا انجام
۱۷۲	اولیاء اللہ کے ساتھ بحث و تکرار

- ۱۷۳ خیر خواہی کا ثمرہ
- ۱۷۵ طائرانِ نکتہ داں
- ۱۷۶ صالح جن
- ۱۷۶ صوفی جن کی ہمدردی
- ۱۷۷ جن طالب علم
- ۱۷۸ کامیاب امتحان
- ۱۷۹ قلندر کا حساب
- ۱۷۹ اندر کی بات
- ۱۸۰ مشکل جسے سمجھا ہے تو
- ۱۸۱ ختم بے سود
- ۱۸۱ بڑی بوتل
- ۱۸۲ دعا کی درخواست
- ۱۸۲ مکار نقاب پوش
- ۱۸۳ غائبانہ حفاظت
- ۱۸۴ اور چراغ جلتا رہا
- ۱۸۴ منکر کی توبہ
- ۱۸۴ نذر اور بھول
- ۱۸۵ دعائیں پڑھنے والا
- ۱۸۶ باورچی کی امامت
- ۱۸۷ منکر کو نفع نہیں

۱۲	انفاس العارفين مکمل
۱۸۸	ادھر نہ ادھر، یہ بلا کدھر؟
۱۸۸	پیر کی تلاش
۱۸۹	حضرت علیؓ کی رہنمائی
۱۹۰	ترے انتظار میں
۱۹۰	بوند اباندی کی مصلحت
۱۹۱	غلط فہمی
۱۹۱	روشن ضمیری
۱۹۲	دو دو ہاتھ
۱۹۲	توجہ کے ذریعہ حفاظت
۱۹۳	ٹپڑھی حویلی
۱۹۴	نگاہِ محبت
۱۹۵	نازِ قلندرانہ
۱۹۶	اونٹ کی موت
۱۹۶	صوفیاء کا طب
۱۹۷	آگ اور حصار
۱۹۷	پھلت کی زمینیں
۱۹۸	ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
۱۹۸	جہاں چاہ وہاں راہ
۱۹۹	تندرستی کی بشارت
۲۰۰	ثابت قدمی کا حکم

- ۲۰۰ گم شدہ بھائی
- ۲۰۰ بیوی کی رحلت گھوڑا سلامت
- ۲۰۱ زکوٰۃ کا مال
- ۲۰۱ کنواں کھودو جھیرا پاؤ
- ۲۰۲ عاشق پری
- ۲۰۲ نام ہی کافی
- ۲۰۳ جوتے کی مار
- ۲۰۳ خس و خاشاک
- ۲۰۳ روسیاہی
- ۲۰۴ دعا سے ممانعت
- ۲۰۴ سات بندوق
- ۲۰۴ سچی بات
- ۲۰۴ فرخ سیر اور عبداللہ خاں
- ۲۰۵ نازِ ولایت
- ۲۰۵ کاتب الحروف (شاہ صاحبؒ) کی پیدائش
- ۲۰۶ سیر کا شوق
- ۲۰۷ وہ نہیں لوح و قلم کا محتاج
- ۲۰۷ مفید دوستی
- ۲۰۸ خلوص کے اثرات
- ۲۰۸ روشن ضمیر بچی

- ۲۰۹ دل کی سیر
- ۲۰۹ صبر کا پھل
- ۲۱۰ جمالِ مستور
- ۲۱۰ تاثیر کی بخشش
- ۲۱۲ آنکھوں کا فائدہ
- ۲۱۳ رویت و حجاب
- ۲۱۴ نیت کا فرق
- ۲۱۵ کل کا وعدہ، اے دوست کس لئے؟
- ۲۱۶ قلندر کی شان
- ۲۱۸ جدید معارف
- ۲۲۰ وہ سمیع ہے ایسا
- ۲۲۱ تعلق مع اللہ
- ۲۲۲ دیکھا ہے کہ سنا ہے؟
- ۲۲۲ شیخ فقیر اللہ
- ۲۲۳ شیخ فقیر اللہ کا خط
- ۲۲۶ شیخ فقیر اللہ کا دوسرا خط
- ۲۲۷ جوابی مکتوب
- ۲۳۱ صورت خیالیہ
- ۲۳۳ رکاوٹیں
- ۲۳۴ مختلف آثار

- ۲۳۴ نسبتوں کی خصوصیات
- ۲۳۵ فریبِ دل
- ۲۳۶ درجات میں ترقی کا مطلب
- ۲۳۷ نفاستِ طبع
- ۲۳۷ لا الہ الا اللہ سے توبہ
- ۲۳۸ مہرے
- ۲۳۹ پدرانہ شفقت
- ۲۳۹ کیفیت کو محفوظ رکھنے کا طریقہ
- ۲۳۹ مشیختِ کافن
- ۲۴۰ تمباکو کی نحوست
- ۲۴۰ وہ آئے تو، مگر
- ۲۴۱ عجیب قصہ
- ۲۴۱ خیر خواہی دلیل سے بہتر
- ۲۴۳ دو قسم کا علم
- ۲۴۵ نسبت کا حصول
- ۲۴۵ سلوک اور کیمیا
- ۲۴۶ کن فی الناس
- ۲۴۶ تقویٰ کا تقاضہ
- ۲۴۶ تو چیزے دیگری
- ۲۴۷ مصلحت کوشی

- ۲۴۸ تم مرے ساتھ ہوتے ہو
- ۲۴۹ تعبیرات کا فرق
- ۲۵۰ ایک سچائی
- ۲۵۱ رحیم! پیا سوں یوں ملے
- ۲۵۱ لطائف ستہ
- ۲۵۳ ملکوتی نام
- ۲۵۳ رکن اعظم
- ۲۵۳ چند نصیحتیں
- ۲۵۶ شاہ عبدالرحیمؒ ایک نظر میں
- ۲۵۸ معمولات
- ۲۵۹ آگیا وصل کا ہنگام
- ۲۶۰ ایک توضیح
- ۲۶۱ ابتدائی احوال
- ۲۶۲ غوث اعظمؒ سے استفادہ
- ۲۶۲ تیسرے آسمان پر نماز
- ۲۶۳ مردِ حق سے بیعت
- ۲۶۴ قرب کی انتہا
- ۲۶۴ شیخ ابوالرضا محمد کے معمولات
- ۲۶۵ فتح کی خبر
- ۲۶۶ خرچ بزمہ مالک

- ۲۶۶ تشبیہ
- ۲۶۷ جنہیں وہ پاک رکھتا ہے
- ۲۶۷ بادشاہ حقیقی کی بارگاہ
- ۲۶۸ یوں بھی بلایا جاتا ہے
- ۲۶۹ شریعت کا مدار ظاہر پر
- ۲۶۹ دیہاتی لٹیرے
- ۲۷۰ کیا جواب دوں؟
- ۲۷۰ اتباع سنت
- ۲۷۱ نسبت کی برکتیں
- ۲۷۱ حلوہ روٹی
- ۲۷۲ دل کو بھاگئی
- ۲۷۲ ایسا دل کس کام کا
- ۲۷۳ رسوانہ ہو خدا کے لئے
- ۲۷۳ چند تصرفات
- ۲۷۴ اللہ مجھے کھلاتا ہے
- ۲۷۴ علم کا غرور
- ۲۷۵ وہ اور تھے
- ۲۷۶ لب ہلانے کی حاجت نہیں
- ۲۷۶ بھول گئے سب ابجد ہوز
- ۲۷۷ زیارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۸	انفاس العارفين مکمل
۲۷۷	شیخ اکبرؒ کی زیارت
۲۷۸	نورانی پہریدار
۲۷۹	ایمان کی حدود
۲۷۹	خودی و بیخودی کے بیچ
۲۸۰	اللہ کے نام
۲۸۰	اللہ والوں کی نیند
۲۸۱	صوفیاء اور فلاسفہ
۲۸۱	توحید کا عقیدہ
۲۸۱	مقام معلوم
۲۸۲	بہترین مجاہدہ
۲۸۲	شیخ عرشی
۲۸۳	پاس انفاس
۲۸۳	اللہ کی رفاقت کا مشاہدہ
۲۸۴	اپنی اپنی خصوصیات
۲۸۵	خدا شناسی
۲۸۵	بصارت و بصیرت میں فرق
۲۸۵	لفظی جھگڑا
۲۸۶	رویت باری کی کیفیت
۲۸۶	بیعت کا مقصد
۲۸۷	اللہ کی تجلی

- ۲۸۷ سدراہ
- ۲۸۸ الفاظ کے پجاری
- ۲۸۸ بے کمان کا تیر
- ۲۸۸ زمانے سے تیز گام
- ۲۸۹ مشاہدہ کی چاشنی
- ۲۹۰ فریبِ نظر
- ۲۹۰ جس سے جہنم لرزا ٹھے
- ۲۹۰ صوفیاء کی مشقتیں
- ۲۹۱ ہشیار باش
- ۲۹۲ عالم اور واجب الوجود
- ۲۹۲ نہ کوئی اس میں نہ وہ کسی میں
- ۲۹۳ پوشیدہ معانی
- ۲۹۴ آخری مقام
- ۲۹۵ وحدت کا غلبہ
- ۲۹۶ بسطامیؒ کی زنار
- ۲۹۶ اپنا اپنا طرف
- ۲۹۷ تجھے دیکھنے کے بعد
- ۲۹۸ من الظلمات الی النور
- ۲۹۸ منسوب ہے جو اس سے
- ۲۹۹ مطلق ہے وہ، اطلاق سے آزاد

۲۰	انفاس العارفين مکمل
۲۹۹	ہر روپ میں جلوہ گر
۲۹۹	احدیت اور وحدت
۳۰۰	اسمائے الہی کا اطلاق
۳۰۱	خوب پردہ ہے کہ
۳۰۲	عشق کی آگ
۳۰۲	ذات باری تعالیٰ کا ظہور
۳۰۲	محدود و لامحدود
۳۰۳	حدیث قدسی
۳۰۳	اہل قبر سے مدد کا مطلب
۳۰۳	دنیا لاش سے بھی بری
۳۰۴	سب سے جھوٹی بات
۳۰۴	نہ بن ان جیسا
۳۰۴	پردوں سے چھٹکارا
۳۰۵	مشاہدہ سے محروم
۳۰۵	مشاہدہ کی قسمیں
۳۰۵	عارف کا کمال
۳۰۶	علم اور حال
۳۰۷	شراب کہ شیشہ؟
۳۰۸	علم کی فضیلت
۳۰۸	امردوں کا دیدار

- عارف کی نظر ۳۰۹
- ولایت کی قسمیں ۳۰۹
- ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم جامع صفات ۳۱۰
- فنا کا مطلب ۳۱۰
- برابر ہیں ناتوان و پہلوواں ۳۱۰
- غیب کی تختی ۳۱۱
- جنوں کا سایہ ۳۱۲
- معیت سے پاک ۳۱۲
- نقصان کا تقاضہ ۳۱۲
- علوم کے مرتبے ۳۱۳
- انکار کی وجوہات ۳۱۳
- عبادت کی حقیقت ۳۱۳
- مومن کی کھیتی ۳۱۴
- کرامت کیا ہے؟ ۳۱۵
- جمالِ محبوب میں گم ۳۱۵
- جنات کی قید ۳۱۵
- سورہ فاتحہ کی خاصیت ۳۱۶
- وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۳۱۶
- شیخ جنیدؒ کے بعض اقوال کا مطلب ۳۱۶
- روح الارواح ۳۱۷

- ۳۱۸ روح کے نام
- ۳۱۸ علی مرتضیٰ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر خامس
- ۳۱۸ علی کرم اللہ وجہہ کا قول
- ۳۱۹ علم کی قسمیں
- ۳۱۹ کرامت کا اظہار
- ۳۲۰ قبیر درویش
- ۳۲۱ بے فائدہ توحید
- ۳۲۲ مجذوب اور سالک
- ۳۲۲ موجودات و معقولات
- ۳۲۴ وجود حق کا ثبوت
- ۳۲۵ حق بدلتا نہیں
- ۳۲۶ عارف و متعرف کا فرق
- ۳۲۶ جب اس سے محبت ہوتی ہے
- ۳۲۷ ذات کا عکس
- ۳۲۸ اہل شہود
- ۳۲۸ ایک مشہور غلطی
- ۳۲۸ تعوز کی حقیقت
- ۳۲۹ واپسی ممکن نہیں
- ۳۳۰ عبادت کا مقصد
- ۳۳۰ اہل شہود کی عبادت

۲۳	انفاس العارفين مکمل
۳۳۲	بال کی گنجائش نہیں
۳۳۲	وسعت کا مشاہدہ
۳۳۳	وہ آپ ہی پہچان ہے
۳۳۴	ستر ہزار پردوں میں
۳۳۴	مطلق کے معنی
۳۳۵	حضرت بایزیدؒ کے قول کی توجیہ
۳۳۶	توحید کی علامات
۳۳۶	قرب فرض و مستحب
۳۳۷	حجاب کا غم
۳۳۸	زمانے کی قسم
۳۳۸	توحید ہے منزل
۳۳۹	واجب اور ممکن
۳۴۰	تخلیق کی ترتیب
۳۴۱	بندہ، بندہ رہیگا
۳۴۱	شیخ عبدالاحد کا مکتوب اول
۳۴۲	جواب اول
۳۴۴	شیخ عبدالاحد کا دوسرا مکتوب
۳۵۶	دوسرے خط کا جواب
۳۶۶	تیسرا مکتوب
۳۸۳	دو بول مؤلف کے

- ۳۸۷ شیخ عبدالاحد کا ایک اور خط
- ۳۸۸ آسودہ بکام خویش
- ۳۹۰ ایک اور خط، تفاوت
- ۳۹۰ حکایت محبت و محنت
- ۳۹۱ الثاعلاج
- ۳۹۲ سرمہ معرفت
- ۳۹۷ دیدہ وریا کو دیدہ؟
- ۳۹۹ جامعہ کی زبان میں ایک خط
- ۳۹۹ ذکر لا ہوتی
- ۴۰۱ تیری ہستی حباب کی سی ہے
- ۴۰۲ اللہ تعالیٰ کی نماز
- ۴۰۴ ولی اور گناہ
- ۴۰۴ دس کلمات
- ۴۰۵ بسم اللہ کے معارف
- ۴۰۵ تفسیر سورہ فاتحہ
- ۴۰۶ شیخ کے تحریری تراشے
- ۴۰۸ ولایت کبریٰ کے فرائض
- ۴۰۹ خلوت کا طریقہ
- ۴۱۳ شیخ ابوالرضا کا سفر آخرت
- ۴۱۹ چتوڑ کی فتح

- ۴۲۱ قہر درویش
- ۴۲۲ ڈاکوؤں کی توبہ
- ۴۲۳ شیخ معظم کی اولاد
- ۴۲۳ شیخ وجیہ الدین
- ۴۲۴ خونی بوسہ
- ۴۲۵ فراست و بہادری
- ۴۲۶ بہادر ماں
- ۴۲۷ قربانی کا وقت
- ۴۲۸ ضمانت
- ۴۲۸ قلبی طاقت
- ۴۳۰ جائے شہادت
- ۴۳۲ شیخ طاہر اور علمی غیرت
- ۴۳۳ شیخ حسن کا حافظہ
- ۴۳۵ شیخ محمد خیالی اور حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم
- ۴۳۵ شیخ عبدالعزیز کے حالات
- ۴۳۷ شجرہ سلسلہ قادریہ
- ۴۳۸ قطب العالم کا انکار
- ۴۴۰ شیخ رفیع الدین محمد کا مختصر تذکرہ
- ۴۴۰ خواجہ محمد باقی کی گرہ
- ۴۴۱ بیوی کے لئے وجد

- ۴۴۲ چچا ٹھگ
- ۴۴۳ اندھا جاسوس
- ۴۴۸ روح کا فیصلہ
- ۴۴۸ شیخ محمد کا علمی و روحانی سفر
- ۴۴۹ ظلمت
- ۴۵۰ خدمت کا صلہ
- ۴۵۰ خلافت و اجازت
- ۴۵۱ یوں بھی ہوتے ہیں شفا یاب
- ۴۵۱ تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں؟
- ۴۵۲ بشارت
- ۴۵۲ زخم کی لذت
- ۴۵۲ شیخ محمد کی روح
- ۴۵۳ اک نگاہ کی بات
- ۴۵۴ قلندر کا عتاب
- ۴۵۴ دوسروں کا درد
- ۴۵۵ میر عبداللہ
- ۴۵۵ کھانے میں برکت
- ۴۵۶ گستاخی کی سزا
- ۴۵۶ جنگ و جدل فقراء کا شیوہ نہیں
- ۴۵۶ شیخ کی بخشش

- ۴۵۷ کفار کا جتھا
- ۴۵۸ توجہ کا امتحان
- ۴۵۸ بدکاری کی سزا
- ۴۵۹ نہ چھیڑاں خرقہ پوشوں کو
- ۴۵۹ توحید کا اثر
- ۴۶۰ کشف غیوب
- ۴۶۰ توحید کا غلبہ
- ۴۶۰ دیوانے کو فرزانہ بنا دے
- ۴۶۱ منکر کا وجد
- ۴۶۲ حضرت احمد شاہیؒ
- ۴۶۳ شیخ احمد قشاشیؒ
- ۴۶۵ نام محمد کیا کہئے!
- ۴۶۷ سید عبدالرحمن ادریسیؒ
- ۴۶۷ ایران کا مکان مکہ میں
- ۴۶۸ بند دروازے میں
- ۴۶۸ رونے کا سبب
- ۴۶۹ سید عبدالرحمن کی ہرول عزیز
- ۴۷۰ شیخ شمس الدین بابلیؒ
- ۴۷۱ شیخ عیسیٰ جعفریؒ
- ۴۷۲ شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ

۲۸	انفاس العارفين مکمل
۴۷۳	شیخ ابراہیم کردیؒ
۴۷۳	دل گیر نعمہ
۴۷۴	حق پست نہیں ہوتا
۴۷۵	جو ہاتھیوں کو روک لیتا ہے
۴۷۶	شیخ حسن عجمی رحمہ اللہ
۴۸۰	شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ
۴۸۲	شیخ عبداللہ بصریؒ
۴۸۴	شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردیؒ
۴۸۸	شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ
۴۹۱	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خودنوشت حالات زندگی
۴۹۱	ولادت
۴۹۲	ابتدائی تعلیم
۴۹۲	راہ سلوک اور تعلیم حدیث
۴۹۴	حضرت والد ماجدؒ سے اجازت
۴۹۴	درس و تدریس اور فقہی مسلک
۴۹۵	سفر حرمین شریفین اور خرقة جامعہ
۴۹۵	خلعت فاتحیہ
۴۹۶	طریقہ سلوک، کمالات اربعہ اور حکمت عملی
۴۹۶	اختتام

مقدمہ

چند لمحات عارفين کی صحبت میں

نادر مکتوبات (شاہ ولی اللہ) کی اشاعت پر اسکے اجراء کے موقع پر اردو اکیڈمی کے جلسے میں ملت کے خواص اور علماء و مشاہیر کی موجودگی سے شیخ العرب و العجم سیدی و مرشدی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے خطاب میں بھی فرمایا اور اسکے پیش لفظ میں بھی یہ بات تحریر فرمائی: ”اہل علم و صاحب نظر جانتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ احیاء دین، اشاعت کتاب و سنت، اسرار و مقاصد شریعت کی توضیح و تنقیح تربیت و ارشاد اور ہندوستان میں ملت اسلامی کے تحفظ و تشخص کے نہ صرف علمبرداروں میں ہیں بلکہ ان میں بھی ایک امتیاز اور سیادت و قیادت کے حامل اور علمبردار ہیں، جس کی مثال عہدوں اور ملکوں بھی مشکل سے ملتی ہے امت کی تاریخ میں عالمانہ و مجتہدانہ، مصلحانہ و مجددانہ، مؤلفانہ و مفکرانہ امتیاز رکھنے والی شخصیتوں کی کوئی مختصر سے مختصر اور ذمہ دارانہ سے ذمہ دارانہ فہرست بنائی جائے تو اس میں ان کا نام آنا ضروری ہے۔“

میرے حضرت والا فرماتے تھے کہ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ کو تو لوگ جانتے اور مانتے ہیں مگر جن شخصیات نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کو شاہ ولی اللہ بنایا ان کو جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے، جن شخصیات نے ان کو شاہ ولی اللہ اور حجۃ الاسلام بنایا اور انکی تربیت کرنے والے مدرسین کا تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے خود اپنے قلم سے اپنے رسائل میں کیا ہے، جس کا مجموعہ انفاس العارفين کے نام سے شائع ہوتا رہا ہے۔

مولانا نے امت میں ان اولیاء کاملین اور علماء ربانیین اور عارفين صادقین کی تاریخ تو اتر کے ساتھ امت کے علماء اور قدردانوں کیلئے محفوظ کی ہے، اور وہ رہتی دنیا تک اس سے فیضیاب ہونے کے لئے ملت کا سرمایہ ہے، مگر ان میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اسلاف، مشائخ، اور اساتذہ کو امتیازی شان عطا کی گئی تھی۔

اپنے اجداد اور اساتذہ کے حالات پر مشتمل یہ رسائل حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ نے فارسی زبان میں تحریر فرمائے، جن کے کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں، اس حقیر کا بھی تاثر ہے اور انفاس العارفين کے پڑھنے والے جس بڑے سے بڑے عالم سے اس حقیر نے انفاس العارفين کا تذکرہ کیا انکا تاثر بھی یہ تھا کہ شاہ صاحب کے اجداد، مشائخ، اساتذہ خصوصاً شاہ صاحب کے والد ماجد اور شیخ و مرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب جن کا تذکرہ اس مجموعے میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے، کے حالات پڑھ کر آخری درجہ کا احساس کمتری بہت دور ہوتا دکھائی دینے لگتا ہے، اور دل میں اللہ کے تعلق اور قرب میں سب کچھ مٹا دینے کا جذبہ اور گدگدی سی پیدا ہونے لگتی ہے، میرے حضرت والا حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ سیرت و سوانح بہترین واعظ ہوتے ہیں، اور یہ نورانی اور روحانی واقعات اولیاء اللہ اور علماء ربانیین کی صحبت کے قائم مقام ہوتے ہیں، انسان کی فطرت اور مزاج کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہے کہ انسان جیسے لوگوں کی سیرت و سوانحات پڑھتا ہے، اس میں وہ صفات حمیدہ منتقل ہوتی ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر انفاس العارفين کو نئی نسلوں کے لئے پڑھنا بے حد مفید اور ضروری ہے۔

انفاس العارفين کے کئی اردو تراجم ہوئے اور شائع ہوتے رہے ہیں، ان میں سے اکثر تراجم ان لوگوں نے کئے ہیں جو ایک خاص پس منظر میں شاہ صاحب کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور احوال و واقعات اور خاندانی اصل سمجھتے ہیں، جن کے بارے میں خود شاہ صاحب نے کئی جگہ وضاحت کی ہے کہ اولیاء کے احوال لپیٹ کر رکھ دینے کے لئے ہوتے ہیں۔

یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ رسم و رواج انسان کی ایک فطری مجبوری ہے، اور بڑے بڑے مصلحین کے خاندانوں میں کچھ ایسی خاص رسمیں رواج پذیر دکھائی دیتی ہیں جن کی اصل قرآن و سنت سے ثابت نہیں، مگر کبھی تو بشریت کے سبب انکی نگاہ ان تک نہیں جاتی، اور کبھی

قرآن و سنت سے مزاجی مناسبت اور اصل سے تعلق جوڑنے کی مہم میں محض رسموں سے ٹکرانے سے احتراز کرتے ہوئے ٹکراؤ کے راستے سے بچنے کی وجہ سے یہ مصلحین خاموشی اختیار کرتے، بلکہ شریک ہو کر ان کی اصلاح، اور کم از کم کھلی خرافات سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زبانیں جو اللہ کی نشانیاں ہیں، یہ زمان و مکان کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہیں اور ان کا بدلاؤ بھی اصل میں اللہ کی نشانی ہے، اہل زبان کا خیال ہے کہ ہر چالیس میل اور چالیس سال میں زبان اپنے لب و لہجہ کو بدل دیتی ہے، ایک تو پہلے ہی یہ ان ملکوتی اور علوی صفات عارفین اور علماء ربانیین کے حالات و واقعات ہیں کہ جن کی روحانی اور عرفانی سطح کو سمجھنا آج کے پست ہمت لوگوں کیلئے مشکل ہے، پھر ناقل اور لکھنے والی شخصیت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ، جن کی علمی اور روحانی سطح کیلئے میرے حضرت والا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی عالم کی سند کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ حضرت شاہ صاحب کی معرکہ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی ایک سطر کو کما حقہ سمجھ لے، اسکے علاوہ ترجمہ کرنے والوں نے تو اس کے رخ کو اور بھی موڑ دیا تھا۔

میرے حضرت والا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پھلت میں ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ یہ دور اور اس دور کے سارے ادارے اور دینی تحریکیں شاہ ولی اللہ..... کا امتداد و تسلسل ہیں اور ان میں اس وقت تک خیر شامل ہے جب تک وہ اسی نہج پر رہیں۔)

خیر کے اس تسلسل و امتداد اور اس کے مرہبین کے حالات کو سمجھنا اور پڑھنا اس دور سے صحیح طور پر وابستہ رہنے اور شاہ صاحب سے فکری اور روحانی انتساب کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے مشائخ، اساتذہ اور اجداد کے حالات کو پڑھیں، لہذا شدید ضرورت تھی کہ انفاس العارفين کا کوئی سلیس ترجمہ شائع کیا جائے، اسکے لئے اس حقیر نے اپنے فاضل

دوست اور رفیق جناب مولانا عمران مظاہری زید لطفہ کو متوجہ کیا، اللہ تعالیٰ کو یہ سعادت ان کے مقدر میں لکھنی تھی، انھوں نے بھی اپنے ولی اللہی ہونے کا حق سمجھ کر اس کا ارادہ کیا۔

چند روز پہلے ان کی ایک تحقیقی تصنیف اسماء الحسنی پر آئی تھی، اور بھی سیرت وغیرہ پر وہ بڑا قابل رشک کام کر رہے ہیں انھوں نے الحمد للہ بڑے سلیقے سے اس کا موجودہ سلیس زبان میں ترجمہ بھی کیا اور اس میں کتاب کو پڑھنے والوں کے لئے ایک مفید اور تحقیقی مقدمہ بھی لکھا، اس پر مزید یہ کہ محقق عالم دین مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی کی بھی ایک قابل قدر تحریر اس میں شامل فرمائی۔

ترجمہ کافی عرصہ ہو گیا، مکمل ہو گیا تھا، اس حقیر سے تعلق کی بنا پر ان کا اصرار تھا کہ اس پر یہ حقیر بھی کچھ لکھے، مگر یہ حقیر ہر مرتبہ اس کتاب کو پڑھ کر ان خاصانِ خدا کی عظمت کے ادب میں زمین میں گڑا جاتا رہا، ہمت جواب دیتی تھی کہ ان نفوسِ قدسی کے تذکرہ پر یہ بے بضاعت کیا لکھے، مگر وہ ترجمہ اشاعت سے رکا رہا تو مناع للخیر بننے کے خوف سے بچنے کیلئے مجبوراً یہ کالی لکیریں کاڑھ دی ہیں، رب کریم اس احساسِ کمتری کو ہی قبول فرمائیں۔

اب یہ ترجمہ ہر خاص و عام کے لئے مولانا موصوف کی طرف سے ایک مبارک تحفہ ہے، اپنے اپنے ظرف اور سطح کے لحاظ سے جو چاہے اس سے فائدہ اٹھائے، رب کریم اس ترجمے کو امت کو خیر کے اس ولی اللہی امتداد و تسلسل کے ساتھ جوڑنے کا ذریعہ بنائے، اور مولانا محترم کو ہم سب کی طرف سے اجرِ عظیم عطا فرما کر ان کے لئے بھی دارین کے لئے سرمایہ خیر بنائے۔

والسلام

خاک پائے خدامِ دین

محمد کلیم صدیقی

انفاس العارفين

ترتیب و تالیف، اشاعتیں اور ترجمے

(حضرت مولانا) نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت الامام شاہ ولی اللہ

(احمد بن عبدالرحیم الرہتکی ثم دہلوی) ولادت: ۱۱۴ھ وفات: ۱۱۷۶ھ کی ذات گرامی اور انکی غیر معمولی، دینی علمی اصلاحی آفاقی خدمات اور بے نظیر وہمہ جہت کارنامے، کسی تعارف کے محتاج نہیں، حضرت شاہ صاحب، اگر ایک جانب عظیم المرتبت مترجم و مفسر قرآن ہیں، تو دوسری جانب جلیل القدر محدث، علل و مقاصد شریعت اور حدیث نبوی شریف کے رازداں، ان کے تہہ در تہہ اسرار اور ان کی معنویت کے، ایسے بتحر عالم اور جامع کمالات شناور تھے کہ امت کی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایسے گنتی کے چند نمونے اور بہت کم مثالیں وجود میں آئی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی اسلامی علوم میں نادر جامعیت سے مالا مال، اختلاف فقہاء میں توازن و اعتدال کے رہنما، جمع بین المذاہب کی فقید المثال صلاحیت سے متصف اور ایسے بہت سے کمالات کے ایسے باخبر شاخ در شاخ ماہر و جامع تھے، کہ ان کی مثال ان سے پہلے تھی، نہ ان کے بعد سے اب تک کہیں نظر آئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فارسی میں ترجمہ قرآن مجید لکھا، اصول تفسیر کی نادر مہارت اور اعلیٰ ترین جامعیت سے ترجمانی کی، حدیث، فقہ الحدیث، مقاصد حدیث، اسرار شریعت، مقاصد شریعت اور اختلاف فقہاء کے اسباب اور ان کی نوعیتیں واضح فرمائیں، تصوف کے نازک مباحث، انکی دینی شرعی یا تجرباتی حیثیت کو، الگ الگ اور صاف کر دیا، اور تمام فکری، نظریاتی اختلافی مسائل و مباحث کے درمیان، توازن و اعتدال کی بے مثال راہ دکھائی اور ان میں سے

تقریباً ہر اک موضوع و بحث پر ایسی گراں بہا تصانیف و تحریرات یادگار چھوڑیں، جن سے پوری دنیا نے ہر جہت سے کثیر استفادہ کیا، اور عالم اسلام کی فکری تحریری اُفتخ پر اسکے اس قدر گہرے نقوش و اثرات مرتب ہو گئے ہیں کہ ہر جگہ شاہ صاحب کا حوالہ ضروری سا ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ موضوعات کی کثرت، مباحث و مضامین کی وسعت و جامعیت اور سیل رواں کی طرح جاری تحریری کام میں کسی قدر تکرار اور کبھی کبھی باہم اختلاف و تناقض عین ممکن بلکہ تقاضائے فطرت ہے، ان تضادات کی وجہ سے کئی مرتبہ حضرت شاہ صاحب سے اختلاف بھی کیا جاتا ہے، کبھی کوئی طبقہ کرتا ہے تو کبھی کوئی، حضرت شاہ صاحب کی ایسی ہی مؤلفات میں سے، جن پر بحث و تبصرہ جاری رہتا ہے ”القول الجلیل اور انفاس العارفين“ سرفہرست ہے، بعض اصحاب اسکی شاہ صاحب سے نسبت تک کا انکار کرتے ہیں اور بعض سب تحقیقات اور علوم و مباحث کو یکسر نظر انداز کر کے، فقط اسی کو اپنا رہنما اور پیشوا بناتے ہیں مگر نہ یہ صحیح کہتے ہیں نہ وہ!

انفاس العارفين، حضرت شاہ صاحب کے خاندانی بزرگوں اور اجداد کے واقعات و قصص پر مشتمل، پانچ یا سات رسائل کا مجموعہ ہے، جو یہ ہیں:

- (۱) بوارق الولاية: واقعات و حالات شاہ عبدالرحیم (والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ)
- (۲) شوارق المعرفة: حالات و واقعات شاہ ابوالرضا محمد (عم حضرت شاہ ولی اللہ)
- (۳) الامداد في مآثر الاجداد: خاندانی بزرگوں کے مختلف واقعات و اشارات
- (۴) النبذة الابريزية في اللطيفة العزیزية: واقعات سلسلہ شیخ عبدالعزیز شکر بار دہلوی
- (۵) العطية الصمدية في الانفاس المحمدية: مولانا شیخ محمد پھلتی کے احوال۔
- (۶) إنسان العين في مشائخ الحرمین: (شاہ صاحب کے اساتذہ حرمین کا ذکر خیر)
- (۷) الجزء اللطيف في تذكرة العبد الضعيف: (شاہ ولی اللہ کے سفر حج تک کے خود

نوشت مختصر حالات بلکہ اشارات ہیں)

ان سب کے مجموعہ کا نام ”انفاس العارفين“ ہے، ان میں سے پہلی تینوں تالیفات یا رسائل، ایک علیحدہ تالیف ہیں، اسی وجہ سے شاہ صاحب نے انکو، قسم اول، دوم، سوم پر مرتب اور تقسیم کیا ہے، آخر کے چاروں رسالے بظاہر بعد میں لکھے گئے، ابتدائی تینوں رسائل کے ساتھ، قلم بند نہیں ہوئے، اگر انکے ساتھ مرتب ہوئے ہوتے، تو وہ بھی اسی ترتیب کے مطابق، قسم چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، پر تقسیم و مرتب کئے جاسکتے تھے، اس کی وجہ سے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ شاید، پہلی تینوں تالیفات: بوارق الولاية، شوارق المعرفة، الإمداد في مآثر الاجداد سفر حج سے کئی سال پہلے، نوجوانی بلکہ نوعمری میں وجود میں آئیں تھیں، بعد کے چاروں رسالے، خصوصاً آخری دونوں: إنسان العين في مشائخ الحرمین اور الجزء اللطيف في تذكرة العبد الضعيف میں، ان دونوں کے سفر حج کے بعد، لکھے جانے کی صراحت و نشانات موجود ہیں، اس وجہ سے یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے سفر حج کے بعد، جب آخری دونوں رسالے مرتب کئے تو ان کو سب سے پہلے مرتب، تینوں رسائل، اور بعد کی دو تالیفات: النبذة الأبريزية اور العطية الصمدية کے ساتھ شامل و یک جا کر کے، ان تمام سات یا پانچ رسائل کے مجموعہ کو، انفاس العارفين کے نام سے موسوم کیا ہے، آخری دونوں تالیفات و رسائل کے علاوہ، یہ تمام رسائل و مؤلفات شاہ صاحب کے اپنے اجداد اور اہل خاندان سے سنی ہوئی اطلاعات و روایات اور چند ذاتی مشاہدات پر مشتمل ہیں، احتیاط کا تقاضہ ہے کہ ان میں درج اطلاعات کو، نیم معتبر مآخذ و مؤلفات کی فہرست میں رکھا جائے۔

یہاں یہ بھی بالکل صاف ہو جانا چاہئے کہ یہ مؤلفات، حضرت شاہ صاحب اور ان کے اجداد و اہل خاندان کی، دینی فکر کے نمائندہ و ترجمان اور ان کے اسلامی عقیدہ کی مظہر نہیں ہیں، گویا یہ متفرق اتفاقی واقعات ہیں، جو شاہ صاحب نے اپنے اہل خاندان سے سنے اور ان سب کو قلم بند کر کے، اپنے گھرانہ کے افراد اور ان کی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا، حضرت شاہ ولی اللہ نے

انفاس العارفين کی تمہید میں، اس کی صراحت بھی فرمادی ہے، کہ یہ چیزیں میں نے خصوصاً اہل خاندان کی معلومات کے لئے، قلم بند کی ہیں:

”باشد کہ اہل زماں عموماً و اہل ایس خاندان خصوصاً منتفع شوند“

اس لئے انفاس العارفين میں شامل رسائل میں، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اہل خاندان کا عقیدہ اور مذہبی فکر تلاش کرنا غلط اور بے حقیقت بات ہے، شاہ صاحب اور ان کے بزرگوں کے عقیدہ کی حقیقت جاننے اور اسکی اصالت و صلابت پہچاننے کے لئے، شاہ صاحب کے وصیت نامہ کو، دیکھنا پڑھنا چاہئے۔ القول الجلی اور التفہيمات الالہیہ دونوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ وصیت نامہ، سفر حج سے پہلے مرتب فرمایا تھا، یہی وصیت نامہ، شاہ صاحب اور ان کے اہل خاندان اور استادوں کی دینی فکر و عقیدہ کی نمائندگی و ترجمانی کر رہا ہے، شاہ صاحب کی تحریرات میں، اسی وصیت نامہ کو اصل و بنیاد، سمجھنا چاہئے، انفاس العارفين کے مندرجات کی وجہ سے، وصیت نامہ کو نظر انداز کرنا، بلاشبہ زیادتی اور بددیانتی ہے۔

اور حضرت شاہ صاحب کی اہم علمی تصنیفی یادگار: العقیدة الحسنہ ہے، جس پر حضرت شاہ عبد العزیز نے مفصل حاشیہ بھی لکھا تھا، اور خود بھی عقائد پر ایک جامع رسالہ تحریر فرمایا تھا، ان لوگوں کی ان تحریرات و مؤلفات پر کیوں نگاہ نہیں جاتی، ان کے ذہن اور دماغ، ان کے پڑھنے، جاننے اور سمجھنے سے کیوں قاصر و در ماندہ رہ جاتے ہیں؟ بات صاف ہے کہ ان کا مقصد نہ شاہ ولی اللہ اور ان کے عقیدہ اور فکر کو جاننا ہے، نہ ہی اس پر عمل کرنا، یا اس کے مطابق کوئی دینی کام اور خدمت انجام دینا، مقصد صرف اپنی پسند کی ہوئی راہ اور غلط طریقہ کی تائید ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مدارِ نجات حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر سفر ہے، احمد رضا بریلوی کے راستہ کا اور اس میں نجات کے منحصر ہونے کا، امت کی تیرہ سو سال کی تاریخ میں کہیں تذکرہ نہیں آیا، شاید ایسے ہی کسی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ:

ترسم کہ بلعجبہ نہ رسی اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی، بہ ترکستان است

بہر حال انفاس العارفين کے ابتدائی رسائل و مؤلفات کا، حضرت شاہ صاحب نے، اپنی تصانیف و کتب میں، علمی استدلالی حیثیت سے کہیں تذکرہ نہیں کیا، حضرت شاہ صاحب کی تحریروں، تالیفات میں، اس کا حوالہ نہ ہونے کے برابر ہے، خاندان ولی اللہی اور ان کے وابستگان میں، انفاس العارفين کے مطالعہ اور اس سے استفادہ کا بہت معمول نہیں رہا، جس کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انفاس العارفين میں شامل (آخری دونوں رسائل کے علاوہ) کسی رسالہ کا، ایسا کوئی خطی نسخہ، راقم سطور کے علم میں نہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات (وفات: ۱۱۷۶ھ) یا اس کے پچاس سال بعد تک، نقل و کتابت ہوا ہو۔

مجھے انفاس العارفين کے، سب سے پرانے جن دو نسخوں کا علم ہے، وہ دونوں ہی حضرت شاہ عبدالعزیز کے سال وفات ۱۲۳۹ھ کے لکھے ہوئے ہیں، انفاس العارفين کے اس سے قبل کے کسی اور قلمی نسخہ کا سراغ نہیں ملا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف و کتب، حضرت شاہ عبدالعزیز کی زندگی میں، کلکتہ سے چھپنا شروع ہو گئیں تھیں، لیکن انفاس العارفين، حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسہ کے فرزند، سید احمد ولی اللہی نے پہلی مرتبہ، اپنے مطبع احمدی (متعلقہ مدرسہ شاہ عبدالعزیز) دہلی سے ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷م میں شائع کی تھی، یہ طباعت بڑی پیمائش کے ایک سو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے، کتابت و طباعت عمدہ ہے، مگر اس میں کہیں اس کا تذکرہ نہیں کہ یہ طباعت کس نسخہ پر مبنی ہے، اس کی اصل کہاں سے دستیاب ہوئی تھی، انفاس العارفين کی اسی طباعت سے یہ کتاب ایک مرتبہ مطبع مجتبائی دہلی سے، ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷م میں چھپی تھی، مگر یہ طباعت عمدہ اور صاف نہیں اور صحت متن میں بھی، مطبع احمدی کے برابر نہیں ہے۔

انفاس العارفين کے متعدد رسائل، الإمداد فی مآثر الأجداد، انسان العین فی مشائخ

الحرمين اور الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف وغيره، انفاس العارفين کے علاوہ، حضرت شاہ صاحب کے اور رسائل کے ساتھ، شامل ہو کر بھی چھپے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی ہوا ہے، مگر یہ تمام رسالے ایک جگہ نہیں چھپے، ناشرین نے، اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق، علیحدہ علیحدہ دوسرے رسائل کے ساتھ شامل اور شائع کئے ہیں، کسی مجموعہ کے ساتھ کوئی رسالہ چھپا ہے، کسی اور کے ساتھ دوسرا، یہ ترجمے اگرچہ ان ہی رسائل کے ہیں، مگر ان کو انفاس العارفين کے ترجموں میں شمار کرنا صحیح نہ ہوگا۔

انفاس العارفين میں شامل تمام رسائل کے مجموعہ کا، کوئی ایک مکمل ترجمہ، کسی ذمہ دار مترجم اور ادارہ کی جانب سے شائع نہیں ہوا، مجھے اس کے صرف دو ترجموں کا علم ہے، جو انفاس العارفين کے جملہ رسائل پر مبنی ہیں، مگر بد قسمتی سے یہ دونوں ترجمے، حضرت شاہ صاحب کی صحیح فہم تک رسائی، ان کے عمل بالقرآن والسنہ اور شرک و بدعات کی پرزور تردید اور پیغام کی تکمیل کے لئے نہیں، بلکہ اس کے بالکل مخالف پہلو کو قوت دینے اور اپنے غلط خیالات و نظریات کی، کسی نہ کسی طرح تائید حاصل کرنے کے لئے کئے، اور چھاپے گئے ہیں، یہ دونوں ترجمے اہل بدعات کے ہیں، ان کے خیال بلکہ عقیدہ و عمل کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کے یہاں احادیث صحیحہ نبویہ، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ائمہ سلف، دین و شریعت کے معاملات اور عقائد میں سلف کی وضاحت و تحقیق پر مشتمل اور پوری امت میں معمول و معتمد کتابوں اور فیصلوں کی ذرا بھی وقعت و اہمیت نہیں، صرف وہ چند باتیں جنکی احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی، یا دوسرے اہل بدعت اور مجاوران قبور کی تحریرات و عمل سے خبر اور تائید ملتی ہے، اسی پر عمل ہے، انہیں کی تائید تلاش کی جاتی ہے اور بد قسمتی اور بد نصیبی ہے، کہ صریح ترین آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوة و تحیہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمول و ہدایات، ائمہ عقائد و فقہ کی وضاحت اور واضح تصریحات

کو، پوری طرح نظر انداز، بلکہ معاذ اللہ معاذ اللہ! ان سب کی جملہ ہدایات، تعلیمات، اور مکمل رہنمائی کو فضول اور بے حقیقت جان کر، ان خرافات و بدعات کی تائید کے لئے، ائمہ سلف اور امت کی چودہ سو سالہ، مسلسل ترتیب و عمل اور مانا علیہ واصحابی کے ارشاد عالی کو ترک کر کے، خرافاتی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ غیر معتبر کتابوں، تالیفات کی بے اصل باتوں، اور موضوع و کمزور ترین روایات سے اخذ و استدلال کیا جاتا ہے، انفرادی، شخصی ذوق، ذاتی معمول اور وقتی دلچسپی کی باتوں، کاموں کو، سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جن میں استدلال بننے اور امت کے متفق، علیہ ابدی موقف اور بنیادی عقائد و اصول کی موجودگی میں، ٹکنے کی صلاحیت ہی نہیں۔

بہر حال اپنے اسی قبور پرستی اور بدعات و بے سند باتوں پر عمل کے مزاج کو، قوت دینے کے خیال سے، انفاس العارفين کے دو ترجمے، وقفہ وقفہ سے چھپے۔

ترجمہ اردو، انفاس العارفين: حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی، اسکوپہلی مرتبہ فضل نور اکیڈمی چک سادہ شریف گجرات [پاکستان] نے ۱۹۷۰م میں شائع کیا تھا، یہ ترجمہ دوسو ننانوے (۲۹۹) صفحات پر مشتمل ہے۔

انفاس العارفين کا دوسرا ترجمہ: سید فاروق صاحب قادری (بھاؤل پور) کے قلم سے شعبان ۱۳۹۳ھ ستمبر ۱۹۷۳م میں پورا ہوا، اور اسی وقت پاکستان سے شائع ہو گیا تھا، بعد میں اسی ترجمہ کو، دیوبند کے ایک ناشر نے، بغیر یہ دیکھے کہ اس کے مقاصد کیا ہیں اور اس میں کہاں کہاں حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات و مقاصد سے انحراف ہوا ہے، اس کو بہت زور و شور سے شائع کیا، اکثر قارئین کو، اسی اشاعت سے انفاس کے ترجمہ کا علم ہوا، دیوبند کے نسخہ پر بھی سن طباعت درج نہیں، یہ طباعت چار سو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ دونوں ترجمے، چوں کہ خاص مقصد اور حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات و نظریات کے بالکل خلاف، غلط باتوں کو آگے بڑھانے، ترویج دینے کے لئے، کئے گئے تھے، اس لئے

ترجمہ کا وہی آہنگ رکھا گیا ہے، جس سے اس کو غلط سمجھا جائے اور وہی عنوانات لگائے گئے ہیں، جن سے پڑھنے والوں کے قدم ڈگمگائیں، اس لئے ضرورت تھی کہ اس کا ایک صحیح ترجمہ کیا جائے، جس کے ذریعہ سے، قارئین کتاب سے صحیح استفادہ کریں، ان واقعات و قصص کی جانکاری حاصل کریں، لیکن یہ ترجمہ، ان کو راہ سے بے راہ (Miss Gaid) نہ کرے، یہ ترجمہ امید ہے کہ اس مقصد کو پورا کرنے میں مدد کرے گا۔

مترجم مولوی محمد عمران مظاہری صاحب نے، اس ترجمہ سے پہلے انفاس العارفين کے نسخہ مطبوعہ احمدی کی مدد سے، اس کا اردو میں ایک خلاصہ تیار کیا تھا، مگر میں نے ان کو پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا مشورہ دیا، جس کو انہوں نے پسند کیا، یہی ترجمہ اس وقت چھپنے کے لئے جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اس سے صحیح فائدہ اٹھایا جائے گا اور حضرت شاہ ولی اللہ کی نسبت کی وجہ سے، کسی غلط مقصد سے یہ کتاب اور اس کا یہ ترجمہ استعمال نہیں ہوگا، مترجم مولوی محمد عمران مظاہری صاحب کے سخت اصرار پر، یہ چند صفحات لکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مترجم کی اس کاوش کو قبول فرمائے، ان کو اخلاص کے ساتھ اچھے کاموں کو آگے بڑھانے کا موقع بخشے، غلط رہنماؤں اور رہنمائی سے پوری حفاظت فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔ فقط

نور الحسن راشد کاندھلوی

۲۵ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ

مفتی الہی بخش اکیڈمی

۸ نومبر ۲۰۱۵م

کاندھلہ، ضلع شمالی، یوپی

عرض مترجم

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الملك القدوس السلام، فالق الحب والنوى خالق الانام، وقال يا ابن آدم
 إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أُبَالِي * يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ
 ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ * يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ
 الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقَيْتَنِي لَا تَشْرُكَ بِي شَيْئًا لَا تَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةٌ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ
 الْإِيمَانُ الْإِكْمَالُ عَلَى الْمَبْعُوثِ رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِينَ نَبِيْنَا مُحَمَّدُ الْهَادِي الْآمِينَ وَآلِهِ
 وَصَحْبِهِ وَمَنْ اتَّبَعَهُ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ * (رواه الترمذی)

حضرت شاہ ولی اللہ

امام شاہ ولی اللہ کی شخصیت تعارف کی محتاج نہیں، ضلع مظفرنگر میں واقع اہل اللہ کی بستی پھلت
 سے اٹھارویں صدی میں طلوع ہونے والا یہ سورج یقیناً پوری دنیا کو روشنی کی سوغات بانٹ گیا،
 آپ نے خود اپنے حالات کافی تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں جو انفاس العارفين کے آخری
 رسالہ میں موجود ہیں، لہذا یہاں ان کے تکرار کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

آپ کا مطالعہ کرنے والے پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ شاہ صاحب کی
 شخصیت ایسی ہمہ جہت ہے کہ ان کو پورے اسلامی انسائیکلو پیڈیا کا امام قرار دینے میں تردد کی
 کوئی گنجائش نہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر، بریلوی، دیوبندی
 اور غیر مقلدین سب ان کے ساتھ اپنی نسبت کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں، اور امام
 صاحب اعتدال کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ ہر مکتبہ فکر آپ کو اپنی اپنی صحیح افکار کا ترجمان
 اور بانی سمجھتا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کو کوئی مسلک، کوئی مکتبہ فکر اور کوئی گروہ بھی
 اپنی فکری زنجیر میں پوری طرح باندھ نہیں سکتا، ان کا سراپا کسی بھی جماعت کے بنائے ہوئے

فریم میں پورا نہیں سما سکتا، کیونکہ ان جماعتوں میں سے کوئی بھی جماعت ایسی نہیں جس نے اپنی پوری کی پوری آؤٹ لائن محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے خط پر کھینچی ہو، کسی کی لائن کہیں سے باہر ہے کسی کی کہیں سے، تعصب، تجاہل اور تفاخر کے محلات گرا کر اگر کوشش کی جائے تو ان تمام چوکھٹوں میں سے ایک صحیح فریم ضرور نکل آئے گا، لیکن اس میں دایاں بازو الگ چوکھے کا فٹ ہوگا، سردل الگ فریم کا، بایاں بازو کسی جگہ سے نکلے گا تو پیردل کہیں اور سے، اور شریعت مطہرہ کے اس فریم کا نام ہوگا ”شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ“۔

ایسی صورت میں ہر ایک لکڑی کا مالک اسے اپنے فریم کا امین سمجھے تو سمجھتا رہے، کسی کا کیا جاتا ہے؟ ایک فریق ان کی ایک تحریر کو غلط نسبت کا تمغہ دیدے دوسرا فریق دوسری تحریر کو۔

ایک تمثیل بیان کی جاتی ہے کہ چار اندھے تھے جنہوں نے کبھی ہاتھی نہ دیکھا تھا، اتفاق سے ایک روز ان کے گاؤں میں ہاتھی آ گیا، اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کے لئے انہوں نے کسی بیٹا سے فرمائش کی کہ انہیں ہاتھی دکھا دے، بیٹا نے ایک کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھی کی ٹانگ پر ٹکا دیا کہ یہ ہے ہاتھی، دوسرے کا ہاتھ سونڈ کو لگا دیا کہ لو یہ رہا ہاتھی، تیسرے کے ہاتھ میں دم پکڑا دی کہ لو تم بھی دیکھ لو ہاتھی، چوتھے کے ہاتھ میں کان تھما دیا کہ ایسا ہوتا ہے ہاتھی۔

چاروں خوش ہو گئے، لیکن جب ہاتھی چلا گیا تو آپس میں جھگڑنے لگے، ایک کہتا ہے کہ ہاتھی ستون کی مانند ہوتا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ تم نرے بیوقوف ہو، ہاتھی تم نے دیکھا ہی نہیں، وہ تو بالکل پائپ کی طرح ہوتا ہے، تیسرے کا اصرار ہوا کہ تم دونوں جاہل کے جاہل ہی رہ گئے ہاتھی جھاڑو کے مشابہ ہوتا ہے، چوتھا کہہ رہا ہے کہ تم سب نے تو کھو دیا موقع، ہاتھی کو ہم نے خوب ٹٹول ٹٹول دیکھا ہے، پنکھا اور ہاتھی ایک ہی چیز سمجھو۔

ظاہر ہے کہ اپنے اپنے حال میں سچے اور امین ہونے کے باوجود بیچا روں آدمی ہاتھی کی غلط تعریف کر رہے ہیں، اللہ رحم فرمائے امت پر کہ اس کی کافی طاقت اسی ادھیڑ بن میں خرچ ہو

رہی ہے، اس کے بہترین دماغ اسی طرح کی فضولیات میں ضائع ہو رہے ہیں، اپنے نظریہ کے صحیح ہونے کے دلائل کم اور فریق ثانی کی تغلیط کے دمدے زیادہ۔

انفاس العارفين

انفاس العارفين کا موضوع تو شاہ ولی اللہ کے اسلاف اور ان کے متعلقین کا ذکر خیر ہے، لیکن درحقیقت یہ کتاب علوم تصوف کا خزینہ، معارف کا گنجینہ، علم کلام کا نمونہ اور ولی الہی سلسلہ کا بیش بہا انسائیکلو پیڈیا ہے، اسکے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ مقبولیت کا جو مقام اس کتاب کو حاصل ہونا چاہئے تھا اسکا عشر بھی حاصل نہیں ہوا، انفاس العارفين کے ایک مترجم سید محمد فاروق شکایتاً لکھتے ہیں:

”عجیب اتفاق ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندانی حالات لکھنے والوں کے لئے پہلا اور آخری ماخذ یہی کتاب ہے، لیکن اس سے بے اعتنائی کا یہ عالم ہے کہ ایک دوسطروں سے زیادہ میں کوئی اس کا ذکر بھی نہیں کرتا، آخر اس کے علاوہ کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ انفاس العارفين کے مضامین سے ذہنی موافقت نہیں پاتے۔“ (انفاس العارفين کا مقدمہ از سید محمد فاروق ص ۲۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکی جو وجہ فاروق صاحب نے بیان کی ہے وہ بھی اپنی جگہ ہے، لیکن یہ معاملہ صرف انفاس العارفين کے ساتھ نہیں، بلکہ جس طرح ایک ”خاص ذہنیت“ کو انفاس کے مضامین سے ذہنی موافقت نہیں ہو سکی، ٹھیک اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ دوسری ”خاص ذہنیت“ شاہ صاحب کی دوسری کتابوں سے ہم آہنگ نہ ہو سکی، انہوں نے شاہ صاحب کی کئی کتابوں کا سرے سے انکار ہی کر ڈالا، جیسا کہ اسی کتاب کے اندرونی سرورق پر سید ظہیر احمد کے ذریعہ اعلان کیا گیا، اور محمد فاروق صاحب نے شکایت کی:

”تحفۃ المؤمنین ایسی فرضی اور جعلی کتابوں اور حجۃ اللہ البالغہ یا تہہیمات کے مصنف شاہ ولی اللہ کو تو ہم اچھی طرح جانتے ہیں لیکن، انفاس العارفين، فیوض الحرمین، الدر الثمین، القول الجمیل،

الانتباه في سلاسل الاولياء اور اطيب النعم في مدح سيد العرب والعجم کے مؤلف شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہمیں آج تک نہیں بتایا گیا۔“ (ایضاً ص ۱۹)

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر جماعت، ہر قاری اور ہر ایک ذہن کا اپنا ولی اللہ الگ ہے، لہذا جس ذہنیت نے بھی شاہ صاحب کے کسی مضمون کو قبول کرنے سے انکار کیا، اس نے اپنے آپ کو بدلنے اور شاہ صاحب کے فکری ترازو میں خود کو توڑنے کے بجائے ترازو کو بدلنے کی کوشش کر ڈالی، ایک نے اغماض کیا دوسرے نے انکار، ایک کو شاہ صاحب کے مضامین تصوف سے قبض ہو گیا دوسرے کو مضامین توحید سے چڑ، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اگر انصاف پسندی، اعتدال اور تحمل سے کام لیتے ہوئے ان دونوں مضامین کا جائزہ لیتے تو نوبت یہاں نہ پہنچتی، کوئی اسلامی فرقہ ایسا نہیں جو توحید کو اسلام کا سب سے پہلا، اہم اور بنیادی ستون نہ مانتا ہو، اسی طرح ایسا بھی فرقہ کوئی نہیں جو صاف ستھرے اور صحیح العقیدہ اور متبع سنت صوفیاء کرام کو عقیدت و احترام سے نہ دیکھتا ہو، پھر یہ لڑائی کیسی ہے؟ یہ لڑائی مبالغہ، افراط و تفریط اور اعتراض و تکفیر کی ہے۔

لیکن یہ سمجھنا بھی پوری طرح صحیح نہیں ہے کہ ذہنی موافقت نہ ہونے میں سارا قصور ”خاص سا نچے“ کا ہے بلکہ ان کتابوں کا مواد بھی اس کا اچھا خاصا ذمہ دار ہے، مثلاً انفاس العارفين کو ہی لیں، اس میں کئی جگہوں پر ایسے مضامین موجود ہیں جو بظاہر قرآن و حدیث اور امت کے متفق علیہ عقائد سے ٹکراتے ہیں، یہ واقعہ دیکھیں:

”کاتب الحروف کہتا ہے خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لیا تھا، اس نے حضرت والد کو دکھایا، آپ

نے اسے تنہائی میں بلایا، اس وقت یہ فقیر بھی موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے مگر اسکی عمر کم ہے۔

عرض کیا: کیا اچھا ہو کہ میری بیوی کی زندگی گھوڑے کو مل جائے، یہ عورت بڑی بد زبان و بد عادت

تھی، اس سے وہ تنگ آچکا تھا، آپ نے مسکرا کر فرمایا: ایسا ہی ہو جائے گا، تین مہینے نہ گزرے

تھے کہ اس کی بیوی مر گئی اور گھوڑا سلامت رہا، جس کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔ (ص ۱۸۳)

دوسرا واقعہ: شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ عبدالرحمن نخلی رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے یہاں زینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے، جب شیخ احمد رحمۃ اللہ پیدا ہوئے تو ان کے لئے اولیاء اللہ سے دعاء کی درخواست کی، اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ کو شیخ تاج سنہلی کی خدمت میں بھیجتے تھے، ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنہلی نے قدرے تامل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کی زندگی کم ہے۔

جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچہ کو دیدی، اور آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا مدد دعا پورا ہو گیا ہے، اور اپنی طرف سے شیخ احمد نخلی کے والد کو تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے دی، چنانچہ وہ اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ (کتاب ہذا، ص ۴۶۴)

اسی طرح کا ایک واقعہ اور دیکھ لیجئے: فرمایا: ایک دن میں تنہا اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیا سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد، میں نے جواب دیا: ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں اور میں انکی امید میں ہوں، کہنے لگا: اچھا! تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت مؤخر کر دی گئی، اسکے بعد وہ واپس ہو گیا، میں نے اسکی پشت پر جڑے ہوئے مرصع جواہرات دیکھے۔ (۱۵۳)

ایسے واقعات سے الجھن ہونا اور ذہنی طور پر ان سے ہم آہنگ نہ ہو پانا ان کی توجیہ و تاویل سمجھ میں نہ آنے کی بنا پر ہے نہ کہ تصوف سے مخالفت یا کسی خاص سانچے کے سبب، اس سلسلے میں ان کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ اگر ان کا ذہن ان واقعات کی تاویل نہیں کر سکا ہے تو

ان واقعات کا انکار ہی عین ایمان ہے، جس طرح یہاں عمروں کے تبادلے کئے جا رہے ہیں، اگر ان کی کوئی مناسب تاویل نہ ہو اور یہ اپنے ظاہر پر واقع ہوں تو یہ کوئی سادہ سا واقعہ نہیں بلکہ قرآن کریم کے خلاف ایک سخت ترین دعویٰ ہے، ارشادِ ربی ہے:

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ* (الحجر ۵، المؤمنون ۴۳)

کوئی مخلوق اپنے مقررہ وقت کو نہ پہلے لا سکتی ہے نہ ہی پیچھے دھکیل سکتی ہے۔

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ* (المنفقون ۱۱)

اللہ تعالیٰ ہرگز تاخیر نہیں کرتے جب اس کا وقت آجائے، اللہ کو معلوم ہیں تمہارے سب کرتوت۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا

يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ* (يونس ۴۹)

آپ فرمادیں کہ میں نہ تو کسی کے نقصان کا مالک ہوں نہ ہی نفع کا مگر اللہ تعالیٰ جو چاہیں، ہر ایک مخلوق کا وقت متعین ہے، جیسے ہی وہ وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک لمحہ آگے ہو سکتا ہے نہ پیچھے۔

قرآن کریم کی یہ آیات ہمیں بتا رہی ہیں کہ جب کسی کا وقت موعود آجاتا ہے تو ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہو سکتی، نہ کسی کی موت پہلے آ سکتی ہے، اس کا جو وقت مقرر ہے اس سے ادھر ادھر ہو جانے کا سوال ہی نہیں، ادھر یہ احوال کہتے ہیں کہ اس میں تصرف کیا جا سکتا ہے، ایک کی عمر دوسرے کو بھی دی جا سکتی ہے، یہی نہیں بلکہ انسانوں کی عمر جانوروں کو بھی دے سکتے ہیں۔

لیکن قرآن کریم کے بیانات کے سامنے ہمارے پاس کوئی حجت نہیں، ان اہل اللہ کے بارے میں بھی ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ انہوں نے غلط بیانی سے کام لیا ہوگا، لہذا ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں سوائے اسکے کہ ہم ان واقعات کی کوئی تاویل کریں جس سے ہمارا ایمان سلامت رہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ واقعات تمثیل محض ہیں، ظاہر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔

درحقیقت اہل اللہ کی قوت متخیلہ انتہائی فعال اور قوی ہوتی ہے، یہی قوت انہیں تکوینی امور کا

ادراک کراتی ہے جسے کاملین الہام خداوندی کا نام دیتے ہیں، یقیناً ان میں سے اکثر الہامات منجانب اللہ ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض انکی اسی قوت متخیلہ کا کارنامہ بھی ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم ودانا ہیں وہ ایسے تخیلات کے ذریعہ اپنے مقرب بندوں سے بہت سے مفید کام لیتے ہیں، اسکا نام ظاہر میں تصرف رکھ دیں یا الہام یا دعائے مستجاب، ورنہ حقیقی اور شرعی رو سے نہ ان کا وجود ہے نہ اعتبار، اسی لئے نہ عقیدے کے طور پر ان کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نہ ہی یہ شرعاً دلیل و حجت بن سکتے ہیں، البتہ عالم مثال میں ان کو درک بھی حاصل ہے، وجود بھی، اور ان کے فوائد و منافع خود صاحب تصرف ولی کے لئے بھی ہیں اور دوسرے عوام الناس کے لئے بھی، یہ کمزوروں کے لئے سہارا بھی ہیں اور کابلوں کے لئے مہمیز بھی، ان تصرفات کے اگر فوائد نہ ہوتے، تو انبیاء کرام کو معجزوں سے نہ نوازا جاتا، اولیاء اللہ کی کرامات بھی لوگوں کے دلوں کو اسی طرح ہدایت و اطاعت پر کمر بستہ کرتی ہیں، جس طرح انبیاء کرام کے معجزات ان کو ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور کرتے ہیں

اسکے علاوہ بھی کتاب میں بعض مضامین ایسے ہیں جو شاہ ولی اللہ کی شخصیت پر منطبق نہیں ہوتے، ان کے مزاج و آہنگ سے میل نہیں کھاتے، یقیناً ان میں سے بعض کی حسین اور معقول توجیہات بھی کتاب میں موجود ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ اہل علم اسلاف ان سے وہ مطلب مراد نہیں لیتے جو ظاہر الفاظ سے نکلتا ہے، یا جو معنی موقع پرست جھوٹے لوگ اپنی ہوا پرستی کے لئے بیان کرتے ہیں۔

مثلاً امام جعفر صادق کے قول: نحن اناس سرمدیون * ہم سرمدی لوگ ہیں، (ص ۳۲۴) اسکی تفسیر لمبی مدت سے کی ہے، اسی طرح حضرت بایزید کا قول: خضت بحر و وقف الانبیاء بساحلہ * ہم نے غوطہ لگا یا جبکہ انبیاء ساحل پر کھڑے تھے (۳۲۲) اس کی تفسیر میں فرمایا کہ انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے، مزید تاویلات آپ کتاب میں دیکھ ہی لیں گے۔

معلوم ہوا کہ جب ہم ان اقوال کی تشریحات اور معانی پر مطلع ہوتے ہیں تو اعتراض ختم ہو جاتا ہے ورنہ اعتراض کی قینچی چلتی رہتی ہے۔

یہاں میں ایک بہت ہی مناسب مثال خود اپنی پیش کرونگا، حکیم ترمذی متوفی ۲۹۶ھ کا ایک قول ہے ”الولاية افضل من النبوة“ اسے پڑھنے کے بعد طبیعت بے چین و مکدر ہوگئی، یہاں تک کہ طے کر لیا کہ مجھے اس کتاب میں حصہ دار نہیں بننا، اور کام بند کر دیا، مرشدی و سندی حضرت داعی اسلام مولانا محمد کلیم صدیقی دامت برکاتہم کا فون آیا جس میں انفاس العارفين کے سلسلے میں استفسار فرمایا، میں یہی سمجھا کہ ہمیں کامن جانب اللہ انتظام کیا گیا ہے، لہذا دوبارہ کام شروع کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس قول کے جو معانی ذہن میں ڈالے اس سے نہ صرف تکرر دور ہو گیا، بلکہ طبیعت جھوم اٹھی اور نشاط دوبالا ہو گیا، آپ اس کتاب کے صفحہ (۲۰۱) کا حاشیہ ملاحظہ کریں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ہر الفاظ اور تاویل میں کیا فرق ہوتا ہے، اس قول کی تاویلیہ ہے کہ یہاں افضل سے مراد افضل فی الدرجات نہیں ہے، بلکہ مفید لوجہ ہے، یعنی ولایۃ ایک اعتبار سے نبوت سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ وہ قابل حصول ہے، ہم اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں، حرص اور دعا بھی، لیکن نبوت چونکہ خالص وہی شے ہے اس لئے نہ اسکی کوشش جائز کہ یہ سعی لاحاصل و لغو ہوگی، نہ دعا جائز کہ یہ دعائے باطل ہوگی۔

ولایت میں کسب و محنت، عبادت و ریاضت کو دخل ہے اس لئے وہ اس معنی میں زیادہ مفید ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی نبی کی پیروی میں الگ الگ لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نبی و پیغمبر سے بہت ہی کمتر لوگوں کو اس کے حصول کی امید طاعات پر ابھارتی رہتی ہے، بلکہ یہ کیوں نہ کہدوں کہ اللہ کے گناہ گار، ناکارہ، نکمے اور نالائق ترین بندے بھی اس فضل سے مایوس نہیں ہوتے، انہیں بھی مفت میں توقع رہتی ہے کہ جانے کب قطب بنا دیئے جاؤ، جانے کب کسی شیخ کی نگاہ کامل تمہیں بھی کامل بنا دے۔

اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دعویٰ کرے کہ چراغ سورج سے بہتر ہے، بھلا کہاں سورج کہ جس سے تمام جہان روشن ہے اور کہاں یہ حقیر دیا جو اپنی لو سے اپنے ہی نیچے روشنی پہنچانے سے قاصر ہے، لیکن مدعی کا یہ دعویٰ بالکل درست ہوگا جب اس کا مطلب یہ ہو کہ چراغ کو ہم جب چاہیں روشن کر لیں، جب چاہیں گل، جہاں چاہیں رکھ لیں، جہاں سے چاہیں اٹھادیں، یہ چراغ کے وہ فوائد ہیں جو ہمیں سورج سے نہیں مل سکتے، غالب کا شعر مستعار لیتا ہوں:

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا سا غرجم سے مراجامِ سفال اچھا ہے

تو الولایۃ افضل من النبوة کے معنی ہونگے، نفع من النبوة عن وجه الحصول * واللہ اعلم

حکیم ترمذی، ابن عربی، بایزید جیسے اسلاف تو بہت بڑی بات ہے، ہم نے ان کو نہیں دیکھا، ان کے دور کو بھی ہم نے نہیں پایا، ہم نے تو ان کے اخلاف در اخلاف دیکھے ہیں، جنکا دور بھی وہ دور ہے جس میں گناہ کو عیب کے بجائے فن، اور طاعات کو بنیاد پرستی کا نام دیا جا رہا ہے، بدزبانی اور الزام تراشی کو آزادی رائے کے حسین فریم میں فٹ کر کے اپنے محسنوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، ایسے مخدوش دور میں ان اخلاف کا حال یہ ہے کہ سنتوں پر عمل کے حریص ہیں، اسی کے داعی ہیں، اسی کو تمام شرف اور فضیلت کا محور سمجھتے اور کہتے ہیں، ان کی زبان پر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جذبات ہیں وہ ان کی تقریر و تحریر میں یوں اجاگر ہوتے ہیں:

نہیں جن میں تمہارا نقش شامل

وہ نقشے ہیں مٹا دینے کے قابل

احبازت ہو تو شاہا پیش کردوں

مرے پہلو میں ہے ٹوٹا ہوا دل

جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ زبان اس نام کی لذت سے لپٹ لپٹ جا رہی ہے، نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ لیتے ہیں شیرینی ہمارے لبوں تک پہنچتی ہے، ان کو دیکھ کر مردہ

دلوں میں جان پڑتی ہے، سوئے ہوئے علوی جذبات بیدار ہوتے ہیں، اور مستائے ہوئے سفلی جذبات منہ چھپاتے ہیں، دل میں عشق نبی ﷺ کا دیا روشن ہوتا ہے، طاعات و عبادات کی رغبت اور معصیات سے طبیعت میں نفرت پیدا ہوتی ہے، جب ان کے اخلاف کا اس گئے گزرے دور میں یہ عالم ہے تو خود ان کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ وہ دور بھی نورانی تھا، اور آج کی یہ خرافات جنہوں نے جینا محال کر رکھا ہے اس وقت نہ تھیں۔

ہم کیسے تصور کر لیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کے خلاف دعوت دی؟ اور امت کو ہدایت کے بجائے گمراہی پر لگایا؟ لہذا اسلاف پر طعن کرنے سے بہتر ہے کہ ان کے ایسے اقوال کی تاویل میں سعی کی جائے، امید ہے کہ اس سے حقائق و معارف کی راہ کھلے گی۔

اگر کسی بدعت پر طعن کرنا ہے، خوشی سے کیجئے، قرآن و حدیث کی وہ تشریح جسے آپ کے علم و وجدان نے آپ پر کھولا ہے، اگر اس کی روشنی میں دیانت کے ساتھ آپ کسی عمل کو شرک سمجھ رہے ہیں تو یقیناً آپ کو حق ہے کہ آپ اس کے سدباب کی ایماندارانہ کوشش کریں، اور اپنے دینی بھائیوں کو خیر خواہانہ دعوت دیں اور انہیں راس المنکرات سے بچانے کی سچی فکر کریں۔

لیکن اسکے لئے اسلاف کی پگڑیاں اچھالنا، ان کو متہم کرنا، ان کے اندر نقائص پیدا کر کے انہیں یہاں وہاں گاتے پھرنا، خیر خواہی نہیں کہلاتا۔

اپنے بزرگوں اور محسنوں کا نام ہم عقیدت سے نہ لیں، ان کے کارناموں اور قربانیوں کو خراج تحسین پیش نہ کریں تو ہم احسان فراموش کہلائیں گے، اور ہم اس فیض سے یقیناً محروم رہیں گے جو ان کی اعلیٰ شخصیات سے اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے۔

یہاں مجھے ایک حدیث یاد آ رہی ہے، امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے:

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيْسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَيْكَ إِذَا كَانَ فِيهِمْ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنُو أَعْلَى قَبْرِهِ
مَسْجِدًا وَصَوْرًا وَفِيهِ تَبِيكُ الصُّورِ أَوْ لَيْتِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ* (۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدہ ام حبیبہ و سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک گرجا کا تذکرہ کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصاویر آویزاں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ ان میں جو بھی نیک آدمی ہوتا، تو اس کے بعد لوگ اس کی قبر پر مسجد تعمیر کر دیتے اور اس میں اس کی تصویر لگا لیتے، قیامت کے دن یہ لوگ اللہ کے نزدیک سب سے بد معاش مخلوق ہونگے۔

اس حدیث کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ آقا ﷺ نے بتوں کے بنانے، پوجنے والوں کو تو شرار الخلق عند اللہ سے تعبیر کیا، لیکن خود ان بزرگوں کا صالح انسان کہہ کر خیر کے ساتھ ذکر فرمایا، معلوم ہوا کہ شرک کا جو بھی گناہ ہے وہ مشرک پر ہے نہ کہ ان صالحین پر۔ جبکہ ہمارے مصلحین کا معاملہ مختلف ہے، مخاطبین جنہیں یہ ذہن مشرک سمجھتا ہے ان سے تو رسم و راہ اور تعلقات ہیں، لیکن اسلاف ہر وقت ان کے عتاب کا شکار ہیں، ان حضرات نے اپنی پوری قوت اسی برے کام پر لگا رکھی ہے کہ بزرگوں میں برائیاں بیان کریں، یہ طریقہ تو اصلاح کا نہیں ہو سکتا۔

لیکن اس سلسلے میں سب کو مطعون کرنا بھی ناروا اور خلاف حقیقت ہے، راقم السطور اپنے بزرگوں کو ہمیشہ سے دیکھتا آیا ہے کہ انکے یہاں اہل اللہ کا اکرام و احترام کیا جاتا ہے، ان کے ملفوظات کو مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے، انکے کمالات اور زہد و طاعات کے تذکرے ہوتے ہیں، ان کی سوانحات اور حیات و خدمات پر مضامین، رسائل اور کتابیں شائع کی جاتی ہیں۔

لیکن اختلاف اس وقت شروع ہوتا ہے جب ایک طبقہ کہتا ہے کہ بزرگان دین کو صرف بزرگ

ماننا کافی نہیں بلکہ انہیں الہی درجہ کا مسند نشین جانو، انہیں مختارِ کل اور قادرِ مطلق مانو، انہیں عالم الغیب اور کائنات کے سیاہ سفید کا مالک سمجھو، دوسرا کہتا ہے کہ ائمہ کرام اور علماء عظام سے برأت کا اعلان کرو، انہیں جاہلِ مطلق سمجھو، نہ صرف ان کی اقتداء سے ہاتھ کھڑے کر دو بلکہ جہاں تک ممکن ہو ان کے خلاف عمل کرو! ہمیں نہ ان کی منظور نہ ان کی۔

یہ دونوں طبقے بزرگانِ دین کو سب و شتم کرنے میں ایک دوسرے سے آگے ہیں، ایک ادھر والوں کو کافر کہتا ہے اور ساتھ میں درمیان والوں کو بھی نواز دیتا ہے، دوسرا ادھر والوں کو مشرک بتاتا ہے اور بیچ کے لوگوں کو بھی ساتھ گن لیتا ہے۔

ایک نے تو اہل تصوف کو ہدفِ شتم بنایا اور اس بات کی تمیز نہیں کی کہ کون سا تصوف محمود ہے کونسا مذموم؟ اصلاحِ حال اور اصلاحِ دل کا ان کے یہاں نہ کوئی درجہ ہے نہ ضرورت، انہوں نے کاغذ کی کتابوں اور روشنائی سے بنے حروف کو اپنے لئے کافی جانا، اور اسی کا نام قرآن و حدیث رکھا، اسوہ انکے یہاں کوئی چیز ہی نہیں، نمونے کے وہ قائل ہی نہیں، ریاضت و محنت کی حاجت ہی نہیں، عملی مشق اور زندہ قرآن و حدیث کو مانتے ہی نہیں، انہوں نے صحیح کو پڑھا تو سہی، لیکن صحیح کو جانا اور پہچانا بالکل نہیں، اور اس کی پیروی سے بھاگ کھڑے ہوئے، اپنے محسنوں کے تئیں ان کی گستاخِ زبانیں، بے لگام قلم اور پیباکِ طبیعتیں الزام تراشیوں اور اتہام بازیوں میں مصروف ہو گئیں، پھر ان سے نہ ائمہ عظام محفوظ رہ سکے، نہ صوفیائے کرام بچے اور نہ اولیائے عالی مقام چھٹ پائے، ان کی چرب زبان قینچیاں سب کو کاٹتی چلی گئیں، حدیث کا نام لیکر اپنی ہفوات عام کو عام کیا، اصلاح کے نام پر تمام اسلامی اقدار کو روند ڈالا، تاریخی ورثہ کو تباہ کیا، اور روایات کو نیست و نابود کر دیا۔

دوسرے ذہن نے بدعت کے خلاف آواز نکالنے والے کسی کو نہیں بخشا، شرک کی شاعت بیان کرنے والوں کو نہیں چھوڑا، ہر ایک بدعت کو بدعتِ حسنہ کا تاج پہنا کر سر آنکھوں پر رکھا،

انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھنا گوارا ہی نہیں کیا کہ کتنی دور نکل آئے ہیں؟ انہیں جو بھی کپڑا بھایا اسکو شریعت کے حسین پیرا ہن پر پیوند بنا کر جڑ دیا، یہاں تک کہ یہ پیرا ہن پوری طرح پیوندوں سے ڈھک گیا، اور پھر معلوم ہی نہ رہا کہ شریعت کا پیرا ہن کہاں ہے اور کیسا ہے؟ انہوں نے یہ تو طے کر لیا کہ معیارِ حق صرف صحابہ یا تابعین و تبع تابعین نہیں ہیں، لیکن یہ طے نہ کیا کہ پھر شریعتِ مطہرہ کا معیارِ حق ہے کیا؟ وہ یہ سمجھنے کو تیار نہیں کہ جب یہ معیار نہیں تو قرآن و حدیث تو رکھے گئے بغل، اب معیارِ قصے بنیں گے، کہانیاں بنیں گی، اقوال بنیں گے، اور ان میں بھی معیار نہیں ہوگا کہ کس پائے کے لوگوں کے اقوال لئے جائیں گے؟ کیونکہ پایا تو طے کیا ہی نہیں جاسکتا، ایک شخص ایک طبقہ کا ولی، قطبا و رعوث ہے، جبکہ دوسرا طبقہ اسے مسلمان ماننے کو تیار نہیں، بتائیے کیسے قائم ہوگا معیار؟ قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا نقشہ کھینچا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

الْقِيَامَةِ ۚ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ * (البقرہ ۱۱۳)

یہود کہتے ہیں کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں، حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں، یہی حال ان لوگوں کا ہے جو بے علم ہیں، وہ بھی انہیں کی طرح کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن چکا دے گا فیصلہ اس جھگڑے کا جو یہ آپس میں کر رہے ہیں۔

یہاں بھی یہ اختلاف کچھ اسی نوعیت کا ہے، ہر فریق دوسرے کے اعمال کو اپنے علم کی عینک سے دیکھنے پر مصر ہے، خود اس کے زاویے سے دیکھنے کو تیار نہیں، پھر حقیقت کھلے تو کیونکر؟ اسی لئے یہ لڑائی ایسی بدبختی کے ساتھ جاری ہو گئی کہ پھر یہ ہوش ہی باقی نہ رہا کہ ہم کس چیز کی حمایت میں کھڑے ہو گئے ہیں اور کس کے دشمن ہو رہے ہیں؟ اس سلسلے میں یہ بھی ایک لطیفہ ہی کہا جائیگا کہ انفاس العارفين کے مضامین کو بعض حضرات اہل بدعات کا مستدل سمجھتے ہیں اور شاید

اسی بنا پر بعض اس سے پلا بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اسے رواج و شہرت کے بام پر دیکھنا چاہتے ہیں، غالباً اس کی وجہ کتاب میں موجود عرس، میلاد، غیب دانی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و تشریف آوری کے واقعات ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایک طبقہ نے تو اپنی سادہ لوحی اور کم علمی کی بنا پر ایسا سمجھا ہے اور دوسرے نے سہل پسندی اور محض الفاظ سے بدک اٹھنے کی عادت کے سبب۔

جہاں تک عرس وغیرہ کا تعلق ہے تو یہ کوئی ایسا مہتمم بالشان معاملہ کبھی نہیں رہا، اس میں ہمیشہ سے اختلاف رہا، اور امت میں ہمیشہ تین قسم کی آراء اس سلسلے میں موجود رہی ہیں، ایک ہر سال غلو، مبالغے، تزک و احتشام اور پورے اہتمام کے ساتھ عرس و میلاد منانے والے، اس کی دعوت دینے والے، اور شرکت نہ کرنے والوں پر تکفیر کی تیز دھارتلو اور چلانے والے۔

دوسرے پوری سختی کے ساتھ اس کا رد کرنے والے، منعقدین کو بدعتی کہنے والے، اور تیسرے اعتدال کے ساتھ بنا اہتمام و تکلف کے کبھی کبھار انعقاد کرنے والے، حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے بزرگ خواجہ خورد کو اسی تیسری رائے کا حامل بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”خواجہ گاہے عرس خواجہ بزرگ محمد باقی می کردند حضرت ایشاں می فرمودند بارہا دیدہ ام کسے پیش ایشاں می آید و میگوید برنج بزمہ من، دیگرے میگوید گوشت بزمہ من، دیگرے می گوید فلاں قوال را من می آرم و علی ہذا القیاس، و خواجہ را در میاں پیچ تکلف نبود۔ (انفاس العارفين مطبوعہ ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷م، مطبع مہتابائی دہلی)

حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ (اپنے والد ماجد) حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کبھی کبھار کیا کرتے تھے، حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ کوئی شخص ان کے سامنے آ کر کہتا ہے کہ حضرت! چاول میرے ذمے، دوسرا آ کر کہہ رہا ہے: حضور! گوشت میں لاؤں گا، ایک اور آ کر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لا رہا ہوں اور اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے، حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کوئی تکلف نہ فرماتے تھے۔

دوسرے واقعات بھی اسی طرح اعتدال کے ساتھ بزرگان دین سے اپنی عقیدت کے اظہار اور انہیں خراج تحسین پیش کرنے کی قبیل سے ہیں، جن کو انجام دینا کسی کے نزدیک اچھا ہے کسی کے اعتبار سے برا، لیکن نہ کسی کے نزدیک یہ فرض و واجب ہے اور نہ کوئی اسے شرک بتلاتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم بحث وہ ہے جو انبیاء کرام اور بزرگان دین کے علم غیب کے متعلق کی گئی ہے، آئیے ہم اس سلسلے میں حضرت امام ولی اللہ کا موقف پڑھیں، فرماتے ہیں:

”مفیر موند کہ ہر کہ سبحانی یا انا الحق گفته غالباً از غلبہ حال و اختفاء جہت امکان از نظر گفته والا اطلاق اسمائے الوہیت جائز نیست مگر بر عالم جمیع معلومات، و این علم ایشان یافتہ نشد بلکہ تحقیقت در ہیچ ظہورے از مظاہر یافتہ نشدہ و نحو اہد شد تا ابد، گویند کہ اگر تجلی برقی دائم شود از خواص وی، احاطہ جمیع معلومات است لیکن دوام آں چگونہ شود کہ روح از بدن مفارقت کند و بدن متفرق و متخیرے گردد۔ (انفاس العارفين مطبع مجتہبی، صفحہ ۱۹۸)

فرماتے تھے کہ جس نے سبحانی یا انا الحق کہا تو غالباً غلبہ حال اور نگاہ سے صفات کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے کہا اور نہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق صرف اس پر جائز ہے جو تمام علوم کا عالم ہو اور یہ علم ان کہنے والوں میں موجود نہیں، بلکہ ذات حق کے مظاہر میں سے کسی بھی ظہور میں نہیں پایا گیا اور نہ ابد تک پایا جائیگا، کہتے ہیں کہ تجلی برقی اپنی صفات کے ساتھ مستقل ہو جائے تو تمام معلومات کا احاطہ کر لیتی ہے، لیکن اس کا دوام کیونکر ممکن ہے جبکہ روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور جسم پارہ پارہ و منتشر ہو جاتا ہے۔ (خود یہ مظاہر مستقل نہیں ہیں)

لب لباب اس کا یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے مظاہر میں کوئی بھی مظہر ایسا نہیں جو اس کی ذات یا علم کا مکمل احاطہ کر سکے، اس کے اسباب تو اور بھی ہیں لیکن یہاں حضرت نے ایسا بدیہی سبب بیان فرمایا ہے جس کا انکار ناممکن ہے، اور چند لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم کا احاطہ حادث، اور لاحد و لاحاطہ محدود نہیں کر سکتا چاہے وہ محدود زمانے کے اعتبار سے ہو یا مکان کے اعتبار سے، جب سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ہے تو دوسرے کسی کا تو تذکرہ ہی کیا کیا جائے کیونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سب سے اکمل مظہر ہیں، لکھتے ہیں:

”در تاویل شطح عین القضاة ہمدانی“ ”آزرا کہ شما میدا نید نزدیک ما محمد است صلی اللہ علیہ وسلم و آنکہ شما محمد صلی اللہ علیہ وسلم میدا نید نزدیک ما خدا است“ می فرمودند کہ وے صلی اللہ علیہ وسلم مرآت حضرت وجود و مظهر اتم وی است و حقیقت محمدیہ تعین اول و جامع تعینات و مظاهر است و ہمہ از نور او ظاہر شدہ، بایں اعتبار چنین گفتہ است والا حضرت وجود و مساوی الظہور است در ہر ذرہ۔ (۱۱۰)

عین القضاة ہمدانی کا قول ہے کہ: جسے تم خدا کہتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہو وہ میرے نزدیک خدا ہے، اس قول کی تشریح میں فرمایا: چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذات باری تعالیٰ کا آئینہ اور اس کا مظهر اتم ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات در حقیقت تعین اول (مظاہر باری تعالیٰ) اور تمام تعینات و مظاہر (کل مخلوقات) کی جامع ہے، اور تمام کا ظہور اس کے نور سے ہوا ہے، اس اعتبار سے عین القضاة ہمدانی نے بات کی ورنہ اللہ تعالیٰ کا وجود تو ہر ذرے میں برابر ہے۔

”اللہ تعالیٰ کا وجود تو ہر ذرہ میں برابر ہے“ یہ قول قابل توجہ ہے، یہ وہ پیرایہ ہے جس سے ہمارے بعض بھائی بے انتہا بدکتے ہیں اور اسے کفر بتاتے ہیں لیکن یہاں خموش ہیں، برابری کے جو معنی یہاں ہیں وہی سب جگہ ہیں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا نہ یہاں دعویٰ ہے نہ وہاں۔ یہاں مرآت کا کالفظ بھی بڑا زبردست ہے، اس سے ہم تمام مقدمے کو سمجھ سکتے ہیں، اس کا مطلب ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک اسکرین کی مانند ہے، جو ذات باری تعالیٰ کی ان مشیئات کی منظر نمائی کر ہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کائنات میں جاری و ساری فرمانا چاہتے ہیں، مظهر اتم سے مراد یہ ہے کہ اس سے پہلے جن ہستیوں کو بھی اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے، ان کے ذریعہ تمام مشیئات باری کو پردہ شہود پر نہیں لایا گیا تھا، بلکہ ان کے ذریعے جو منظر نمائی کی گئی تھی وہ زمانے، خطے اور قوموں کی حدود میں قید تھی، اور شاہِ بطحا کے بعد جن اخلاف سے یہ کام لیا جائے گا وہ انہیں کو نمونہ بنائیں گے، پھر جس کی ذات و افعال سے

جتنے زیادہ مناظر و نما و ظاہر ہونگے، وہ اتنا ہی بڑا اعزاز پائے گا اور اتنا ہی عظیم مظہر کہلائے گا۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جتنے مظاہر قدرت باری کو پردہ شہود اور عالم ہاہوت، عالم ملکوت یا عالم ناسوت کل عالمین پر جلوہ نما کرنے تھے، ان تمام کا اتمام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہو گیا، نہ ان سے پہلے کسی ایک ذات میں یہ مناظر جلوہ گر ہوئے تھے نہ اس کے بعد کوئی ذات اس کی تاب لاسکے گی، معلوم ہوا کہ اتم سے مراد تمام مشیئات باری کی منظر نمائی کا احاطہ کرنے والا ہے، نہ کہ خود ذات باری تعالیٰ کا احاطہ کرنے والا۔

جب مظہر اتم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں یہ خلاصہ ہو گیا کہ آپ کے علم میں نہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ شامل ہے اور نہ اس کے علم کا، تو دوسرے مظاہر کا تو تذکرہ ہی کرنے کی حاجت نہ رہی۔

ہاں ہم مانتے ہیں، کہتے ہیں، لکھتے ہیں اعلان کرتے ہیں کہ ازل سے ابد تک ہاہوت سے لاہوت تک انسان جتنے بھی علوم حاصل کرے گا، وہ سائنس کے ذریعے حاصل کرے، کتابوں میں پڑھے، آنکھوں سے مشاہدہ کرے، کانوں سے سنے، تجربات سے سیکھے، ذہن و دماغ کے گھوڑے دوڑا کر دریافت کرے، غرض کسی بھی طرح، کبھی کبھی اور کہیں بھی پائے تمام علوم، تمام فنون، تمام ایجادات و تحقیقات میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی دھول ہیں گرد اور اسکی مرہون منت ہیں، جمیع کان و مایکون کا اگر یہی مطلب ہے تو میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، علم غیب اور علم کل سے اگر یہی مراد ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔

اس مضمون کو مزید واضح کرتے ہوئے، صفحہ ۱۱۲ پر شاہ صاحب فرماتے ہیں:

کاتب حروف گوید کہ ای دفع دخلے ست، تقریر دخل آنکہ شامی گوئید کہ بالاتر از شہود و وحدت مقامے و علمے نیست و ایس آیت مقضی آنت کہ کہ فوق ہر علم علمے ہست، الی غیر النہایہ و تقریر دفع آنکہ ایجا استثناء مقدر است یعنی التوحید الذاتی، و وجہ دیگر آنت کہ علم نام خداست و فوق شہود و وحدت توحید ذاتی حضرت، اوست اگرچہ بندہ راترتی دیگر ممنوع باشد۔

”کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہاں ایک اشکال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں وحدت کے شہود سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں، جبکہ آیت ”فوق کل ذی علم علیم“ کا تقاضہ ہے کہ ہر علم سے

اوپر علم ہے، اور یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تو حید ذاتی کا استثنا ءمقدر ہے (اس صورت میں علم ذات کے علاوہ علم مراد ہیں) دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے، اور وحدت و شہود سے آگے تو حید ذاتِ باری ہے، اگرچہ بندے کے لئے مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ (اس صورت میں علیم سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، کہ وہ ہر عالم سے اوپر ہیں)

ایک اور جگہ شاہ صاحبؒ ایک بڑا مغالطہ رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شہود انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات از عاشقیہ و معشوقیہ بالا رفتہ است چنانکہ از بعض احادیث ظاہر است محبوبان از بعض الفاظ احادیث محسبیت موسیٰ و محبوبیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم استنباط کردہ اند و حقیقت الامر ہمانست کہ گفتہ۔“

انبیاء علیہم السلام کا شہود عاشقی و معشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے، مگر ان احادیث کے الفاظ سے سلوک کی راہ کے کچھ مبتدیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰ عاشق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم معشوقیت کے درجہ پر فائز تھے، حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جو ذکر کی گئی۔ (۲۹۴)

لوگوں کو جانے کیا ہوا کہ انہیں اپنے مرتبے کی فکر کے بجائے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کی فکر لاحق ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا جو مرتبہ ہے وہ کل مخلوقات میں سب سے اعلیٰ ہے، اس عقیدے کا حلف اٹھوا لیجئے ہر مومن سے اور بخش دیجئے اس کی جان، پھر اس میں کیفیات کی مین میخ مت نکالئے، ان درجات کے نام اپنی مرضی سے نہ رکھئے، انسان کی کیا مجال ہے کہ وہ رب کائنات کے بنائے ہوئے درجات کی تفصیل کرے، اسے کہاں یہ حق پہنچتا ہے کہ اپنی جانب سے بھی کچھ درجات تفویض کرنے کی کوشش کرے، جو ایسا کرے گا وہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور اپنی عاقبت کو تباہ کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکے گا؟

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں اعتدال کی راہ سجھائی، ہم نے نہ اس کے نیک بندوں کی توہین و تنقیص کو اپنایا اور نہ ہی ان کو الوہیت کے مقام پر فائز کر کے ان کو سجدہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں کو نواجذ سے پکڑنے والے اساتذہ اور صلحاء کرام کی جوتیوں میں بیٹھنے کی توفیق بخشی۔

ہم اس سے بری ہیں جس نے اپنی ہوا پرستی کے لئے دین میں نئی نئی ایجادات کر ڈالی ہیں، جو اپنی انانیت کو سنت پر قربان کر دینے کے بجائے سرورِ کائنات کی سنتوں کا مذاق اڑاتا اور اپنے آپ کو سینہ زوری کے ساتھ عاشقِ رسول کا نام دیتا ہے، اولیاءِ کرام کو جس نے اپنی روزی روٹی کا ذریعہ بنا کر ان کے مزاروں پر خرافات کے انبار لگا دیئے ہیں، سماع کو آڑ بنا کر ہیجان خیز موسیقی سے ان پاکیزہ نفوس کو تکلیف پہنچاتا ہے، رقص کے نام پر ڈانس کرتا ہے۔

ہاں جو صحیح العقیدہ ہو، متبع سنت ہو، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر جان چھڑکتا ہو، ہم اس کے خادم، وہ مخدوم، ہم اس کے مقتدی وہ ہمارا مقتدا اور محبوب ہے، یہی وجہ ہے کہ انفاس العارفين کے بعض مضامین سے اختلاف والجبھن کے باوجود کسی دیوبندی عالم نے کبھی انفاس العارفين کے خلاف کوئی بات نہیں کہی، انفاس العارفين ہی کیا، تصوف کی کسی بھی کتاب کی کوئی برائی نہیں کی، نہ صوفیاء کرام کو کبھی کسی نے برا کہا، ان کا مسلک اعتدال پر مبنی ہے۔

البتہ نجدی علماء نے اس سلسلے میں بریلویوں کو بھی مات دیدی، بیباکی اور دریدہ دہنی میں وہ بہت آگے بڑھ گئے، اب صورت حال یہ ہو گئی کہ جب بریلوی علماء مخالفین پر نشانہ سادھتے ہیں تو اکثر مقدمات نجدیوں کے پیش کرتے ہیں اور طعن دیوبندیوں پر ہوتا ہے، نجدی علماء جب مخالفوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں تو وہ بزرگانِ دین کے مزارات پر ہونے والی جہالتوں کو بنیاد بناتے ہیں اور تنقید حنفیت پر کرتے ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ایک طبقہ اب بھی اعتدال پر قائم اور افراط و تفریط سے بری ہے۔

یقیناً اس تمام افراط فری کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بزرگانِ دین کے بہت سے قصے جن کی توجیہات ممکن بلکہ ظاہر تھیں اپنے ظاہر پر محمول کر لئے گئے، لہذا اس صورت میں ممکن نہ رہا کہ دوسرے لوگ ان کی توجیہات و تاویلات کرتے پھریں، ان کے لئے آسان یہی تھا کہ ان واقعات کا سرے سے انکار کریں، انھوں نے اسی کو ضروری جانا اور یہی کیا۔

بعض لوگوں نے ان واقعات کی تاویلات کر لیں اور عافیت میں رہ گئے، لیکن ان تمام توجیہات کے باوجود بھی ایسا مواد باقی رہ گیا جو حقیقت پسندوں کو الجھن اور تکدر میں مبتلا کرتا ہے، لہذا ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ اہل اللہ کی باتوں کو نقل کرنے والوں نے ان کی باتوں کو نقل کرنے میں غلو، بد احتیاطی، تسامح اور تجاہل سے کام لیا اور معاملہ کچھ کا کچھ کر دیا، کرامات کے سلسلے میں بلا تحقیق اور مبالغہ پر مبنی واقعات نقل در نقل ہوتے چلے گئے، احادیث کے نام پر بے سر پیر کے اقوال تک تحریر کر دئے گئے، اور ملفوظات کے باب میں جس کا ملفوظ چاہا لکھ مارا۔ خصوصاً حوالوں کے سلسلے میں تو ایسی مجرمانہ غفلت برتی جس کی تلافی کا امکان نہیں، اس رجحان کی وجہ سے غیر حدیث کو حدیث کہنے میں باک نہ رہا، یہی وجہ ہے کہ ایک ”خاص ذہنیت“ کو معارف تصوف اپیل نہیں کرتے، حدیث رسول ﷺ میں جو نورانیت ہوتی ہے وہ کہاں کسی اور کے کلام کو حاصل ہو سکتی ہے؟ اگر ٹاٹ کو دیباچ کا نام دیا جائے تو کیا اسے دیباچ کی توہین نہیں کہا جائے گا؟ اگر آپ جو تاپالش کرنے کو حکمت اور موچیوں کو حکیم اجمل خان کے نام سے پکارنے لگیں تو کیا یہ حکمت اور حکیم صاحب کی عزت پر حملہ نہ کہلائیگا؟ آئیے! بعض اقوال کا جائزہ لیتے چلیں تاکہ یہ امر پوری طرح واضح ہو جائے، لکھتے ہیں، حدیث رسول ﷺ ہے:

”اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا باصحاب القبور“

جب تم دنیاوی امور میں حیران و پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد طلب کرو۔

حضرت شیخ[ؒ] نے حدیث بالا کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مردوں کے حالات کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا ہے، جو دنیاوی امور سے توجہ کو ہٹا

دیتا ہے، اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔ (صفحہ ۲۸۷)

آئیے اس حدیث کی تحقیق کریں۔

وليس بحديث كما توهم إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور*

یہ عبارت تفسیر آلوسی کی ہے، علامہ آلوسی احادیث کے سلسلے میں بے حدود وسیع الظرف ہیں، کسی عبارت پر ذرا بھی حدیث کا اک شائبہ ہو جائے اسے حدیث کے نام سے اپنی تفسیر میں لے لیتے ہیں، ان کے نزدیک بھی یہ حدیث نہیں ہے، اگر دوسرے ائمہ احادیث کی رائے یہاں درج کروں تو بات بہت لمبی ہو جائیگی مختصر یہ کہ ہمیں کوئی عالم حدیث ایسا نہیں دکھائی دیتا جس نے اس کو حدیث کہا ہو، اس کو حدیث ہونے کا تاج کس نے اور کب پہنایا؟ نہیں معلوم۔

ہم مانتے ہیں کہ بزرگان دین کے واقعات کی تاویل کی جاسکتی ہے، ان کے اقوال کو غور و خوض اور تدبر کے ساتھ سمجھنے سے تکدر بھی زائل ہو سکتا ہے، جیسا کہ میں پیچھے گفتگو کر آیا ہوں اور آگے کتاب میں بھی آپ متعدد جگہ اس کو ملاحظہ کریں گے، لیکن جب کوئی بات پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کی جائیگی تو سب سے پہلا سوال یہی ہوگا کہ وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا نہیں؟ صرف مفہوم و مضمون سے ہی نہیں بلکہ الفاظ سے بھی، ورنہ واضح کرنا ہوگا کہ یہ روایت بالمعنی ہے، اس میں الفاظ حدیث کے نہیں ہیں بلکہ مفہوم بیان کیا گیا ہے، حدیث بیان کرنے والے سے عقیدت ہو، کوئی بات نہیں، وہ ہمارے بڑے اور سرتاج ہوں، سر آنکھوں پر، یہاں عقیدت کا تقاضہ یہی ہے کہ حدیث کا حوالہ معلوم کیا جائے، راوی پوچھا جائے، جس قرآن غلط پڑھنے پر فوراً ٹوک دیا جاتا ہے، اسی طرح حدیث کے بارے میں بھی اہل علم حضرات کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے، کیونکہ احادیث میں جو امع الکلم بھی ہیں، اگر کوئی کلمہ ادھر سے ادھر یا تبدیل ہو گیا تو اس کے معانی کی وہ نورانیت اور گیرائی باقی نہ رہے گی جو اس کی اصل حیثیت میں ہے، مشہور حدیث ہے:

عَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وَضُوءَكَ لِلصَّلَاةِ
ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللَّهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ
وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ اللَّهُمَّ آمَنْتُ

بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ فَإِنْ مَتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ
وَأَجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغْتُ اللَّهُمَّ آمَنْتُ
بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ قُلْتُ وَرَسُولِكَ قَالَ لَا وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ* (۱)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تو اپنے بستر کا ارادہ کرے تو پہلے اپنی نماز جیسا وضو کر لے، پھر دائیں کروٹ لیٹ کر یہ دعا اللهم اسلمت وجہسی الخ پڑھ لیا کر اگر تو اس رات میں مرجائے گا تو اسلام پر مرے گا، اور یہ کلمات تیرے آخری کلمات بن جائیں گے (کہتے ہیں کہ) میں نے یہ کلمات یاد کر کے آقا ﷺ کو سنائے، تو جب میں انزلت پر پہنچا تو میں نے ورسولک کہہ دیا، آقا ﷺ نے فوراً ٹوکا کہ نہ، وہی کہو ونبیک الذی ارسلت۔

یہ تعلیم دی جا رہی ہے امت کو، اور بتایا جا رہا ہے کہ آقا ﷺ کے ارشادات و فرمودات کے ساتھ عقیدت کا تقاضہ کیا ہے، دماغی کسرت یہاں صرف یاد کرنے کے کام میں لائی جائیگی، نہ کہ حدیث کے الفاظ کو اپنے حساب سے فٹ کرنے میں، لہذا آپ جیسے ہی کوئی حدیث بیان کریں گے یہاں آپ سے سند مانگی جائیگی، راوی معلوم کیا جائیگا، کتاب حدیث کا نام پوچھا جائیگا، اور داعی کو اس کا جواب دینا لازم ہوگا، اور حدیث بیان کرنے والا شخص جتنا بڑا محقق ہوگا یہ ذمہ داری اس پر اتنی ہی شدت کے ساتھ عائد ہوگی، شاہ صاحب امام حدیث ہیں، ان کو اپنی اس حیثیت و ذمہ داری اور جواب دہی کا علم و احساس بھی ہے، انہوں نے اسی کتاب میں شاہ عبدالرحیم کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اورنگ زیب کو لکھا تھا اسے نقل کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس خط کی روایت بالمعنی ہے، الفاظ محفوظ نہیں رہے، بہر حال یہ کچھ لکھ کر آپ نے بھجوا دیا، (صفحہ ۲۰۰)۔

کون انصاف پسند تسلیم کر سکتا ہے کہ جو عالم ایک ولی کے معمولی خط کو جسے ولی نے پھٹے پورا نے کاغذ پر لکھ دیا تھا اتنی اہمیت دے کہ اس کے الفاظ محفوظ نہ رہنے کی باقاعدہ وضاحت کرنا نہ بھولے، وہ حدیث رسولؐ کے سلسلے میں صرف مفہوم بیان کرنے پر اکتفا کر لیگا؟ حال جبکہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی روایات کا مفہوم بھی احادیث رسول ﷺ سے ماخوذ نہیں۔

یہ روایت دیکھیں: ”فرمایا: میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حسنات الابرار سيآت المقربين*

نیک لوگوں کی نیکیاں اللہ کے خاص بندوں کے حق میں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

فقیر کہتا ہے: اگرچہ جمہور علمائے محدثین نے اس حدیث کو سلف کا قول قرار دیا ہے، مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔“ (۲۶۳) حالانکہ یہ قول حضرت جنیدؒ کا ہے، یہ بات امام بغوی نے اپنی تفسیر بغوی میں، علامہ شنقیطی نے ”اضواء البیان“ میں، علی بن نائف الشحوذ نے ”المفصل فی الرد على شبخات اعداء الاسلام“ میں کہی، علامہ آلوسی نے تفسیر آلوسی میں اس قول کو تقریباً ایک درجن بار دہرایا ہے لیکن ایک جگہ بھی اسے حدیث رسول ﷺ نہیں کہا۔

تصوف کی کتابوں میں اس طرح کی روایات کے انبار ہیں جن کا حدیث کی کسی کتاب میں وجود نہیں ملتا، انفاس العارفين بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اس کے اسباب و علل کیا ہیں اور یہ کام کتنا سنجیدہ و سنگین ہے اس کے بارے میں آگے بات کریں گے، پہلے اور روایات دیکھیں:

”ایک بار شیخ عبدالحفیظ نے اس حدیث قدسی کے بارے میں معلوم کیا ”قف یا محمد فإن

الله یصلی“ جو کہ معراج کے قصہ میں ہے۔“ (۳۸۶)

اس روایت کا ماخذ، روح البیان، روح المعانی، تفسیر حقی وغیرہ ہیں، حدیث کی کسی کتاب یا متقدمین کی کسی تفسیر میں اس کا ذکر نہیں ملتا، کتاب اسے حدیث قدسی قرار دے رہی ہے، جبکہ اگر اس کو حدیث بھی مانا جائے تب بھی یہ حدیث قدسی کے زمرے میں نہیں آتی، آلوسی نے

تصریح کی ہے کہ یہ قول حضرت ابو بکر کی آواز میں سنائی دیا، اس میں یہ تصریح انہوں نے بھی نہیں کی کہ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، ایک اور روایت ملاحظہ کریں:

”میں کہتا ہوں قصہ معراج میں مذکور ہے کہ یہ بطور ادب کہا گیا، اللہ کا ارشاد ہے:

یا محمد انک اخترت العبدیة تا دبا اخترتک الکرامات الانسیة تفضیلاً*

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بطور ادب کے بندگی کو اپنا لیا اور میں نے تمہیں تمام انسانی فضائل و خوبیوں کے لئے تفضیلاً پسند کر لیا، لہذا پتہ چلا کہ ادب اور چیز ہے اور تفضیل دوسری، (۳۴۴)

اس روایت کو بھی حدیث قدسی کے زمرے میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ کسی حدیث یا تفسیر میں اس کا وجود نہیں، اس کے الفاظ عجمیوں کی عربی کے ہیں نہ کہ عربوں کی زبان کے، اور اسی کے کیا جتنی بھی روایات اس طرح کی ہیں ان سب کا ایسا ہی حال ہے۔

اس خاص سانچے کو جسے تصوف سے خدا واسطہ کا بیر ہے، اسکے حال پر چھوڑ دیجئے اور بات کیجئے انصاف کی، اسلام کی، آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی، یقیناً آپ اسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ خدا ماصفا ودع ما کدر (صاف صاف لے لو گد لا چھوڑ دو) یہی راہ صواب اور اعتدال کا جادہ ہے، ایسی شخصیت جس کا کامل و مکمل طور پر اتباع کیا جائے گا صرف سرور کائنات سیدنا و سندننا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، دماغ کے گھوڑے باندھ دیئے جائیں گے، آنکھ، موند لی جائے گی، اگر مگر چنانچہ بغل کر دیئے جائیں گے، اور ہر قول مانا جائیگا، ہر فعل کی اتباع کی جائیگی، ہر حرکت کی نقل ہوگی، ہر ادا پر مٹا جائیگا، ہر اشارے کی تعمیل کی جائیگی، ہر خواہش پر عمل کیا جائیگا، آپ کے علاوہ جو بھی ہونگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معیار پر پرکھے جائیں گے، آپ کے ہی میزان میں تولے جائیں گے، اور آپ کے ہی پیمانے سے ناپے جائیں گے، اور صرف اتنے ہی قابل اتباع و اطاعت قرار دیئے جائیں گے جتنے اس امتحان میں پورے اتریں گے، جہاں سے چوک جائیں گے وہیں سے ان کی اتباع بھی ختم کر دی جائیگی، اسے ہم

بشری کمزوری پر محمول کریں، عقیدت و احترام کو بننا سمجھیں یا استغراق و حال کو باعث جانیں، یا اللہ کی جانب سے پردہ قرار دیں، احوال کے مطابق جو بھی چاہیں ان کے اس عمل کی تاویل کریں لیکن انکے اس عمل کو شرعی طور پر حجت نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ شریعت نے ان کو حجت بنایا ہی نہیں، اس سے نہ تو ان کی توہین کا پہلو نکالنا چاہئے، اور نہ بد عقیدگی کا، بلکہ یہی دین کا مزاج ہے اور یہی حق ہے کہ کامل و اکمل اور حسن و خوبی کا مکمل نمونہ صرف ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب بخاری شریف کو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے، لیکن امام بخاری کی دوسری کتابوں کو یہ درجہ حاصل نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ بخاری کی تالیف میں جو حزم و احتیاط امام نے اختیار کی ہے وہ انھوں نے دوسری کتب میں ملحوظ نہیں رکھی، لہذا امت نے بھی بخاری کو جس درجہ پر رکھا ہے اس پر ان کی دیگر تالیفات کو نہیں رکھا۔

اسی طرح امت نے یہ بھی نہیں کیا کہ بخاری کو ہر پہلو سے امامت کے درجہ پر فائز رکھا ہو، تالیف حدیث میں انہیں امامت کا درجہ حاصل ہے مگر فقہ میں ان کو یہ منصب نہیں مل سکا، لیکن امام بخاری کو فقہ کا امام تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے کسی کو کوئی الزام نہیں دیا گیا، نہ اسے امام کی توہین قرار دیا گیا، نہ کسی کی تکفیر کی ضرورت پڑی، بہر حال انفاس العارفين میں ایسے مضامین کافی ہیں، جو شاہ صاحب کے علمی پائے سے فروتر ہیں، ایسا بھی ممکن ہے حضرت نے خود ان کو لکھا ہو، اور تسامح سے کام لیا ہو جیسا کہ مندرجہ ذیل قصہ میں ہمیں اسکی مثال ملتی ہے:

”ایک دفعہ حضرت والد ماجد سفر میں تھے، آپ کے ساتھی بہلی پر باری باری سوار ہوتے تھے، دوران سفر بعض دوست اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا: بہلی کے سواروں سے پوچھو کہ آئیہ کریمہ: اعدلو اھو اقرب للتقویٰ* (المائدہ آیت ۸) کون سے پارے میں ہے؟ ساتھیوں میں سے شیخ بدرالحق پھلتی نے اشارہ سمجھ لیا اور بہلی سے نیچے اتر کر کہنے لگے: حضرت یہ

آیت پارہ یعتدرون میں ہے۔“

یہ آیت حالانکہ پارہٴ بعثت رونا میں نہیں ہے، بلکہ لایسب اللہ میں ہے، لیکن شاہ صاحب نے اسے یونہی نقل کیا جس طرح یہ واقعہ پیش آیا تھا اس پر کوئی نوٹ بھی نہیں دیا، کیا تصور کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب کو پتہ نہ چلا ہو؟ یہ کھلی دلیل ہے کہ انفاس العارفين میں شاہ صاحب کا مقصد ہرگز اس بات کی چھان پھٹک نہیں ہے کہ کیا صحیح ہے کیا غلط، بلکہ ان کا مقصد ہے اپنے بزرگوں کے ساتھ پیش آمدہ احوال کی جمع و حفاظت۔

امام بخاریؒ کی مثال پیش کر کے میں واضح کر آیا ہوں کہ ایسا کرنے یا ماننے سے حضرت شاہ صاحب کی تنقیص کا پہلو نہیں نکالنا چاہئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض چیزوں کا یا تو اضافہ کیا گیا ہو یا ان کی تاویلات کو حذف کر دیا گیا ہو، اسے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے، نہ ہی اس کو جانچنا لازم ہے، جس چیز کو جانچنا بے حد ضروری اور فرض ہے وہ یہ ہے کہ کوئی مضمون قرآن و حدیث سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور ہمارے پاس اس بات کو پرکھنے کے لئے مضبوط و معقول ذرائع الحمد للہ آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک رہیں گے، پس جو مضمون قرآن و حدیث کے مطابق ہو وہ حجت ہے اور قابلِ تقلید ہے، اور جو اس معیار پر پورا اترتا نہ دکھائی دے اس کی تاویل کریں اور اسے حجت نہ مانیں، اگر کوئی تاویل سجھائی نہ دے تو خاموشی اور سکوت اختیار کرے اور اسے اپنی کم عقلی و کم علمی پر محمول کرے، یا سمجھ لے کہ بیان کرنے والے سے کچھ چوک ہو سکتی ہے، بہر حال جو بھی چاہے سمجھے لیکن اسلاف پر زبان دراز کرنے سے پرہیز کرے، یہی عافیت کی راہ ہے، آدمی کو تحمل کے ساتھ غور و فکر کی عادت ڈالنی چاہئے، تاکہ حق واضح ہو، اور اللہ تعالیٰ اسکو قبول کرنے کی صلاحیت و توفیق اور ہمت بخشے۔

ایک بات کی اور وضاحت ضروری ہے، اس کتاب میں بعض واقعات ایسے بھی ہیں جن سے ہمارے زمانے کے ایک کذاب کے چیلوں نے حلول کے نظریہ کی تائید مستنبط کرنے کی کوشش کی ہے، اس ترجمہ کے صفحہ نمبر ۱۳۸ پر ”اک آگ کا دریا ہے“ کے زیر عنوان ایک واقعہ ہے،

اسے اس مغالطہ بازی کی بنیاد بنایا گیا ہے یا درکھنا چاہئے کہ اس طرح کے تمام واقعات عارف کے اپنے حال سے تعلق رکھتے ہیں، جب تک وہ ان کی روشنی میں کوئی دعویٰ نہ کرے تب تک ان کی تاویل کی جائے گی، لیکن جیسے ہی کوئی شخص ایسے حالات کو دلیل و حجت بنا کر کوئی امتیازی دعویٰ کرے گا، کوئی نیا مسئلہ پیش کرے گا، امت کے کسی متفقہ عقیدے میں ترمیم کی کوشش کرے گا، کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دیگا، یا کوئی نیا فریضہ امت پر تھونپے گا، تو فوراً اس کی تردید و تکذیب کی جائیگی، مثال کے لئے اس واقعہ کو ملاحظہ کریں:

”فرمایا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی وفات کے دنوں میں ایک مرتبہ خزانہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آنحضرت ﷺ کی نیاز دلوا سکتا، لہذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور شکر پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلوا دی، اسی رات پچشم حقیقت دیکھا کہ انواع و اقسام کے طعام آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیے جا رہے ہیں، اسی دوران وہ شکر اور چنے بھی پیش کیے گئے، انتہائی خوشی و مسرت سے آپ ﷺ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لانے کا اشارہ فرمایا اور تھوڑا سا اس میں سے تناول فرما کر اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔“

واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نیاز کی چیزیں دربار رسالت مآب ﷺ میں پیش کی جاتی ہیں، اور ان میں بھی مقبولیت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے، اس قسم کے اور واقعات بھی اہل اللہ سے منقول ہیں، یہ تمام واقعات مثالی ہیں، جو لوگ انہیں حقیقت پر محمول کرتے ہیں غلطی کرتے ہیں، بعض لوگوں کے لئے نذرو نیاز ہی حب رسول ﷺ کا ذریعہ بنتی ہے، اور حب رسول ﷺ مومن کا سرمایہ اور اس کی نجات کا ذریعہ ہے، لہذا ممکن ہے ان واقعات کا مقصد ایسے لوگوں کے اطمینان قلب کے لئے ثبوت و مواد فراہم کرنا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقررین کی دلجوئی کے لئے اس طرح کے واقعات مثال کی دنیا میں دکھاتے ہوں، ہم ان واقعات کو غلبہ حال پر محمول کرینگے اور انکی جائز تاویل بھی کرتے رہیں گے، لیکن کب تک؟

صرف اس وقت تک جب تک ان واقعات کو حجت بنا کر نذر و نیاز کو ایک فریضہ قرار نہ دیا جائے، اسے صرف بعض احوال تک جائز کے زمرے میں اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے، لیکن اگر اسے حجت بنا کر پیش کیا جائے گا، اس عمل کو فرض و واجب قرار دیا جائے گا، اس کے نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی، اس کے منکرین کی تکفیر کی جائے گی، یا اس کے کرنے والوں کے ثواب اور نیکیوں کی من گڑھت تفصیل بیان کی جائیگی تو اہل علم پر واجب و ضروری ہوگا کہ اسکی تردید کریں، اور مدعی کو کاذب و مفتری قرار دیں، کیونکہ یہ حالات نہ حجت ہیں نہ شریعت، کوئی شخص کسی بڑے سے بڑے قطب کے کسی حال یا کرامت کا انکار کرنے سے کافر نہیں ہوتا، اگر کوئی آدمی کسی شخص یا جماعت کی تکفیر اس بنیاد پر کرتا ہے کہ وہ اس کی یا اس کے کسی بزرگ کی کرامات و حالات کو جھوٹ سمجھتا ہے، تو تکفیر کرنے والا خود کافر ہو جائیگا۔

ترجمہ، تسہیل، تہذیب و تبویب

زمانے کے گزرنے سے جس طرح گلاب کی خوشبو نہیں بدلی، آگ سے حرارت زائل نہیں ہوئی، اسی طرح اہل اللہ کے کلام سے تاثیر بھی ختم نہیں ہوئی، لہذا اس کتاب کے مضامین سے اللہ کی محبت اور اس کی رضا جوئی کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا دریا جوش مارنے لگتا ہے، پہلو میں رکھی ہوئی جامد سل دل میں بدل جاتی ہے، شیخ کی قدر و عظمت دل میں راسخ ہوتی ہے، یہ وہ امور ہیں جو ایک مومن کا سرمایہ بھی ہیں اور طلب بھی، ضرورت یہ ہے کہ لوگ اسے جانیں، اسے چکھیں اور اس سے سیراب ہوں۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ شاہ صاحب کی اس گراں قدر تصنیف کو اردو کی عام فہم زبان میں ڈھالنے کا بیش بہا کام کرنے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق و ہمت عنایت فرمائی، عام فہم سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں کو تصوف اور بزرگان دین سے نسبت و تعلق ہے ان کو یہ خوب سمجھ میں آجائے گی، ترجمہ میں ہم نے خیال رکھا ہے کہ نفس مضمون مجروح نہ ہوتے ہوئے کتاب کے مضامین سمجھ

میں آجائیں، خصوصاً علم کلام کی وہ بحثیں جو واجب الوجود کے متعلق ہیں بہت دقیق اور پیچیدہ بھی تھیں اور ان میں حسوز و اند بھی تھے، ہم نے عبارت کو سہل کر کے مفہوم کو واضح کر دیا ہے، ایسی بعض جگہوں پر ہمیں خلاصہ لکھنے کی ضرورت پڑی تو ہم نے اسے نشاندہی کے ساتھ اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے، جس سے مضمون آئینہ کی طرح صاف ہو گیا ہے، ہم نے ترجمہ کرتے وقت کسی سانچے کو ذہن میں نہیں رکھا بلکہ کتاب نے جو کچھ بیان کیا اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، اس لئے اس کی بعض عبارتوں سے اختلاف کی گنجائش سے انکار نہیں کیا جاسکتا، ہاں جہاں صحیح مطلب کو مسخ کرنے کا خطرہ ہو سکتا تھا وہاں توضیح کے ذریعہ اس کا سدباب کر دیا۔

امید ہے کہ اس کتاب سے اب ایک معتدل تصوف کی راہ نمائی میں مدد ملے گی، اور توحید کو ایک معمہ بنا دینے والے الفاظ و نظریات اور پیچیدگیوں سے نجات ملے گی۔

کتاب میں حضرت مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی کی گراں قدر اور وسیع تحریر شامل ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود ذہن و دماغ کی گتھیوں کو سلجھانے کیلئے کافی و شافی ہے۔

متن کے مندرجہ ذیل نسخے اس ترجمہ کی بنیاد بنائے گئے ہیں:

”انفاس العارفين“ مطبع احمدی دہلی باہتمام سید ظہیر احمد، ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷م۔

”انفاس العارفين“ مطبع مجتہبائی دہلی، تصحیح و تنقیح حضرت شاہ عبدالاحد ۱۳۳۵ھ ۱۹۱۷م

بعض مضامین ایسے بھی تھے کہ ان کو بنا مثال کے سمجھنا ممکن نہ تھا، انجگہوں پر حاشیہ میں ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ مضمون کا مقصود بالکل واضح ہو گیا۔

جہاں الفاظ کی تبدیلی سے نفس مضمون کے مجروح ہو جانے کا اندیشہ تھا وہاں میں نے الفاظ کو بدلنے کے بجائے قوسین میں ان کے معانی یا مترادف الفاظ شامل کر دیئے ہیں، تاکہ مضمون سمجھ میں بھی آجائے اور تصوف کی اصطلاح میں جو اصل روح پوشیدہ ہے وہ بھی زندہ رہے، میں نے اپنی پوری کوشش کی ہے کہ کتاب میں آنے والی ہر قرآنی آیت یا حدیث کا حوالہ درج

کروں، کتابوں، ڈیجیٹل لائبریریوں، المکتبہ الشاملہ الحدیدہ، اور انٹرنیٹ کے ذریعہ پوری چھان بین کی، اور کتاب میں مذکور حدیث کو تو جوں کاتوں لکھا کہ دیانت کا تقاضہ یہی تھا، لیکن اس مفہوم کی جو بھی حدیث مذکورہ حدیث کے الفاظ کے زیادہ سے زیادہ قریب ملی اسے فٹ نوٹ میں شامل کر دیا، اللہ تعالیٰ اس مکتبہ کو بنانے اور اس پر محنت کرنے والوں کو بہترین اجر عطا فرمائے کہ انہوں نے مہینوں بلکہ سالوں کے کام کو منٹوں اور گھنٹوں میں سمیٹ دیا۔

جو شخصیات بہت زیادہ مشہور نہیں ہیں ان کے مختصر حالات بھی محنت و کوشش کیساتھ تلاش کر کے شامل کتاب کئے ہیں تاکہ مضمون میں کوئی تشنگی محسوس نہ ہو۔

اس کے باوجود اچھی خاصی تعداد ایسی روایات کی رہ گئی ہے جن کا مجھے پتہ نہیں لگ سکا، وہ روایات جن پر آپ کو کوئی حوالہ یا فٹ نوٹ نہ ملے ایسی ہی ہیں جن کا کوئی حوالہ مجھے نہیں مل سکا، مجھے اپنی کم مائیگی کا احساس بھی ہے اعتراف بھی۔

ہندی دوہوں کا ترجمہ بھی کیا گیا ہے اور املا بھی درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو درحقیقت سرانیکی زبان میں ہیں، ان کا لطف اب دوبالا ہو گیا ہے۔

میرے مرشد حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی دامت برکاتہم کے ہی حکم سے میں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور انہیں کی تو جہات اور دعاؤں کا ثمرہ اس کی تکمیل کو جانتا ہوں، کتاب میں درجنوں جگہ ایسا موقع آیا کہ نہ مضمون کا مقصود واضح ہو سکا اور نہ کچھ سبھائی دیا، ایسے مواقع پر میں نے یہی کیا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور شیخ کی جانب توجہ کی، حالانکہ میں اس فن سے واقف نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے معافی بھی کھول دیئے اور جہاں تاویل کی حاجت تھی وہاں تاویل بھی سجدی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے۔

یہ کام میں نے اکیلے نہیں کیا بلکہ میرے کئی ساتھی بھی اس میں برابر کے شریک رہے ہیں ان کا شکر یہ ادا کرنا واجب اور ان صفحات میں ان کا ذکر خیر کرنا مفید ہے، ممکن ہے کوئی اللہ کا بندہ اس

کتاب سے فیض حاصل کر کے اعلیٰ درجات حاصل کرے اور اس محنت میں شامل افراد کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعائے خیر کر دے۔

سب سے پہلے مکرمی جناب قاری منزل نوید صاحب مدظلہ جو مفید مشوروں سے برابر نوازتے رہے، مسودات کو بار بار پڑھا اور بحث کی پیچیدگیوں کو حل کرایا، حشو و زوائد کو نشان زد کیا، اور خاص طور پر اشعار کے سلسلے میں بے حد مدد فرمائی، عزیزم مولوی عبدالصمد ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے ترجمہ و تسہیل میں باقاعدہ حصہ لیا، اور بعض پیچیدہ مضامین کو سلجھانے میں مدد کی، عزیزم شاہ عالم صدیقی جنہوں نے انتہائی کاوش کے ساتھ اس کو ٹائپ کیا، اور محترم قاری شفیق احمد صاحب جنہوں نے اس کی پروف ریڈنگ کا حق ادا کیا۔

دارالعلوم منہاج الدعوة کے تمام اساتذہ خصوصاً قاری عبدالاحد، قاری محمد فرمان، قاری محمد نعیم صاحبان جنہوں نے میری تمام ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لیکر مجھے اس نیک کام کے لئے فارغ کر دیا، یقیناً ان حضرات کا حق اس سے کہیں زیادہ ہے، اور ان مختصر الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو اجر دے سکتا ہے، اسی سے امید ہے اور اسی پر بھروسہ۔

دارالعلوم منہاج الدعوة الہیڑی میں ادارۃ الحجوۃ الاسلامیہ کے قیام کا یہ دوسرا سال ہے، اور تیسری پیش کش، اللہ تعالیٰ اس ادارے کو قبول فرمائے، دعا ہے کہ یہ کتاب امت مسلمہ کے لئے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا ذریعہ اور طاعات و عبادات کے لئے مہمیز ثابت ہو اور اس بندہ گنہگار کے لئے آخرت کا سامان بن جائے۔ آمین

محمد عمران مظاہری

دارالعلوم منہاج الدعوة الہیڑی، سہارن پور، یوپی، انڈیا

۲۹ شعبان ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸ جون ۲۰۱۴م

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمہید

الحمد لله رب العلمین * و صلی اللہ علی خیر خلقہ

محمد و آلہ و صحبہ اجمعین

اما بعد!

یہ بات کسی صاحب بصیرت سے چھپی ہوئی نہیں ہے کہ مشائخ کرام کی باتیں ان اللہ والوں کی باتیں ہیں جن کو ”جنڈ من جنود اللہ“ (اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر) کہا گیا ہے۔

مشائخ صوفیہ کے احوال و اقوال جن میں ان کی کرامتوں اور کارناموں کا ذکر خیر اور ان کے باطنی و ظاہری علوم کا بیان ہوتا ہے مبتدی کے لئے شوق اور ترغیب کا باعث ہوتے ہیں اور پختہ کاروں کے لئے کسوٹی اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

خصوصاً اولاد و اخلاف کے لئے اپنے آبا و اجداد کے تاریخی اور روحانی کارنامے سننا بہت مفید ہوتا ہے، ان واقعات کو سن کر ان کی اولاد میں سے بعض بے دینی کی زندگی گزارنے والوں کی غیرت جاگ اٹھتی ہے اور یہ غیرت ان کو بسا اوقات بڑی منزل پر پہنچا دیتی ہے، اور شریعت کے مطابق چلنے والی ان کی نسلیں اپنے بزرگوں کے ذکر خیر کی برکت سے اپنی کوتاہیوں پر بہت جلد آگاہ ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار کے دروازے ان پر کھل جاتے ہیں۔

ان حقائق کو دیکھتے ہوئے فقیر حقیر ولی اللہ (اللہ اسکے گناہوں کو معاف فرمائیں اور اس کو صالحین میں شامل فرمائیں) نے ارادہ کیا کہ اپنے والد بزرگوار قدوة العارفين، زبدة الواصلين، صاحب کرامات جزیلہ و مقامات جلیلہ، سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم (اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے) کے علمی و مجلسی فوائد میں سے کچھ نفیس واقعات و حکایات اور نادر کرامات اور تصرفات کو مرتب کرے، جو کہ حضرت والد ماجد اور ان کے مشائخ کرام سے ظاہر ہوئیں، اور طریقت و حقیقت کے راز جو ان بزرگوں کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالے گئے اور مریدین و سالکین کی ہدایت اور ترقی کے لئے انھوں نے اپنی زبان مبارک سے جو ملفوظات مجلسوں اور تنہائیوں میں ارشاد فرمائے، اور جن کو راقم الحروف کے حافظے نے محفوظ رکھا۔

اس کے علاوہ اپنے بلند پایہ چچا بزرگوار اہل ذوق کے پیشوا اور اہل معرفت کے امام، حلقہ سلسلہ عارفين، رونق چشم کا ملین، اللہ تعالیٰ کے مقرب سیدنا و مولانا ابو الرضا محمد قدس سرہ الامجد کے عرفان و حقائق میں سے جو چیزیں مجھ تک صحیح و قابل اعتماد ذریعہ سے پہنچی ہیں ان کی جمع و ترتیب کی سعی کروں، ان دو مقاصد سے فارغ ہو کر ان بزرگوں کے حالات بھی تحریر کروں جن سے اس فقیر کا رشتہ داری یا شاگردی کا تعلق رہا ہے، امید ہے کہ اہل زمانہ عام طور پر اور اس خاندان کے لوگ خاص طور پر ان علمی فوائد اور روحانی اقوال سے نفع اٹھائیں گے، اور کاتب الحروف کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

اس کتاب کو میں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اس کا نام انفاس العارفين تجویز کیا ہے پہلے دو حصوں کو میں نے الگ الگ دو سالوں کی شکل میں مرتب کیا ہے، پہلے کا نام ”بوارق الولاية“ رکھا ہے اور دوسرے رسالے کا نام ”شوارق المعرفة“ تجویز کیا ہے، تیسرے حصہ میں پانچ مقالات ہیں، ان کے عنوان یہ ہیں:

(۱) الامداد فی مآثر الاجداد، مصنف کے خاندان کے حالات پر۔

- (۲) عطية الصمدية في انفاس المحمدية، مصنف کے نانا شیخ محمد پھلجی کے حالات۔
- (۳) النبذة الابريزية في لطيفة العزيزية، (مصنف کے جد اعلیٰ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حالات میں۔
- (۴) انسان العين في مشائخ الحرمين، مصنف نے حرین شریفین میں جن مشائخ سے استفادہ کیا ان کا ذکر خیر۔
- (۵) الجزء اللطيف في ترجمة العبد الضعيف (مصنف کی آپ بیتی)
- وسألت الله أن ينفع به عباده الصالحين انه سميع قريب مجيب حسبى الله ونعم الوكيل
ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم*

حصہ اول

جناب کرامت مآب، قدوة العارفين، زبدة
الواصلين، سيدنا ومولانا شيخ عبدالرحيم کے
پسندیدہ روحانی تصرفات، نایاب واقعات
اور روح پرور واردات قلبی
کے بیان میں۔

تمام حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جس نے اپنی تجلی اور انوار سے اہل عرفان کے دلوں کو منور فرمایا، اور معرفت کی بارش سے ان کے سینوں کو سیراب کیا، عرفان کے نفیس نکتوں اور اسماء و صفات کی باریکیوں سے ان کو وہ مقام عطا فرمایا جس تک نہ کسی کا خیال پہنچ سکتا ہے، نہ دیکھنے سننے میں آ سکتا ہے، اور نہ اس مقام تک کسی دوسرے کے قلب و نظر کی رسائی ہو سکتی ہے۔

اس لطف و کرم کی وجہ سے ان اہل اللہ کو انوار و تجلیات نے ہر سمت سے گھیر رکھا ہے۔

اللہ کے ان مقبول بندوں کی زبانیں اللہ تعالیٰ کے حصول، اس کی رضا کی طلب اور طریقت کے راستہ کے اسرار اور باریک گتھیاں سلجھانے اور حکمت و اسرار الہی کے بیان کرنے میں بول اٹھیں، اور ان کے ہاتھوں ایسے عظیم الشان واقعات اور کرامات کا ظہور ہوا جن کی وجہ سے ان کو عام لوگوں سے الگ اور ممتاز جانا گیا، سو پاک ہے وہ ذات جو جسے چاہے جتنا چاہے عطا کرے نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے، نہ اس کا لکھا پھیرا جا سکتا ہے۔

عبادت و حمد و ثنا اسی کو زیبا ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی سا جہی یا شریک نہیں اور میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس

کے بندے اور رسول ہیں، یہ شہادت میری زندگی اور موت کا سرمایہ ہے، ازل سے ابد تک صلوة و سلام ہوں اس مقدس نبی پر، ان کی پاک اولاد اور اصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور اللہ کے بندوں کے راہنما و قائد ہیں۔

اس کے بعد فقیر ولی اللہ عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات حضرت والد بزرگوار قدوة العارفين، زبدة الواصلين، صاحب کرامات جزیلہ و مقامات جلیلہ سیدنا و مولانا شیخ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی کرامات، واقعات، اور احوال و اقوال پر مشتمل ہیں، جن کا نام میں نے بوارق الولایہؑ رکھا ہے۔

حسبى الله ونعم الوكيل ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم*

آغاز کار

میرے والد ماجد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ شروع شروع میں مجھے اپنے نانا شیخ رفیع الدین دہلویؒ کے مزار مبارک سے انسیت و محبت پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ میں وہاں جا کر ان کے مزار کو توجہ کا مرکز بنایا کرتا تھا، اکثر و بیشتر غیبت (بیخودی) کا ایسا حال مجھ پر چھا جاتا کہ مجھے سردی گرمی کا احساس بھی نہیں رہتا تھا۔

معنوی میراث

فرماتے تھے کہ شیخ رفیع الدین نے ایک بار اپنا تمام سامان جمع کیا اور اسے وارثوں میں تقسیم کر دیا، سب کو ضرورت کے مطابق دیا، میری والدہ (شاہ ولی اللہ کی دادی صاحبہ) سب سے چھوٹی تھیں جب ان کی باری آئی تو ان کو مشائخ کے خاندان کا شجرہ اور طریقت کے فائدوں پر مشتمل ایک رسالہ عنایت فرمایا، شیخ کی اہلیہ نے کہا کہ یہ بچی غیر شادی شدہ ہے، اسے تو جہیز اور گھر میں کام آنے والا سامان چاہئے، نہ کہ تصوف کے رسالے!

غیبت ایک اصطلاح ہے، اس کا مطلب ہے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر اللہ کے دھیان میں کھوجانا۔

فرمانے لگے: یہ رسالے ہمیں مشائخ سے میراث میں ملے ہیں، اس پاک باز کے بطن سے اس معنوی میراث کا مستحق بچہ پیدا ہوگا، ہم نے یہ میراث اسی کے لئے اسے دی ہے، باقی رہا سامان، تو وہ اللہ تعالیٰ مہیا کر دیگا، ہمیں اس کا غم نہیں۔

جب میں (شیخ عبدالرحیم) نے ہوش سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے میری والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی، انھوں نے وہ رسائل مجھے دے دئے، حالانکہ بشارت میں میرے دوسرے بھائی بھی شامل تھے، لیکن والدہ ماجدہ نے یہ فیصلہ اس بنا پر کیا کہ میرے بڑے بھائی شیخ ابوالرضا رحمہ اللہ تو ان دنوں اس کام کا ذوق نہیں رکھتے تھے، اور چھوٹے بھائی عبدالحکیم اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، کچھ دنوں کے بعد وہ رسائل کھو گئے۔

اسلاف کا وارث

فرماتے تھے کہ میرے ماموں شیخ عبدالرحیٰ نہایت نیک انسان تھے، جو دنیا داری سے متنفر اور بزرگوں کے نقش قدم پر تھے، وہ اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بڑی کوشش و محنت کرتے تھے، لیکن اولاد نے ان کا اثر قبول نہ کیا، جس کی وجہ سے وہ غمگین رہتے تھے، ایک روز اتفاق سے مجھے وضو کرتے ہوئے دیکھا، میں نے اس وقت اپنی پگڑی اپنے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی، میں اس وقت کم عمر تھا، مجھے اس حالت میں دیکھ کر ان کا دل کھل اٹھا، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اور فرمانے لگے کہ جب میں نے اپنی تربیت کا کوئی اثر اپنی اولاد میں نہ پایا تو فکر مند اور غمگین ہو گیا تھا، کہ شاید اسلاف کا روحانی سلسلہ ختم ہو جائے گا، مگر معلوم ہوا کہ اس کا وارث ہمارے خاندان میں موجود ہے، میرے بیٹوں میں نہ سہی، یہی کیا کم ہے کہ میری نیک بہن کی اولاد میں تو ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ ہمارے اسلاف کا روحانی دستور یہ رہا ہے کہ ہر صدی میں طریقہ چشتیہ کی نسبت کے حامل رہے ہیں، اور اکثر و بیشتر ہر جانے والا آنے والے کی بشارت دیتا رہا ہے۔

پہ آیانہ دام میں

فرمایا کہ میں نو یا دس برس کا تھا کہ نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ خواجہ ہاشم (۱) بخارا سے تشریف لائے اور ہمارے محلہ میں قیام پذیر ہوئے، وہ مجھ پر اکثر توجہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میں ایک ورد جانتا ہوں، اس کے پڑھنے سے آدمی دولت مند ہو جاتا ہے، میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ والد ماجد کے ذریعہ میری ضروریات پوری فرمادیتا ہے، مزید احتیاج نہیں، یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

چند دن کے بعد پھر فرمانے لگے کہ مجھے بزرگوں سے ایک دعا ملی ہے جسے کوڑھی پر دم کیا جائے تو کوڑھ فوراً کافور ہو جاتا ہے، میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا ہے، اور اگر کوئی کوڑھی نظر پڑے تو اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

کچھ دن بعد فرمانے لگے کہ ورد اور دعا سے ہمارا مقصد تمہیں شکار کرنا تھا، کیونکہ تم اچھی استعداد رکھتے ہو، مگر معلوم ہوا کہ تم نہایت بلند ہمت بھی ہو، دراصل ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم صوفیا کے اشغال میں سے کوئی شغل اپنالو۔

میں نے عرض کیا کہ سر آنکھوں پر، لہذا انہوں نے مجھے شغل استکتاب کی تلقین فرمائی، یعنی اسم ذات (اللہ) کو کسی تختی یا کاغذ پر لگا کر لکھتے رہنا، یہاں تک کہ کثرت نگاہ کی وجہ سے وہ تمام سوچ اور خیالات میں جم جائے، اور تمام قوت پر غالب آجائے، یہ مشغلہ میں نے شروع کر دیا، جو مجھ پر حاوی ہو گیا، ان دنوں میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا، میں نے حاشیہ ملا عبدالحکیم لکھنے کا ارادہ کیا (کتابوں کے نام)، جب لکھنے لگا تو بلا ارادہ تقریباً ایک کاپی (ستر صفحات) کے برابر اسم ذات ہی لکھتا چلا گیا۔

۱ حضرت شیخ محمد ہاشم کاشمیؒ مراد ہیں جو حضرت مجددؒ کے خلیفہ تھے، کشم بخارا کا ایک قصبہ ہے۔

خواجہ کائنات

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ میں بارہ تیرہ برس کا تھا، کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو سامنے موجود دیکھا، انہوں نے اسم ذات کے ذکر کی تلقین فرمائی۔ نبوت کی نورانیت سے اس تلقین میں یہ تاثیر دکھائی دی کہ اس نوعمری، تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے مشغولی اور کم توجہی کے باوجود ذکر کی ایسی برکات عطا ہوئیں کہ بڑے بڑے کامل اور طالبان حق سے ظاہر نہیں ہوئیں۔

اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ عبدالعزیز قدس سرہ کو خواب میں دیکھا، فرمایا کہ ”بیٹا، ارادت کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں نہ دینا، یہاں تک کہ حضرت خواجہ تجھے قبول فرمائیں، اس کے بعد تجھے اختیار ہے، یہ واقعہ میں نے تعبیر کی خاطر حضرت خواجہ خورد سے عرض کیا اور کہا کہ اس شہر کے اہل معرفت میں آپ کے سوا کوئی بھی خواجہ کے لقب سے مشہور نہیں۔

فرمانے لگے: ”اس کی تعبیر یہ ہے کہ تمہیں خواجہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نصیب ہوگی، کیونکہ اس فقیر کا مرتبہ اس سے کم تر ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز خواجہ کہیں۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) کو اسی طرح یاد ہے، جبکہ بعض احباب شیخ عبدالعزیز کے بجائے خواجہ نقش بند کا ذکر کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

جس کا انتظار تھا

اس کے بعد میں تعبیر کے ظاہر ہونے کا منتظر رہا، اس دوران اکثر درود پڑھنے میں مشغول رہتا تھا، ایک رات درود پڑھ رہا تھا کہ چاند کی شکل میں ایک نورانی شبیہ ظاہر ہوئی، حالانکہ اس رات چاند نہیں تھا، آہستہ آہستہ وہ شبیہ پوری زمین پر پھیلنا شروع ہوئی، پھر میرے سر اور جسم پر وارد ہوئی، جب تک وہ شبیہ میرے سر پر پوری طرح وارد نہیں ہوئی تھی، تب تک تو میں اس

نورانی نظارے کی رعنائیوں میں مست ہو رہا تھا، جب بالکل سر پر آگئی تو میں بے ہوش ہو گیا، اور ظاہری نگاہوں سے میرا وجود غائب ہو گیا، واللہ اعلم، کیونکہ میرے والد نے مجھے بہت ڈھونڈا مگر نہ پایا، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو گئے۔

ادھر اسی عالم اور گمشدگی کی حالت میں رہتے ہوئے میں نے آسمان پر آسمان طے کرنا شروع کئے، یہاں تک کہ ان سب کو پار کر گیا اور بارگاہ سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں جا پہنچا، جہاں آپ نے مجھے اپنی بیعت میں قبول فرما کر نفی و اثبات کی تلقین فرمائی، تھوڑی دیر بعد مجھے افاقہ ہوا اور پہلی حالت میں آ گیا، چند دنوں بعد میں نے خواجہ خورڈ کے سامنے عرض کیا کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ تو پورا ہو چکا ہے، اب میری اصلاح و تربیت کا کیا ہوگا؟

فرمانے لگے: ظاہری بیعت بھی کسی سے کرنی ہی چاہئے۔

میں نے کہا: جی چاہتا ہے کہ آپ سے ہی بیعت کر لوں!

فرمانے لگے: تمہیں بہت ہی دوست رکھتا ہوں، لہذا نہیں چاہتا کہ تم کو اپنی بیعت میں لوں۔

میں نے عرض کیا کہ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا کہ دوستی رکاوٹ کیوں بن گئی؟

فرمایا کہ میں بعض غیر شرعی کام کرتا ہوں اور سنت کی اتباع میں بھی کاہلی، غفلت اور سستی کا روادار ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے تعلق تمہارے قدم شریعت کے راستہ سے ہٹا دے، ہاں البتہ مجلس میں آتے رہو، فیض و بخشش جاری رکھونگا۔

میں نے عرض کیا کہ پھر یہ رہنمائی فرمائیں کہ کس سے تعلق قائم کروں؟

فرمانے لگے:

اگر شیخ آدم بنوری^(۱) کے خلفاء میں سے کوئی مل جائے تو زیادہ مناسب رہے گا، کیونکہ یہ حضرات شریعت کی اتباع، دنیا سے بے رغبتی اور نفس کی پاکیزگی میں ایسا کمال رکھتے ہیں جو دوسروں کو میسر نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ ہمارے پڑوس میں ان کے خلفاء میں سے سید عبداللہ قیام پذیر ہیں، فرمانے لگے کہ غنیمت ہیں، جلد ہی ان سے تعلق پیدا کر لینا چاہئے، میں انکی خدمت میں حاضر ہو گیا، پہلی ہی بار میں حضرت نے بیعت قبول فرمائی، حالانکہ آپ پر تنہائی پسندی، گوشہ نشینی کا غلبہ تھا۔ بیعت کے بعد میں خواجہ خورد اور سید عبداللہ رحمہم اللہ دونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتا رہا۔

شغل نفی و اثبات

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اسم ذات^(۲) کا شغل جو میں نے حضرت زکریا علیہ السلام سے حاصل کیا تھا مجھ پر غالب رہتا تھا اور میں اس سے بہت ہی کیف و سرور حاصل کرتا تھا، اس کے مقابلہ میں شغل نفی و اثبات نہیں کر سکتا تھا۔^(۳) اگر کبھی کرتا بھی تو اس سے ذرا بھی لذت محسوس نہ ہوتی اور اس پر قادر نہ ہو سکنے کی بناء پر میں

سید معز الدین ابو عبداللہ آدم بن سید اسماعیل، آدم بنوری کے نام سے مشہور ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی کے اجل خلفاء میں ہیں ہزاروں سالکین آپ کی خانقاہ میں جمع رہتے تھے، سینکڑوں خلفاء ہیں، خیر البلاد مدینہ طیبہ میں بتاریخ ۱۳/شوال ۱۰۵۳ھ انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمان کے نزدیک مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

^۲ اسم ذات کے شغل سے مراد، اللہ اللہ میں کھوجانا، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے تلفظ کو لطیفہ قلب (دل کے مقام) بائیں پہلو پر وارد کرے، اور مکمل توجہ ایسی کی جانب رکھے۔

^۳ نفی سے لا الہ اور اثبات سے الا اللہ مراد ہے، لا الہ الا اللہ کے ورد کو نفی اثبات کے شغل اور ذکر سے تعبیر کرتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ لا الہ کہتے ہوئے سانس کو باہر نکالے، اور الا اللہ کہتے ہوئے سانس کو اندر کھینچے، اور اللہ کے تلفظ کو لطیفہ قلب (دل کے مقام) پر وارد کرے، اور مکمل توجہ ایسی کی جانب رکھے۔ (طائف کی تفصیل کیلئے صفحہ دیکھیں)

ہمیشہ شرمندہ رہتا تھا، حضرت سید عبداللہ قدس سرہ سے اس کو تاہی کا علاج دریافت کیا، بارہا توجہ فرمائی مگر مسئلہ حل نہ ہوا، تو فرمانے لگے کہ جو چیز انبیائے کرام علیہم السلام کے انفاسِ طیبہ کی توجہ سے استحکام حاصل کرے، ہم اس میں تبدیلی نہیں لاسکتے۔

حضرت ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں التجا کی، جس کے نتیجہ میں شغلِ نفی واثبات مجھ پر غالب آیا اور بہت ہی آسان ہو گیا، اس انداز پر کہ میں کم سنی کے باوجود ایک ہی سانس میں دو سو مرتبہ یہ ذکر کر سکتا تھا، میں نے کسی طالبِ حق میں اس ذکر کے لئے ایسی جذب وکشش نہیں دیکھی، حالانکہ میں تحصیلِ علم میں مشغول تھا اور دوسرے موانعات بھی حائل تھے، بہر حال مجھے نفی واثبات میں سرور حاصل ہونے لگا۔

حضرت خواجہ حافظ سید عبداللہ قدس سرہ

پہلا سبق

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اصل میں قصبہ کھیڑی کے رہنے والے تھے، جو بارہہ کے قریب ہے۔

ان کے والد نے کھیڑی کو وطن بنا لیا تھا، کم سنی ہی میں ان کے والد فوت ہو گئے تھے اور ان کے دل میں اسی وقت سے خدا طلبی کا جذبہ پیدا ہوا، جگہ جگہ اولیاء کرام کی تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ پنجاب کے ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچے، جو علمِ قرأت میں مہارت رکھتے تھے اور صحرائے پنجاب کی ایک مسجد میں اپنا وقت گزار رہے تھے۔ لوگوں کے میل جول اور آمد و رفت سے بالکل فارغ اور انتہائی متوکل علی اللہ تھے۔ سید صاحب ان کی خدمت میں رہ کر راہِ حق طلب کرنے لگے، ان بزرگ نے سید صاحب سے فرمایا کہ تمہاری تلقین و ہدایت ایک اور بزرگ سے وابستہ ہے، جہاں تم انشاء اللہ ضرور پہنچو گے، ہاں البتہ حفظِ قرآن کی نعمت مجھ سے

حاصل کیجئے، چنانچہ سید صاحب اس جنگل میں مدتوں ٹھہرے رہے اور قرآن حفظ کیا، ان بزرگ کے فیضِ محبت سے گوشہ نشینی اور ترکِ دنیا کے آداب سیکھے اور نفس و شیطان کی کج رویوں سے کنارہ کشی کے انداز حاصل کئے۔

عظمت قرآن اور ہیبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک دن وہ بزرگ اور سید صاحب دونوں قرآن مجید کا دور کر رہے تھے کہ ہرے کپڑوں میں ملبوس کچھ عربی لوگ گروہ درگروہ ظاہر ہوئے۔ ان کا سردار مسجد کے قریب کھڑا ہو کر ان قاریوں کی تلاوت سننے لگا اور کہا:

بارک اللہ ادیت حق القرآن* اللہ برکت دے تلاوت قرآن کا خوب حق ادا کیا۔

یہ کہہ کر واپس پلٹے۔ ان کی عادت تھی کہ تلاوت قرآن کے وقت آنکھوں کو نیند کی سی حالت میں رکھتے تھے اور کسی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، جب زیرِ تلاوت سورت کو آخر تک پہنچایا تو سید عبد اللہ سے پوچھا یہ کون لوگ تھے؟ جن کی ہیبت سے میرا دل کانپ اٹھا، مگر عظمت قرآن کے سبب میں اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکا۔

سید صاحب نے کہا: قبلہ! یہ تو ایسے لوگ تھے کہ جب ان کا سردار پہنچا تو مجھ میں یہ طاقت نہ رہی کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہوں، مجبوراً اٹھا اور ان کی تعظیم بجالایا۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اسی طرح کا ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کل مجمع اصحاب میں بیٹھے ہوئے اس جنگل کے حافظ کی تعریف و توصیف فرما رہے تھے اور ساتھ ہی فرما رہے تھے کہ کل علی الصباح ہم اسے دیکھنے جائیں گے اور اس کی قرأت بھی سنیں گے، آپ تشریف لائے تھے یا نہیں؟ اگر آئے تھے تو کدھر کو گئے؟ ان دونوں بزرگوں نے جب یہ بات سنی تو دائیں بائیں دوڑے مگر کوئی نشان نہ پایا، اللہ ان دونوں کی قبروں پر رحمت کے پھول برسائے۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ) کا گمان ہے کہ حضرت والد نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد مدتوں اس جنگل سے خوشبو مہکتی رہی، جسے لوگ سونگھتے اور محسوس کرتے تھے۔

مرنے سے پہلے مرجانا

جب حفظ قرآن سے فراغت حاصل ہوئی تو اس بزرگ نے رخصت عطا فرمائی کہ جاؤ اور جہاں بھی کوئی صاحبِ ولایت ملے، اس کی خدمت گزاری میں انتہائی کوشش کرو، یہ سیر کرتے ہوئے ”سامانہ“ میں شیخ ادریس رحمۃ اللہ کی خدمت میں پہنچے، یہ بزرگ متوکل تھے اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر کے انتہائی مشکل حالات میں گزارہ کر رہے تھے، سلسلہ قادریہ سے منسلک تھے۔ پہلی مرتبہ جب ان سے ملاقات ہوئی تو شیخ نے فرمایا ”فقیر بہت سارے ہیں کسی دوسری جگہ چلے جاؤ، میرے پاس تو اس مردے کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہر سکتا جو طعامِ لباس اور تعلقاتِ دنیا سے بالکل کٹ چکا اور حوائجِ ضروریہ کے علاوہ میری اجازت کے بغیر میرے دروازے سے باہر قدم نہ رکھے۔“

حضرت حافظ عبد اللہ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا اور ان کے سامنے راہِ سلوک طے کرنا شروع کیا، بلکہ مردانہ وار اس اختیاری موت پر صابر اور رضا مند رہے، یہ دیکھ کر ان پر حضرت شیخ نے اپنی توجہ بڑھادی، اسی اثناء میں حضرت شیخ کا بیٹا ان سے قرآن حفظ کرنے لگا، جس کی بناء پر شیخ کی توجہ دوئی ہو گئی اور انہوں نے بھی شیخ کی خدمت گزاری میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

حضرت حافظ سید عبد اللہ فرماتے تھے ان دنوں میں نے اپنی عادت بنالی تھی کہ درویشوں کے لئے استنجے کے ڈھیلے پتھر سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا، ایک روز اسی حقیقت پر غور کرنے سے اپنے اندر کبر و نخوت اور خود پسندی کا سرور آیا، شیخ میری اس حالت پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میرے چہرے اور جسم پر کوئی نشان یا تبدیلی دیکھتے ہو؟

میں نے عرض کیا: کہ ہاں۔

فرمایا: میں ابتدائے سلوک میں ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے لئے استنجوں کے ڈھیلوں کو اپنے چہرے اور بدن سے رگڑ کر صاف کیا کرتا تھا اور اس سے مجھے ایک روحانی لذت ملتی تھی یہ زخموں کے نشانات اسی کی یادگار ہیں۔

نیز حضرت عبداللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دنوں میری عادت تھی کہ حضرت شیخ اور ان کے اہل خانہ کے کپڑے ہر جمعرات کو ندی کے کنارے لے جاتا تھا اور اپنے ہاتھوں سے دھوتا تھا تاکہ نماز جمعہ صاف ستھرے کپڑوں میں پڑھ سکیں، ایک بار اتفاق سے میں جمعرات کے دن فاقہ سے تھا اور دستور کے مطابق کپڑے سر پر اٹھا کر ندی کے کنارے چلا گیا، آدمیوں سے ایک طرف ہو کر کپڑے دھونے میں مشغول ہو گیا، جب سورج تیز ہو گیا بھوک اور پیاس کی شدت نے غلبہ پایا تو میں بے دم ہو کر گر پڑا، ناگاہ ایک برقع پوش میرے سر پر پہنچا اور مجھے بیدار کیا برقع میں سے گرم روٹی نکال کر مجھے دی اور کہا: کیا تو نے یہ نہیں پڑھا:

”ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة* (البقرہ ۱۹۵)

اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو

مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں یہ شیطان تو نہیں جو مجھے دھوکا دے رہا ہے؟ اس بناء پر میں نے روٹی قبول نہ کی، وہ بزرگ میرے اس اندیشے پر مطلع ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! یہ گمان مت کر، یہ لفظ سنتے ہی یہ خیال میرے دل سے دور ہو گیا، میں نے روٹی پیٹ بھر کر کھائی، دل میں خیال آیا کہ نہر کا پانی گرم ہے، کاش یہاں ٹھنڈا پانی ہوتا، تا کہ سیر ہو کر پیتا، وہ اس کھٹکے پر بھی مطلع ہو گئے اور برقع کے اندر سے پانی کا آنچورہ نکال کر دیا، نہایت ٹھنڈا پانی تھا، میں نے جی بھر کر پیا اور پھر کپڑے دھو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو نہی مجھے دیکھا، فرمانے لگے: سید! خضر علیہ السلام کے ہاتھ سے روٹی لیلی؟ محمد یوں (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خضر کا احسان ہرگز نہیں اٹھانا چاہئے۔

بیخودی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے: حضرت خواجہ ادریس سامانی رحمہ اللہ کے اہل خانہ جس حجرے میں جانوروں کیلئے بھوسا ذخیرہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت خواجہ اسی حجرے کے اندر ذکر میں مشغول تھے، کہ اہل خانہ نے اس حجرے میں بھوسا بھر دیا، انہیں حجرے میں شیخ کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہوسکا، شیخ بھی اس قدر بے خبر اور محو تھے کہ انہیں احساس تک نہ ہوا۔ چنانچہ حجرے کو گھاس سے بھر کر دروازہ بند کر دیا گیا، کچھ دیر بعد شیخ کی پوچھ گچھ کی گئی، مسجد میں بھی ڈھونڈا گیا، لیکن کہیں نہ ملے آنے جانے والوں سے پوچھا گیا کچھ معلوم نہ ہوا، مایوس ہو کر تلاش و جستجو بھی چھوڑ دی۔

چھ ماہ بعد جب چارہ باہر لانے کی ضرورت پڑی تو حجرے کا دروازہ کھلا اور گھاس باہر نکالنے لگے، بالآخر ایک دن گھاس اٹھانے والے کا ہاتھ شیخ پر جا پڑا تو وہ چونک اٹھا کہ یہاں کوئی آدمی ہے، جب اچھی طرح ٹٹولا تو شیخ کو پہچان لیا، یہ سن کر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اور اسی وقت شیخ کو بھی حالتِ سکر (بیخودی) سے افاقہ ہوا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ نہ تو انہیں وقت گزرنے کا احساس رہا اور نہ ہی ان کے جسم و جان پر بھوک پیاس کا کوئی اثر پڑا، یہ واقعہ عجیب و غریب واقعات میں سے ہے۔ واللہ اعلم

مقامات قلب

سننے میں آیا ہے کہ جب شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے ارشادات و کمالات عام ہوئے تو شیخ ادریس نے ان کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اگر میں زمین کی طرف دیکھتا ہوں تو زمین کو نہیں پاتا اور اگر آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتا ہوں تو آسمان کو نہیں پاتا، اور اسی طرح عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ کو بھی موجود نہیں پاتا اور جب کسی کے سامنے جاتا ہوں تو اس کا وجود

بھی نہیں پاتا، یہاں تک کہ اپنے وجود کو بھی غیر موجود پاتا ہوں اور وجود حق سبحانہ و تعالیٰ تو بے پایاں ہے، جس کی انتہا کو کوئی نہیں پاسکا، تمام مشائخ بھی صرف یہی کہہ کر رہ گئے ہیں، اس مقام سے آگے کوئی نہیں جاسکا، اگر آپ بھی اسی انتہا کو اپنا کمال سمجھتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر کوئی دوسری بات اس کمال سے آگے کی معلوم ہوئی ہے تو اس سے ہمیں بھی مطلع کیجئے تاکہ ہم اور ہمارے ایک دوست جو اس مقام تک پہنچنے کی بہت خواہش رکھتے ہیں، وہاں تک پہنچ سکیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا:

میرے مخدوم! یہ اور اس طرح کے دوسرے حالات دل کی کمزوری کا نتیجہ ہیں، مشاہدہ بتاتا ہے کہ ان حالات کا حامل مقامات قلب میں ایک چوتھائی سے زیادہ طے نہیں کر سکا، ابھی اسے تین حصے طے کرنے چاہئیں تاکہ معاملہ قلب کو تمام و کمال طے کر کے سمجھ سکے، مقام قلب سے گزرنے کے بعد مقام روح آتا ہے، مقام روح سے آگے بڑھے تو مقام سرکا دروازہ کھلتا ہے اور مقام سرکو طے کیجئے تو مقام خفی تک رسائی ہوتی ہے، تب جا کر کہیں مقام اخفی کے راز کھلتے ہیں، ان چار حصوں کے علاوہ قلب پر کچھ اور اثرات بھی پڑتے ہیں، جن کے احوال و کیفیات جدا جدا ہیں، ان تمام کو الگ الگ طے کرنا چاہئے (آخر مکتوب تک)۔

یہ خط پڑھ کر شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دینے اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، مگر بعض رکاوٹوں کے سبب ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، یہاں تک کہ شیخ احمد سرہندی کے ایام رشد و ہدایت پورے ہو گئے۔

کچھ بعید نہیں کہ ایک دوست سے مراد سید عبداللہ شاہ ہوں۔

فقیر (مصنف) کا خیال ہے کہ حضرت والد ماجد یہ قصہ حضرت شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کے سلسلے میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

کوچہ تنگ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ ادریس رحمہ اللہ نے حضرت شیخ آدم بنوری کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ مجھے ہر چیز میں خدا نظر آتا ہے اور ہر درو یوار کو اس ایک نور کی تجلیات سے بھر پور پاتا ہوں، شیخ آدم نے جواب میں لکھا کہ بابرکت اور عجیب حالت ہے، لیکن کاملین سلوک کے حالات سے موازنہ کیا جائے تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ بھائی! کوچہ تنگ سے گزرنے کا کوئی تک نہیں، راہ سلوک میں اتنے سمٹ کر کیوں رہ گئے ہو؟ یہاں تو ایک شاہراہ عظیم کھلی ہوئی ہے، جس پر فکر و خیال کے گھوڑے کو بڑھا کر چڑھا کر دوڑایا جاسکتا ہے۔

یہ پڑھ کر ان پر شیخ آدم رحمہ اللہ کی ملاقات کا شوق غالب آیا، مگر اللہ کی مرضی نہ تھی چنانچہ وہ انہی دنوں بیمار ہو کر رحمتِ خداوندی کے سائے میں چلے گئے، اور سید عبداللہ اسی واقعہ کی بناء پر ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ آدم کی خدمت میں پہنچے۔

نوٹ: یہاں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ وہی پہلا قصہ ہے جو سہو و نسیان سے ذرا تبدیل ہو گیا ہے یا کوئی دوسرا واقعہ ہے۔

بہر حال سید عبداللہ نے، شیخ آدم بنوری کی صورت میں ایک عالی مقام، عامل شریعت، صاحب عرفان شیخ کو پایا، ان کی طرز زندگی اور فقیری کو پسند کرتے ہوئے وسوسوں اور شکوک و شبہات کو شکست دے کر مدتوں ان کی صحبت میں دلجمعی کے ساتھ مقیم رہے۔

واضح رہے کہ سید عبداللہ رحمہ اللہ کے چچا یا چچا زاد بھائی جن کا نام سید عبدالرحمن تھا، نہایت خوش حال تھے اور ان کا شمار بڑے امراء میں ہوتا تھا، مگر ساتھ ہی دین داری میں بھی شہرت رکھتے تھے، حضرت والد ماجد ان کی دین داری کا بہت ہی ذکر فرمایا کرتے تھے، یہ امیر نما درویش بھی شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کا مرید تھا، اسی بناء پر حضرت سید عبداللہ شیخ کے انتقال کے بعد ہمیشہ سید عبدالرحمن کی صحبت میں رہتے تھے اور آپس میں انتہائی انس و محبت رکھتے تھے۔

حضرت سید عبداللہ عقیف و پاک دامن تھے، زندگی بھر شادی نہ کی، محلہ ”کوشک نر“ میں حضرت عبداللہ کی اقامت کا سب سے بڑا سبب سید عبدالرحمن کی رفاقت تھی، سید عبداللہ کے نام لکھے گئے شیخ آدم کے تمام مکتوبات میں سید عبدالرحمن کا ذکر بھی ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ شہادتاً شیخ آدم کے مکتوب پیشہیں جو حافظ عبداللہ اور سید عبدالرحمن کے نام صادر ہوئے۔

شیخ کے خطوط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين و الصلوة والسلام على خير خلقه محمد و آله اجمعين *

اللہ تعالیٰ دینی اور دنیوی کاموں میں اپنی رضا کے مطابق جمعیت خاطر اور اطمینان قلب کی توفیق ارزانی کرے اور ہمارے دلوں کو خلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے۔

زاں یارِ دنوازم شکریت نے شکایت

گر نکتہ دان عشقیست خوش بشنواں حکایت

اگر عشق کے راز سمجھتے ہو تو سنو! کہ اس محبوب دنوازم کا ہر حالت میں شکر گزار رہنا چاہئے کسی بھی عالم میں زبانِ شکایت نہیں کھولنی چاہئے۔

ہمارا یہ فقیرانہ سلام نامہ ان بھائیوں تک پہنچ کر خبردار کرے کہ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کل کا کام کل ہی کے عمل میں شمار ہوگا، اللہ نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے ہی راہِ راست اور رشد و ہدایت کی توفیق اس کے حبیب، آلِ اطہار، اصحابِ کبار اور تابعین ذی وقار کے طفیل نصیب ہوتی ہے، ان سب پر صلوة و سلام ہوں، یہاں کے تمام احباب کی طرف سے برادرانہ تسلیمات مطالعہ فرمائیے۔

حضرت شیخ آدم بنوریؒ کا دوسرا خط جو سید عماد، حافظ عبد اللہ اور حافظ عبد الرحمن کے نام صادر ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوة على خير خلقه محمد وآله اجمعين الاكرمين *

دینی بھائی سیادت پناہ و توفیق آثار سید عماد و حافظ عبد الرحمن، سلام فقیرانہ کے بعد مطالعہ فرما لیں کہ اس طرف کے حالات لائق حمد و شکر ہیں اور آپ بھائیوں کی سلامتی و استقامت اللہ سے مطلوب ہے۔، وہی ذاتِ پاک نخل تمنا کو بار آور کرنے والی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ آنجناب کا ایک ایک گرامی نامہ جو اخلاص کی دولت سے پر تھا ”بارہہ“ سے اور دوسرا خط محترم حافظین (حافظ عبد اللہ و حافظ عبد الرحمن) کا لکھا ہوا اکبر آباد سے موصول ہوا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ آپ حضرات صحت و سلامتی سے ہیں اور فقیروں کی یاد سے غافل نہیں، بہر حال اُمیدوار ہوں کہ اس اخلاص کا نتیجہ سعادتِ دارین کی صورت میں نمودار ہو (اللہ کے فضل و احسان سے) اے بھائی! وقت ایک چلتا دھارا ہے، گریہ وزاری اور صدقِ دل سے دعاؤں میں کوشش کرنی چاہئے تاکہ حق سبحانہ و تعالیٰ بقیہ زندگی اس دارِ فانی میں ضائع کرنے سے بچائے۔

دل کی صفائی

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ سید عبد اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شروع میں جب میں شیخ آدم رحمہ اللہ کی خدمت میں پہنچا، میرا قلب نسبتِ روحانی سے بالکل خالی ہو گیا اور دلِ جمعی میں فتور ظاہر ہونے لگا، میں پریشان ہوا اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا: پہلی نسبت سرکہ کا حکم رکھتی ہے اور جو جمعیتِ قلب ہماری صحبت میں پاؤ گے، اس کی مثال گلاب کی سی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر بوتل میں سرکہ ہو اور اس میں گلاب ڈالنے کا ارادہ کیا جائے تو سب سے پہلے بوتل کو خوب صاف کیا جاتا ہے تاکہ سرکہ کا ذرا بھی اثر باقی نہ رہے، تب وہ بوتل گلاب کے قابل بنتی ہے۔

امتحان

حضرت والد صاحب شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کی اولاد میں سے کسی ایک بزرگ سے نقل فرماتے تھے کہ سید عبد اللہ شیخ آدم کے یہاں قیام کے دوران، ایک دن کسی درخت کے نیچے پورے اطمینان قلب کے ساتھ آنکھیں بند کئے تلاوت قرآن میں مشغول تھے، اسی اثناء میں بہت سی چڑیاں درخت سے گر کر مرتی رہیں، اور جو لوگ ماوراء النہر سے حضرت شیخ کی بیعت کے لئے آئے ہوئے تھے، ذوقِ سماع سے وجد میں آگئے، کسی نے حضرت شیخ آدم کو اس صورتِ حال سے مطلع کیا، آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ حافظ! اب بس بھی کرو۔

حافظ نے آنکھ کھولی، انکساری کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور چپ سادھ لی۔

حضرت والد گرامی فرماتے تھے کہ سید صاحب جب بھی قرآن پڑھتے، مسجد میں کوئی شخص ایسا نہ ہوتا جو ان کی قرأت سن کر ذوقِ سماع سے سر نہ دھن رہا ہو۔

ایک مرتبہ داراشکوہ نے ۹ نو قاری ان کے امتحان کے لئے بھیجے، ہر ایک مختلف قواعد مثلاً وقف، مد، پُر باریک، ادغام وغیرہ میں امتحان لینا چاہتا تھا اور حضرت حافظ صاحب سے ان قواعد کے ساتھ قرأت کی استدعا کر رہا تھا۔

سید صاحب نے فرمایا: اگر دور کو عسنا چاہتے ہو تو ابھی سنائے دیتا ہوں اور اگر تھوڑا سا انتظار کر لو تو نمازِ چاشت کے بعد دو پارے سنا دوں گا۔

چنانچہ یہ حضرات رک گئے، مگر ان دو پاروں کی قرأت میں کوئی غلطی نہ پاسکے، فراغت کے بعد حضرت حافظ صاحب نے فرمایا کہ لوگ سات قرأتوں کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہر لفظ کو مختلف قرأتوں کے طریقہ سے ادا کرتے ہیں، مگر یہ طریقہ میرے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا، میرے خیال میں بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک بار طریقِ عاصم کو فی پر تلاوت کی جائے کہ دوسرے کسی کا طریقہ بھی اس قرأت میں مخلوط نہ ہو اور دوسری بار تمام قرآن کو ابو عمرو کے طریق

پر پڑھا جائے اور اس میں دوسروں کی قرأت کو نہ ملا یا جائے اور اسی طریق پر باقی تمام قرأتوں کی تکمیل کی جائے۔ یہ سن کر ممتحن قاری عاجز آ گئے۔

کشف و کرامت کے سر پر جوتے

فرمایا کہ میں نے یہ نکتہ حضرت حافظ صاحب سے کئی بار سنا کہ ”کشف بر سر کشف“ (کشف و کرامت کے سر پر جوتے) یعنی صوفیاء کے نزدیک استقامت معتبر ہے نہ کہ کرامت۔

قبلہ والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت حافظ صاحب کا طریقہ تنہائی و گمنامی تھا، لوگوں میں اس طرح گھل مل کر رہتے تھے کہ کوئی انہیں کسی خصوصیت سے الگ نہیں کر سکتا تھا، وہ اکثر بوڑھی یا بیوہ عورتوں کے دروازوں پر چکر لگا یا کرتے تھے تاکہ انہیں پانی، اناج وغیرہ ضروریاتِ خانگی بازار سے لا کر دے سکیں، بسا اوقات ضعیف خادما میں اپنے آقاؤں کا سامان لینے آتیں تو حضرت حافظ صاحب ان کی یہ خدمت اپنے ذمے لیکر منزل مقصود تک پہنچا آتے اور ساتھ ہی کہتے کہ آقاؤں سے مت کہنا تاکہ وہ تمہیں ایذا نہ دے سکیں، الغرض باوجود اس گمنامی اور انکساری کے شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کے صحبت یافتگان جیسے شیخ عبداللہ کوہاٹی جن کا لقب حاجی بہادر تھا، شیخ بایزید اور اس قسم کے دوسرے لوگ حضرت سید کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔

جانوروں سے کیا پردہ

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ سید عبداللہ سنایا کرتے تھے کہ طلب کے ابتدائی ایام میں میں ایک مجذوب کی خدمت میں پہنچا، جو ہمیشہ بازاروں میں ننگے پھرا کرتے تھے جب مجھے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے، میں بھی ان کے پیچھے تیز چلنے لگا، جب قصبہ سے باہر آئے تو وہاں ایک بڑھیا لکڑیاں چن رہی تھی، مجذوب نے اس کا دوپٹہ لے کر تن ڈھانپ لیا اور میری طرف متوجہ ہو کر کہا: السلام علیکم! پھر کہنے لگے کہ اس وقت میں ننگا تھا اور تم سے حیا آرہی تھی، مگر تم نے

میرا تعاقب کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا: میں جانتا تھا کہ آپ کی عادت ہی کچھ ایسی ہے، فرمانے لگے: قصبے والے جانور ہیں:

اولئک کالانعام بل هم اضل * (الانعام ۱۸۹)

جانور ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔

اس لئے ان سے پردہ نہیں کرتا مگر جب کوئی اہل دل آجاتا ہے تو پابند ہو جاتا ہوں۔

رکاوٹ نہیں، حکمت

فرمایا کہ سید عبد اللہ فرماتے تھے: کہ جب شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ نے حج کا ارادہ کیا تو میں نے بھیہمراہ چلنا چاہا، آپ نے مجھے جانے سے روک دیا، روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کیا کہ اہل وعیال والے تو ہمراہ جا رہے ہیں، اور فقیر جو غیر شادی شدہ اور نان و نفقہ سے آزاد ہے اسے محروم کیا جا رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ تمہارا اٹھہرانا حکمت پر مبنی ہے جو تمہیں بعد میں معلوم ہو جائے گی، اب معلوم ہوا کہ وہ حکمت تمہاری تربیت تھی۔

بڑوں کی دعاء

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ سید عبد اللہ سنایا کرتے تھے کہ جب بچپن میں تم (شاہ عبد الرحیم رحمہ اللہ) بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے تو ہم اپنے دل میں تمہارے لئے کشش محسوس کرتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے: بارِ خدا! اس بچے کو زمرۂ اولیاء میں شریک کر اور اس کے کمالات میرے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہنچا، الحمد للہ! میری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

خدمت کے حقوق

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سید عبد اللہ مجھ سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، اگر میں خدمت کرنا چاہتا تو کسی بہانے باز رکھنے کی کوشش کرتے، ان کی اس روش سے ایک رات

میرے دل میں وسوسہ پیدا ہوا، چنانچہ اس خیال کے اظہار کی خاطر ان کے حجرے میں چلا گیا، گرمی کا وقت تھا کپڑے بدن سے اُتار رکھے تھے، مجھے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا اور فرمایا: میرے جسم کی میل کھرچ لو۔

میں انتہائی مسرت سے بدن کی میل صاف کرنے لگا، درمیان میں فرمایا پورے ہاتھ کو کیوں تکلیف دیتے ہو، یہ کام تو دو انگلیوں سے بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ میں نے دو انگلیوں سے میل صاف کرنے پر اکتفاء کی۔

پھر فرمایا: راہِ طریقت میں طالب سے خدمت لینے کی جو شرط تھی وہ میرے ساتھ پیوست ہو کر تم نے پوری کر لی ہے، آئندہ کسی بھی ایسے اندیشے کو دل میں راہِ مت دو، کیونکہ میں نے اپنی طرف سے صحبت ظاہری و باطنی کے تمام حقوق تمہیں معاف کر دیئے ہیں۔

حضرت سید صاحب ایک بزرگ سے جو شیخ آدم بنوری رحمہ اللہ کا صحبت یافتہ تھا (مصنّف کے گمان میں یہ بزرگ سید صاحب کے عم محترم یا ان کے کوئی عم زاد بھائی تھے) روایت کرتے تھے کہ سید علم اللہ مجھ سے تعلیم حاصل کیا کرتے تھے، اسی دوران انہیں طریقت کا شوق پیدا ہوا اور شیخ آدم بنوری کی خدمت میں حاضری دینے لگے، اکثر اوقات تعلیم میں حرج اور ناغہ ہونے لگا، اس بات پر میں نے انہیں بہت ٹوکا، اسی اثناء میں میری زبان سے نکلا: علم سے کورے عام فقیروں سے کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

یہ سن کر سید علم اللہ کی حالت تبدیل ہو گئی اور کہنے لگے کہ تم اور تم جیسے لوگ اگر ان کی صحبت میں آئیں تو اپنے آپ کو گونگے اور جاہل مطلق سمجھنے لگیں، میں یہ سن کر بہت تلملایا اور بھڑک اٹھا اور علم کلام کا ایک انتہائی مشکل ترین مسئلہ تلاش کر کے انہیں عاجز اور زچ کرنے کی نیت سے ان کے پاس پہنچ گیا، شیخ بہت عزت و تکریم کے ساتھ پیش آئے، میں نے اپنا اشکال ان کے سامنے پیش کیا۔

پہلے تو فرمانے لگے: یہ مسئلہ خالص علمی ہے اور فقیر عامی ہے، میں کیا جانوں! ہاں البتہ تم عالم ہو، یہ تو تم ہی سے حل کرانا چاہئے، اسی طرح ٹال مٹول کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے یقین کر لیا کہ انہیں علم لدنی (۱) کا کوئی دعویٰ نہیں اور مشکل مسئلہ میں ان کی لاعلمی مجھ پر ظاہر ہوگئی۔

اس خیال کا آنا تھا کہ ایک دم ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور بلند آواز سے فرمانے لگے کہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر مشرق و مغرب کے علماء جمع ہوں تو بھی حل نہ کر سکیں، البتہ ہم اسے حل کریں گے، پھر شگفتہ، پرتاثر تقریر شروع کی جس سے اشکال رفع ہو گیا آپ نے ایسے معارف اور نکات بیان کئے جن تک میرا فہم و شعور نہیں پہنچ سکتا تھا، اکثر باتیں میری سمجھ سے اوپر تھیں۔

میں اپنے آپ کو انکے آگے طفلِ مکتب سمجھنے لگا، جب ان کی مجلس سے اٹھا تو خیال آیا کہ ان کی سچائی ظاہر ہو چکی ہے، لہذا توبہ کر لینی چاہئے، مگر جھوٹی انا اور خواہش نفس نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ دوبارہ علم تفسیر کا ایک مشکل ترین مسئلہ ڈھونڈ کر انکے سامنے پیش کیا، اس بار بھی روزِ اول کی طرح تعظیم سے پیش آئے اور حد سے زیادہ معذرت کرنے لگے، جس سے مجھے شبہ گزرا کہ شاید اس مسئلے کے بیان سے عاجز آگئے ہیں، مگر یکدم پلٹا کھایا اور تقریر دل پذیر شروع کر دی۔

تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا، جس سے متاثر ہو کر میں نے دل ہی دل میں کہا کہ راست رو اور منصف مزاج ہیں، لیکن میرے اندر کج روی اور خامی ہے۔

چنانچہ میں نے ان کا امتحان اور آزمائش لینے سے توبہ کی اور اپنی خطا و قصور کا معترف ہو کر نیاز مندی و انکساری سے ان کی مجلس میں پہنچا، اس بار کوئی توجہ نہ فرمائی، جوتیوں میں بیٹھا، توبہ وزاری کا اظہار کرتا رہا، فرمانے لگے: تم تو صاحبِ علم ہو؟ سر کے بال کنپٹیوں سے نیچے کیوں چھوڑ رکھے ہیں؟ اور تہ بند ٹخنوں سے نیچے کیوں لٹک رہا ہے؟ حجام کو بلوایا سر منڈوا دیا اور تہ بند ٹخنوں سے اوپر کرا کے بیعت فرمایا۔

اوہ علم جو در سگاہ سے نہیں سیکھا جاتا بلکہ الہی عطیہ ہوتا ہے، کتابوں میں نہیں ہوتا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابراہیم مراد آبادی طریقہ چشتیہ کے ایک نامور بزرگ تھے، وہ کہتے تھے کہ طلب سلوک کے آغاز میں جب میں شیخ آدم بنوری کی خدمت میں پہنچا تو ان دوستوں میں سے ایک بزرگ نے میری سفارش کی کہ حضرت! یہ شخص صحیح معنوں میں طالبِ خدا ہے۔

اسی وقت مجھ پر شیخ نے ایسی نگاہ ڈالی کہ مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی، جو اب تک باقی ہے، چند روز وہاں ٹھہر کر راہِ سفر لی اور شیخ محمد صادق قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا، وہاں سے بھی بے انتہا روحانی فوائد حاصل کئے، مگر ریاضت اور تصفیہ قلب (دل کی صفائی) کے بعد معلوم ہوا کہ میری جمعیت خاطر اور للہیت کا اصل سرمایہ شیخ آدم کی اسی نگاہِ کرم سے ہے، ریاضت اور مجاہدات نے اس میں رونق و صفائی کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کیا۔

سننے میں آیا ہے کہ شیخ بایزید جو کہ اللہ گو کے لقب سے مشہور تھے مردِ سخی اور بے غرض انسان تھے، مخلوق پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور ان کا یہ وصف جگہ جگہ مشہور تھا۔

نگاہ لطف کا صدقہ

فرمایا کرتے تھے کہ ابتدائے سلوک میں جب میں حضرت شیخ آدم کی بارگاہ میں پہنچا تو دیکھا کہ تمام ارادت مندوں نے شیخ کے گھر کی خدمات اور کام کاج کو آپس میں بانٹ رکھا ہے اور کوئی خدمت بھی باقی نہیں چھوڑی، کچھ مدت میں نے انتظار کیا تو دیکھا کہ جو ارادت مند جنگل سے لکڑیاں وغیرہ لانے پر مقرر ہے بہت ہی کمزور اور لاغر ہے صحیح معنوں میں یہ خدمت سر انجام نہیں دے سکتا، میں چونکہ تنومند جوان تھا لہذا یہ کام میں نے اپنے ذمے لے لیا، ہر روز دو ڈھیر اٹھاتا تھا مگر ابھی تک یہ شرف حاصل نہیں تھا کہ شیخ کی مجلس میں باریاب ہو سکوں۔

کچھ مدت کے بعد شیخ ایک نہر پر غسل کرنے تشریف لے گئے، ارادت مند بدن کی میل اتارنے اور مالش کرنے میں مشغول ہو گئے، میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا ان سب کے بنسبت میں نے بہتر طور پر خدمت کی، جس کی بناء پر شیخ اسی وقت میری طرف متوجہ ہوئے،

ایک نگاہ نے میرا کام تمام کر دیا اور اسی نہر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا، ساتھی مجھے مردے کی طرح وہاں سے شیخ کے گھراٹھالائے، چھ ماہ بعد پھر اسی نہر پر شیخ کے بدن کی مالش میں مصروف تھا کہ ازراہ کرم پھر مجھ سے دریافت حال فرمایا، اس التفات کی کیفیت سے میں پھر بے ہوش ہو گیا، میرے پلے جو کچھ بھی ہے، وہ اسی نگاہ لطف کا صدقہ ہے جو حضرت شیخ نے دو مرتبہ مجھ پر مبذول فرمائی۔

گستاخ بھی فیض یاب

حضرت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے شیخ آدم کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہ طلب کی، فرمایا: وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے۔

یہ سن کر میرے سامنے اس شخص نے منہ بنا کر کہا: وضو تو خود ہی گناہوں کا کفارہ ہے، پھر تمہاری توجہ کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ اسکی بے ادبی سے درگزر فرماتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے، الہام ہوا کہ کیا ہم نے تمہیں اپنی مخلوق میں اس لئے رکھا ہے کہ بے ادبوں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں راہ ہدایت دکھاؤ؟ تم نے ”وید روٰن بالحسنۃ السيئة“ (برائی کے بد لے نیکی کو اختیار کرتے ہیں) پر عمل کیوں نہ کیا؟ اس پر شیخ نے کسی آدمی کو بھیجا تا کہ اسے واپس لے آئے اور بے ادبی کے باوجود اس پر خاص توجہ فرمائیں، شیخ کا قاصد اسے واپس لانے میں کامیاب نہ ہو سکا، شیخ نے قاصد سے فرمایا کہ اس کے دونوں کانوں میں اللہ کا نام پڑھو، لفظ اللہ سنتے ہی وہ بے ہوش ہو گیا تو اسے اٹھا کر شیخ کی خدمت میں لایا گیا۔

تعظیم کے مستحق

حضرت والد ماجد نے حضرت شیخ آدم رحمہ اللہ کے رفقاء سے نقل کیا کہ شیخ کی شہرت عام ہو گئی تو ان کی دھوم شہنشاہ ہند شاہجہان تک بھی جا پہنچی، شاہجہاں نے اپنے وزیر سعد اللہ خان اور ملا

عبدالکیم سیالکوٹی کو بھیجا تا کہ شیخ سے مل کر حقیقت حال کا پتہ کریں، دونوں شیخ کی خدمت میں پہنچے، شیخ اس وقت مراقبے میں تھے، یہ دونوں کافی دیر دروازہ پر بیٹھے رہے، جب شیخ حالت مراقبے سے باہر نکلے تو دونوں ان کے حجرے میں داخل ہو گئے، شیخ نے ان کی کچھ تعظیم نہ کی، یہ دیکھ کر دونوں بزرگوں کا مزاج بگڑ گیا، سعد اللہ خان نے کہا: میں تو دنیا دار ہوں، مشائخ کے نزدیک تعظیم کا مستحق نہیں، مگر مولانا عبدالکیم سیالکوٹی تو عالم دین ہیں، ان کی تعظیم ضروری ہے، شیخ نے فرمایا: حدیث میں آتا ہے:

العلماء امناء الدين ما لم يخالطوا الملوک فاذا خالطوهم فهم اللصوص *

علماء محافظ دین ہیں، جب تک کہ بادشاہوں سے دور رہیں، جب سلاطین کی بارگاہوں تک جا پہنچیں تو وہ علماء نہیں، چور ہیں۔ (۱)

پھر ان دونوں نے پوچھا: آپ کا نسب کیا ہے؟ فرمایا: سید ہوں، مگر چونکہ ہماری مائیں افغان قبائل سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے عوام کی زبان پر افغان مشہور ہو گئے ہیں، پھر پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ علم لدنی رکھتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اور اس نعمت پر اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ یہ سن کر دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور شاہ جہاں سے جا کر کہا کہ یہ ایک عامی اور متکبر فقیر ہے، جو لمبے چوڑے دعوے کرتا ہے، برادری سے اصل میں افغان ہے مگر خود کو سید بتلاتا ہے، لیکن پٹھان ہونے کے باوجود اس کے بہت لوگ معتقد ہیں، لہذا اسے چھیڑنے سے خوف ہے کہ فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، یہ سن کر شاہ جہاں بگڑ گیا، قاصد کے ہاتھ شیخ کو کہلا بھیجا کہ آپ حج کو چلے جائیں، شیخ نے انتہائی تیزی سے مکہ کا ارادہ کیا، جب سورت پہنچے تو معلوم ہوا کہ سورت کا حاکم آپ کا ارادت مند ہے۔

العلماء أمناء الرسل علی عباد الله ما لم يخالطوا السلطان ویداخلوا الدنيا فإن خالطوا السلطان وداخلوا الدنيا

فقد خانوا الرسل فاحذروهم واعتزلوهم. *جامع الأحادیث ۵/۱۲۱۰

شیخ نے کہا: تمہارے ذمہ یہ خدمت ہے کہ ہمیں جلدی سے جلدی جہاز میں سوار کرا دو، جب آپ سوار ہوئے تو بادشاہ کا حکم پہنچا کہ اس فقیر کو جلد لوٹائیے، کیونکہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس درویش کا باہر جانا میرے ملک کے لئے زوال کا باعث ہوگا۔

حاکم سورت نے معذرت لکھی کہ شاہی حکم پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ جہاز پر سوار ہو گئے، بہت ہی جلد بادشاہ قید ہوا، ادھر شیخ کی وفات مدینہ منورہ میں بتاریخ ۱۳ / شوال ۱۰۵۳ھ واقع ہوئی اور جنت البقیع میں قبہ حضرت عثمانؓ کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة

اپنی اپنی قسمت

فرمایا کرتے تھے کہ طالب نامی ایک درویش حضرت سید عبداللہ قدس سرہ کی خدمت میں رہتا تھا، وہ ہمیشہ روتا اور ہائے ہائے کا نعرہ لگاتا رہتا تھا، حضرت نے اس سے روتے رہنے کا سبب پوچھا، تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ عزیز تعلیم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغ البال اور یکسو ہوں، مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عقدے اور مخنی اسرار کھلتے جا رہے ہیں، فرمانے لگے: اس فکر و اندیشے میں مت پڑو، یہ عطائے الہی ہے، ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت تفویض ہوئی ہے، مگر وہ پھر بھی روتا رہا۔

حضرت سید نے فرمایا: تیری اصلاح یوں ہو سکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔

چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا، کبھی کبھی مجھے دیکھنے کے لئے آجایا کرتا تھا اور کہا کرتا کہ حضرت سید صاحب کے منہ سے جو بات نکل گئی، اس کا یہ اثر ہے کہ سفر میں مجھے ہمیشہ جمعیت خاطر اور سرور حاصل رہتا ہے، اور ایک جگہ ٹھہرنے میں تنگی و غمگینی رہتی ہے۔

کبھی کبھی وہ مغلوب الحال ہو جاتا، ایسی حالت میں ایک مرتبہ کسی کے گھر میں گھس گیا، انہوں نے پکڑ کر اسے تکلیف دی اور قید کر ڈالا، جس قدر بھی اس کی قید اور تکلیف بڑھتی رہی، اس کے گھر یلو نقصان میں اضافہ ہوتا رہا، اس کا ایک بیٹا مر گیا، گھوڑا لنگڑا ہو گیا، دوسرا بیٹا بیمار پڑ گیا،

جب یہ حالات پیش آئے تو وہ مکان مالک سخت نادم ہوا، تو بہ کی اور انکے ساتھ نیاز مندانہ سلوک شروع کر دیا۔

آئے ہیں وہ مزار پہ

فرمایا کرتے تھے کہ جن دنوں اورنگزیب اکبر آباد میں تھا، میں میرزا ہد ہروی محاسب لشکر سے کچھ اسباق پڑھتا تھا، اسی زمانے میں اپنے والد کے ہمراہ اکبر آباد آ گیا، سید عبداللہ بھی سید عبدالرحمن کی رفاقت کے سبب وہاں موجود تھے، وہاں انہیں ایک مرض ہو گیا اور اسی مرض میں رحمت حق سے واصل ہوئے، انہوں نے وصیت کی کہ مجھے مسکینوں کے قبرستان میں دفن کرنا تا کہ کوئی پہچان نہ سکے، چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا، میں بھی اس دن شدید بیمار تھا، جنازے کے ساتھ جانے کی سکت نہیں تھی، جب میں تندرست ہوا اور چلنے پھرنے کی طاقت پیدا ہوئی تو ایک ایسے ساتھی کے ساتھ جو ان کے جنازہ و دفن میں موجود تھا، زیارت و برکت کے لئے ان کے مزار مبارک کی طرف چل پڑا۔

یہ ان کی آخری وصیت کا کمال تھا کہ میرا ساتھی کافی غور و فکر کے باوجود ان کی قبر نہ پہچان سکا، آخر اندازے سے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا میں وہاں بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا، میری پشت کی طرف سے سید صاحب نے آواز دی کہ فقیر کی قبر ادھر ہے لیکن جو کچھ شروع کر چکے ہو اسے وہیں تمام کر لو اور اس کا ثواب اسی قبر والے کو بخشو، جلدی مت کرو جو کچھ پڑھ رہے ہو اسے انجام تک پہنچاؤ، یہ سن کر میں نے ساتھی سے کہا: اچھی طرح غور کرو، سید صاحب کی قبر وہی ہے جدھر تم نے اشارہ کیا ہے یا میری بیٹھ کے پیچھے ہے؟ سوچ کر کہنے لگا: میں غلطی پر تھا، حضرت سید کی قبر تمہارے پیچھے ہے، میں اسی سمت ہو کر بیٹھا اور قرآن پڑھنا شروع کیا، دل گرفتہ اور غمگین ہونے کے سبب اکثر مقامات پر تجوید کی رعایت نہ کر سکا، قبر سے آواز آئی کہ فلاں فلاں جگہ پر تساہل سے کام لیا ہے، قرأت کے معاملہ میں حزم و احتیاط کی ضرورت ہے۔

تذکرہ حضرت خواجہ خوردر رحمہ اللہ فرزند خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمہ اللہ

تین سبق

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ رسائل صغار (شرح عقائد سے پہلے کی کتابیں) سے لے کر شرح عقائد و حاشیہ خیالی تک ساتھ والی تمام کتابیں میں نے مخدومی بھائی ابوالرضا محمد سے پڑھیں اور دوسری کتب میرزا زاہد ہروی سے، ایک دن شرح عقائد و حاشیہ خیالی کے درس کے دوران میرے دل میں ایک اعتراض اٹھا، مخدومی ابوالرضانے اس کا جواب دیا، اس مناظرے نے طول پکڑا اور معاملہ ناراضگی و غصہ تک جا پہنچا، میں نے کتاب پڑھنا چھوڑ دی، کچھ عرصہ بعد ایک دن ہم دونوں خواجہ خوردر کی خدمت میں پہنچے، آپ نے مجھ سے پوچھا کہ خیالی کتنی ہوگئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا کہ ترک کر دی ہے۔

فرمایا: کیا سبب ہوا؟ عرض کی: نماز روزے کے ضروری احکام معلوم ہو چکے ہیں، اس سے زیادہ حاصل نہیں ہو سکتا مگر آپ نے حقیقت معلوم کرنے میں مبالغے سے کام لیا بالآخر بات ظاہر ہوگئی، تاکید سے فرمانے لگے کہ مجھ سے پڑھ لیا کرو۔

صبح سویرے کتاب لے کر خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے درس دینا شروع کیا اور میرے سابقہ اعتراض کو بہت ہی پسند کیا اور قوت استدلال کو سراہا، دوسرے تیسرے روز بھی سلسلہ یونہی چلتا رہا، چوتھے دن فرمایا کہ تمہارے جد بزرگوار شیخ رفیع الدین نے مجھے تین دن سے زیادہ سبق نہیں پڑھایا تھا، لہذا میں بھی تین اسباق سے زیادہ نہیں پڑھاؤں گا۔

پڑھئے کتاب حسن تو

پھر یوں حکایت شروع کر دی کہ آغاز جوانی میں مجھے حسن پرستی کی عادت تھی، شیخ رفیع الدین کا ایک صاحبزادہ بہت ہی خوبصورت تھا، اس کو دیکھنے کے ارادے سے گیا اور شرح لمعات بھی

ساتھ لیتا گیا تاکہ لوگ سمجھیں کہ مسائل تصوف کی تحقیق کے لئے آیا ہے، کیونکہ حضرت شیخ رفیع الدین مشکل مسائل حل کرنے میں مشہور تھے، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو خواجہ (حضرت باقی باللہ رحمہ اللہ) سے ہمارے تعلق کے سبب میرے ساتھ انتہائی مہربانی سے پیش آئے اور تعظیم بجالائے۔

جب میں نے سبق شروع کیا تو سرسری طور پر دو چار چیزیں بیان کیں، زیادہ تحقیق نہ فرمائی، اور اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے صاحبزادے کو بلا کر فرمایا کہ خواجہ کی خدمت میں رہو، یہ دیکھ کر میں شرمندہ و نادم ہوا، مگر چونکہ ایام شباب تھے، دوسرے روز بھی اسی نیت و ارادے سے جا پہنچا، پھر بھی وہی سلوک ہوا، تیسرے روز مجھ پر انتہائی ندامت غالب ہوئی، میں نے توبہ کی اور خلوص نیت کے ساتھ پہنچا، اخلاص کی تلقین فرمائی اور پہلے سے بھی زیادہ التفات دکھایا، اس روز نکات تصوف پر خوب زور دار تحقیقی تقریر فرمائی اور اس لڑکے کی طرف کوئی توجہ نہ کی، جب سبق سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اگر تمہاری غرض اس فن کی تحقیق سے ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ ہر روز قیام گاہ پر حاضر ہوتا رہوں، کیونکہ آپ کا یہاں تشریف لانا میرے لئے بے ادبی کے مترادف ہے، میں نے عرض کی: مجھے آپ آنے کی اجازت نہیں دے رہے، اور آپ کی تکلیف کے لئے میں تیار نہیں، لہذا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کام کو بند رکھنا چاہتے ہیں؟

مجھ سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ دراصل سبب کچھ اور ہے، یہ کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد فیروز شاہ میں لے آئے اور ایک مقام پر لے جا کر کہنے لگے کہ تمہیں تصوف کی ہر کتاب کا مطالعہ اس جگہ بیٹھ کر کرنا چاہئے، اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو میرا ذمہ رہا۔

اس کے بعد جب بھی مجھے کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو میں وہاں جا کر مطالعہ کرتا، وہ حل ہو جاتا، اگر ایک بالشت بھی اس جگہ سے ہٹتا تو کوئی خاص فیض نہ ہوتا۔

جب خواجہ خوردرحمہ اللہ یہ قصہ بیان کر چکے تو میں نے عرض کیا کہ تین اسباق پر اکتفاء کرنا بھی شاید کرامت کی وجہ سے تھا، آپ بھی اگر ایسا ہی تصرف فرمائیں تو کیا ہی بہتر ہو!

فرمانے لگے: یہی تو عرض کر رہا ہوں کہ اگر تمہیں بھی علمی مشکل پیش آئے اور اسے حل نہ کر سکو تو مجھے بتاؤ کہ فلاں نالائق نے میرا راستہ روک رکھا ہے۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ اس کے بعد مجھے کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا جو حل نہ کر سکا ہوں، اگرچہ میں نے تمام علوم کی تکمیل میرزا زاہد سے کی، مگر ان کے پاس پڑھنا بھی گویا نچوڑ تھا، اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ میں اول سے پڑھ رہا ہوں اور آخر سے پڑھ رہا ہوں۔

عادت جو ہو گئی تھی

فرماتے تھے کہ خواجہ خوردرحمہ ہمیشہ انگوٹھے سے انپنہتھیلپیر کچھ لکھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ اسباق اور باتوں کے درمیان بھی، ایک دن میں ان سے پوچھ بیٹھا، فرمانے لگے: یہ عمل میں ہمیشہ کرتا ہوں، مگر تیرے سوا آج تک کسی نے نہ پوچھا، پھر فرمایا: آغاز حال میں مجھے شغل استکتاب (۱) سے لگاؤ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اب بھی یہ عادت پوری کر لیا کرتا ہوں۔

بڑوں کی بڑی بات

فرمایا: ایک دن خواجہ خوردرحمہ اللہ اپنے اصحاب و احباب میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ پلنگ پر تشریف فرما تھے، جبکہ باقی لوگ چٹائی پر، اس موقع پر میں بھی خدمت میں جا پہنچا، حد سے زیادہ تعظیم و تکریم فرمائی، خود پلنگ کی پائنتی کو ہو بیٹھے اور مجھے صدر نشین بنا دیا، ہر چند میں نے معذرت چاہی مگر نہ مانے، اہل مجلس کے چہرے متغیر ہو گئے، ان کے فرزند خواجہ رحمہ اللہ

۱ یعنی اسم ذات (اللہ) کو کسی تختی یا کاغذ پر لگا تار لکھتے رہنا، یہاں تک کہ کثرت نگاہ کی وجہ سے وہ تمام سوچ اور خیالات میں جم جائے، اور تمام قوت پر غالب آجائے۔

کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجلس میں ان سے بھی زیادہ معمر اور لائق تعظیم لوگ بیٹھے ہیں، آخر ان میں کیا خصوصیت ہے جو آپ اس قدر انکساری سے پیش آرہے ہیں؟
 فرمایا: میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ تم سلوک کا مشاہدہ کر سکو اور میری طرح ان سے پیش آتے رہو، جب میں ان کے نانا حضرت شیخ رفیع الدین کے دولت خانے پر حاضری دیتا تھا تو وہ میرے ساتھ اسی طرح سلوک فرماتے تھے، حالانکہ وہ میرے استاذ تھے، میں نے ان سے فیوض حاصل کئے تھے۔

اسی طرح جب شیخ رفیع الدین ہمارے پیشوا خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی خدمت میں آتے تھے تو قریب قریب وہ بھی ان کے ساتھ یہی سلوک کرتے تھے، اگرچہ شیخ رفیع الدین حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے تھے مگر چونکہ ابتدائے سلوک میں حضرت شیخ قطب العالم سے کچھ کتابیں پڑھی تھیں اور علمی فوائد حاصل کئے تھے، لہذا ہمیں بھی یہی سلوک روارکھنا چاہئے۔

برکت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم دونوں بھائی حضرت خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان پر بھوک کا اتنا غلبہ تھا کہ ہڈی دینے کے قابل نہ تھے، اہلیہ سے پوچھا: کوئی کھانے کی چیز موجود ہے؟ انہوں نے کہا کہ کسی بچے کے لئے تھوڑا سا کھانا پکا یا ہے۔
 فرمایا: اس میں سے تھوڑا سا لے آؤ۔

چنانچہ پیالی میں بہت ہی تھوڑا کھانا لایا گیا، آپ نے ہاتھ دھوئے اور حاضرین سے کہا: آئیے مل کر کھائیں سب کو کافی ہے، سب لوگ حیرت سے تنکنے لگے، ہمیں دوسرے انداز میں دوبارہ اشارہ کیا، ہم چلے گئے اور ہم تینوں نے مل کر کھایا، یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے اور پیالی میں پھر بھی کچھ بچا رہا، جو بچے کے لئے بھیج دیا۔

فقیری یا بادشاہی؟

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک شیخ، خواجہ خوردرحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بادشاہ مجھے کسی مہم پر بھیج رہا ہے، دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور میں اسباب جنگ سے خالی ہوں، جانے سے انکار بھی نہیں کر سکتا، آپ توجہ فرمائیے کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔

حضرت نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا: کچھ نقدی و قدی پیش کرو تا کہ ہمارا دل تمہاری طرف متوجہ ہو جائے۔

اتفاقاً اس وقت اس کے پاس کچھ نہ تھا، دوستوں سے بھی اسے کچھ نہ مل سکا، کمر سے لٹکا ہوا خنجر گروی رکھ کر دس روپے حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔

آپ نے فرمایا کہ فلاں دن جنگ لڑنا، دشمن کی کثرت اور دوستوں کی قلت سے خوف نہ کھانا، گھبراہٹ کو قریب نے آنے دینا، اپنی جگہ جمے رہنا، پھر مجھ سے فرمایا کہ جب یہ تاریخ آئے تو مجھے یاد دہانی کرانا۔

لہذا وہ وقت آیا تو میں نے یاد دہانی کرائی، آپ حجرے میں اکیلے بیٹھ گئے اور مجھے دروازے پر بیٹھا دیا تا کہ کوئی شخص خلل انداز نہ ہو۔

کچھ دیر بعد خوش ہو کر باہر نکلے اور فرمایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دوست بہت ہی کم پہلے حملے میں دوستوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، مگر وہ عزیز شکست سے گھبرایا نہیں اور نہ ہی اپنی جگہ سے اکھڑا، ہم بھی اسی حالت میں وہاں پہنچ گئے، الحمد للہ فتح نصیب ہوئی، دشمن کافی تعداد میں قتل ہوئے اور باقی ماندہ لشکر نے شکست و پساپی کو غنیمت جانا۔

کافی عرصہ بعد اس عزیز کا عریضہ پہنچا، جس میں یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہوا تھا، بطور نذرانہ اسنے بہت سامال بھیجا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔

تمام علوم سے فارغ

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ محلہ ”کوشک نر“ کے آدمی نے حضرت خواجہ خورد کی خدمت میں التماس کیا کہ توجہ فرمائیے تاکہ حصول علم سے جلد فراغت نصیب ہو۔ فرمایا: ہم جواب دیں گے، جب گھر واپس آئے تو ایک آدمی کے ہاتھ اسکو رقعہ بھجوا یا جسمیں لکھا کہ ”کل انشاء اللہ تمام علوم سے فارغ ہو جاؤ گے“ یہ خوش خبری سن کر اسے بڑی حیرت ہوئی، دوسری صبح سوتے ہوئے بغیر کسی ظاہری سبب کے اسکا انتقال ہو گیا۔

کسی نے حضرت والد سے سوال کیا: لوگوں میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ خواجہ خورد رحمہ اللہ شراب خوری کے مرتکب ہوئے، یہ کیا قصہ ہے؟

فرمایا: کم سنی میں حضرت خواجہ کو کوئی خطرناک مرض ہوا تھا، طبیبوں نے بالاتفاق علاج کیلئے شراب تجویز کی، علماء نے بھی نزاکت حال کے پیش نظر جواز کا فتویٰ دیا، مگر خواجہ خورد رحمہ اللہ ان تمام رعایتوں کے باوجود شراب کے استعمال پر آمادہ نہ ہوئے، پھر خواجہ حسام الدین نے اس بارے میں انتہائی اصرار اور مبالغہ سے کام لے کر انہیں بطور دوا شراب پینے پر مجبور کر دیا۔ شراب کا قصہ تو بس اتنا سا ہے، مگر جاہلوں نے خواجہ خورد پر تہمتوں کے ڈھیر لگا دیئے اور غلط رنگ چڑھا دیا، ایسے موقع پر اجازت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے اس کو شرعی کوتاہی سمجھا۔

یار خاں اور غیر

فرمایا: ایک دن بہمن یار خاں بہترین لباس پہن کر حضرت خواجہ خورد رحمہ اللہ کی خدمت میں آئے، اس وقت حضرت کے گھر میں کوئی فرش (قالین وغیرہ) نہیں تھا، لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، بہمن یار خاں بھی زمین پر بیٹھ گیا، حاضرین میں سے کوئی شخص اٹھا اور خواجہ کے

کان میں کہا کہ یہ بہمن یارخاں ہے، اسکی تعظیم کرنی چاہئے، حضرت نے باوا فرمایا: اگر یار ہے تو محتاج تعظیم نہیں اور غیر ہے تو لائق تعظیم نہیں، یہ سن کر بہمن یارخان بہت محفوظ ہوا۔

ذرا اسکی خبر لینا

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ خواجہ کے خدام میں سے ایک نے شراب پی رکھی تھی، میں اس سے جھگڑ پڑا، بات ناراضگی تک جا پہنچی، میں نے ارادہ کر لیا کہ دوبارہ ادھر کبھی نہیں جاؤں گا، دو تین روز بعد خواجہ خور درحمہ اللہ خود تشریف لائے اور میرے دروازہ پر آ کر کسی بڑھیا سے میرا پتا معلوم کیا، اس نے کہا کہ سور ہے ہیں۔

فرمایا: جب بیدار ہوں تو انہیں کہہ دینا کہ خور دتمہیں ڈھونڈ رہا ہے اور مسجد جبوط میں سویا ہوا ہے، ذرا اس کی بھی خبر لے لینا۔

میں جب بیدار ہوا، بڑھیا نے مجھے اطلاع دی، فوراً اس مسجد میں پہنچا، حضرت خواجہ اپنی دستار سر کے نیچے رکھ کر سو رہے تھے، جب ظہر کی اذان ہوئی تو بیدار ہوئے اور میرے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آئے اور دیر تک خیر و عافیت پوچھتے رہے۔

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خور د اور خواجہ کلاں دونوں کم سن تھے کہ حضرت خواجہ محمد باقی وفات پا گئے، جب یہ دونوں صاحبزادے سن بلوغ کو پہنچے تو حضرت شیخ سرہندی رحمہ اللہ کے پاس گئے اور بہت دن وہاں مقیم رہے۔

خواجہ کلاں کے حالات تو معلوم نہیں ہو سکے، البتہ خواجہ خور د نے حضرت شیخ سرہندی رحمہ اللہ سے طریقہ نقشبندیہ میں فیض حاصل کیا اور اجازت بیعت بھی پائی، وہاں سے آ کر خواجہ حسام الدین اور شیخ اللہ داد (خلفائے خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ) سے بھی رشد و ہدایت اور فیوض روحانی میں کمال حاصل کیا۔

ہے دیوانگی سے کام

خواجہ حسام الدین بچپن میں امراء میں شمار ہوتے تھے اور ان کے والد اپنے وقت کے امیر الامراء تھے، جب یہ خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ کی صحبت میں پہنچے اور جذب و طریقہ نے ان میں تاثیر دکھائی تو انہوں نے سب ترک کر دیا، اور تمام دنیاوی کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا، مگر جب ان کے عزیزوں نے انہیں فقیرانہ بھیس میں دیکھنا پسند نہ کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو دیوانہ ظاہر کیا اور برسر عام گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر اپنے کپڑوں کو اس سے آلودہ کرنے لگے، یہ دیکھ کر عزیز واقرباء نے ان سے ہاتھ دھولے۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمہ اللہ کی اولاد اور ان کے مریدین کا اکرام اور ان کے طریق تصوف اور اشغال و اوراد کچھس قدر رعایت و پابندی ان دو بزرگوں (خواجہ حسام الدین و خواجہ اللہ داد) کے دل میں پائی جاتی تھی کسی عقیدت مند میں بہت کم دیکھی گئی۔

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ نوجوانی میں خواجہ خوردد دعوت اسماء کے شغل میں مشغول تھے کہ جنات نے مزاحمت کی، یہاں تک کہ خواجہ کے جسم میں حلول کر گئے، جس سے خواجہ بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے، خواجہ حسام الدین اتفاق سے وہاں پہنچے، کچھ دیر ان پر توجہ ڈالی، خدا کے فضل سے افاقہ ہو گیا۔

جلادے دفتر تمام

شیخ اللہ داد پہلے بہت سے ہم عصر بزرگوں کی خدمت میں پہنچے، اور ان سے فیض حاصل کیا، جب خواجہ محمد باقی کی بارگاہ میں آئے تو پچھلے تمام دفتر لپیٹ کر رکھ دئے اور خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے، خانقاہ کی تمام خدمات اپنے ذمہ لے لیں، خواہ ظاہری خدمات مثلاً قیام و طعام کا انتظام ہو یا باطنی خدمت مثلاً طالبان حق کی مزاج پرسی، دریافت حال اور ان پر توجہ دینا ہو۔

بجو دی اور استغراق کی کیفیت جو نسبت نقشبندیہ کا حاصل سمجھی جاتی ہے، شیخ اللہ داد میں اس قدر تھی کہ ان تمام خدمات اور مشاغل کے باوجود وہ ہر وقت اس سے پر کیف رہتے تھے۔

حضرت والد ماجد کو نقشبندیہ کی مختلف شاخوں میں سے حضرت خواجہ محمد باقی کی شاخ زیادہ پسند تھی اور اس کے ساتھ ایسی رغبت رکھتے تھے کہ دوسری شاخوں میں سے کسی کے ساتھ ایسی رغبت نہ تھی، آپ کی تمام تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت اسی شعبہ کے ذریعہ تکمیل کو پہنچی ہے۔

حضرت شیخ تاج سنہجلی کی مقبولیت

شیخ تاج سنہجلی رحمہ اللہ خواجہ محمد باقی باللہ کے اولین خلفاء میں سے ہیں اور آخر عمر میں مکہ معظمہ میں اقامت اختیار فرما کر وہیں مدفون ہوئے، آپ کی رفعت شان کا عالم یہ ہے کہ اس فقیر نے آخری دور کے مشائخ ہند میں سے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے ساتھ اہل مکہ شیخ سنہجلی رحمہ اللہ سے زیادہ عقیدت رکھتے ہوں اور شیخ تاج سے زیادہ اسکی کرامات و کمالات بیان کرتے ہوں، چنانچہ شیخ تاج سنہجلی رحمہ اللہ نے سلسلہ نقشبندیہ کی اسی محبوب ترین شاخ یعنی شعبہ باقویہ کے اشغال و عقائد کے بارے میں مستقل ایک عربی رسالہ لکھا جو افراط و تفریط سے پاک اور واضح باتوں پر مشتمل ہے۔

حضرت والد ماجد نے فارسی زبان میں اسکا ترجمہ بھی کیا تھا جسے جا بجا عبارات و اقوال سلف سے مزین کیا گیا ہے، اس فقیر (حضرت شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد کے سامنے ان دونوں رسالوں کا مطالعہ کیا، اس پر اللہ کا شکر ہے۔

ناموری سے دور

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خور درحمہ اللہ کا رہن سہن اور گذر اوقات گوشہ نشینی اور تنہائی سے عبارت تھے، ایک بزرگ عالم جن کا نام نامی محمد صالح، تھا مسجد فیروز شاہ میں

درس دیتے تھے، ان سے ہمارے شہر کے اکثر لوگ استفادہ کیا کرتے تھے، وہ حضرت خواجہ خورڈ سے بیعت ہو گئے، خواجہ نے انہیں تاکید فرمادی کہ میرے ساتھ اپنی نسبت کبھی ظاہر نہ کرنا اور صحبت بھی خلوت میں اختیار کرتے رہنا، چنانچہ یہ ہمیشہ بیگانوں کی طرح رہتے رہے، جب اپنے وطن کو جانے لگے تو عرض کیا کہ اگر لوگ پوچھیں کہ طریق فقر کس سے حاصل کیا ہے؟ تو کیا جواب دوں؟ فرمایا: اگر مجبوراً بتانا پڑے تو میرا نام بتا دینا ورنہ اظہار سے احتراز کرنا۔

عرس کا اہتمام نہیں

حضرت خواجہ خوردرحمہ اللہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا عرس کبھی کبھار کیا کرتے تھے، حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ہم نے بارہا دیکھا کہ کوئی شخص ان کے سامنے آکر کہتا ہے کہ حضرت! چاول میرے ذمے، دوسرا آکر کہہ رہا ہے: حضور! گوشت میں لاؤں گا، ایک اور آکر کہتا ہے کہ فلاں قوال کو میں لا رہا ہوں اور اسی طرح دوسرے انتظامات بھی ہو جاتے، حضرت خواجہ خوردرحمہ اللہ خود تکلف نہ فرماتے تھے۔

آخری وصیت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ خوردرحمہ اللہ نے آخری عمر میں مجھ سے فرمایا کہ مجھے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کے روضہ اقدس میں جوتے اتارنے کی جگہ میں دفن کرنا، حضرت خواجہ کی نسبت روحانی براہ راست ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مستحکم ہے، اسلئے مجھے مقبرے میں دفن نہ کرنا، میں مقام نعلین میں دفن ہونے کے لائق ہوں۔

میں نے عرض کی: آپ کی تدفین تو دوسروں کے سپرد ہوگی، مجھے اس پر کیا اختیار؟ فرمایا: میری وصیت ان کو پہنچا دینا، حضرت کی وفات کے بعد میں نے آپ کی وصیت و رثاء سے بیان کی، مگر انھوں نے کان نہ دھرا۔

تذکرہ خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادی قدس سرہ

وجود اور شہود

فرماتے تھے کہ جب اکبر آبادی میں حضرت سید عبداللہ، اللہ کو پیارے ہو گئے تو میں بہت رنجیدہ اور ملول ہوا اور کسی ایسے بزرگ کی طلب محسوس ہوئی جس کی صحبت سے کچھ فیض پاسکوں، اسی نواح میں کسی نے حضرت خلیفہ ابوالقاسم کا ذکر خیر کیا۔

چنانچہ میں حضرت خلیفہ کی خدمت گرامی میں جب پہلی بار حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ اپنے گھر کی تعمیر میں مشغول تھے اور معمار کو ہدایات دے رہے تھے، اسی دوران یہ شعر آپ کی زبان مبارک پر آیا:

ہر کر اذرہ وجود بود پیش ہر ذرہ در سجود بود

جسے ذوق و وجدان سے ذرہ بھر نعمت بھی حاصل ہے وہ کائنات کے ہر ذرہ کو لائق سجدہ سمجھے گا۔
میں نے ادنیٰ تصرف کے ساتھ اس شعر کو یوں دہرایا:

ہر کر اذرہ شہود بود پیش ہر ذرہ در سجود بود

جسے شہود باری تعالیٰ کی نعمت کا ذرا سا عرفان حاصل ہو، وہ ذرات عالم کو مسجود تصور کریگا۔

فرمانے لگے: میں نے کثرت سے صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ان میں لفظ وجود لکھا ہے، میں نے عرض کیا: فقیر نے بھی صحیح نسخوں کا مطالعہ کیا ہے، ان میں لفظ شہود پایا ہے۔

فرمانے لگے: معلوم ہوتا ہے کہ علم سے بھی بہرہ ور ہو؟ میں نے عرض کیا کہ اگر راجح حق میں یہ علم نقصان کرتا ہو تو اس سے توبہ کر لوں؟

فرمایا: علم ہر شخص کے لئے نقصان دہ نہیں اور نہ ہی ہر شخص کے لئے نافع ہے اور پھر یہ شعر پڑھا:

علم را برتن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

اگر علم جسم و تن کیلئے حاصل کیا جائے تو وہ سانپ کی مانند ہے اور اگر حصول علم کا مقصد دل کی اصلاح ہو تو وہ رفیق راہ ثابت ہوتا ہے۔

عرض کیا: کہ آپ کا روشن دل ہمارے لئے کسوٹی ہے، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا علم میرے لئے نافع ہے یا نقصان دہ؟ یہاں پہنچ کر مجلس ختم ہو گئی اور جواب میں کچھ بھی نہ فرمایا۔ دوسرے دن دل میں آیا کہ کل تعمیر مکان میں مشغول تھے، بات ادھوری رہ گئی اور زیادہ تحقیق بیان نہ کر سکے، لہذا آج پھر ان کی خدمت میں جانا چاہئے، جب میں پہنچا تو خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور فرمایا: کل میں تعمیر میں مشغول تھا، بات نامکمل رہ گئی تھی، اب کہئے کہ شعر میں لفظ شہود ہونے کی صورت میں آپ مصرعہ کا کیا معنی لیں گے؟

عرض کی: جس کسی کو بھی ذرات عالم میں حضرت حق تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا وہ لامحالہ ہر ذرہ کو سجدہ کرے گا، جبکہ لفظ وجود کی صورت میں عبارت کا مطلب ہوگا ذات باری تعالیٰ میں ڈوبا ہوا، لہذا جب وہ خود ذات میں مستغرق ہو گیا تو سجدے سے آزاد ہو گیا۔

فرمانے لگے: بعض صحیح نسخوں میں لفظ وجود بھی پایا جاتا ہے، اس صورت میں آپ اس کی کیا تاویل کریں گے؟ میں نے عرض کیا: اس صورت میں مناسب ہوگا کہ لفظ وجود وجدان (دل سے دیکھنے) کے معنی میں لیا جائے گا جو کہ شہود کے قریب قریب ہے۔

اس بات سے وہ مانوس ہوئے اور طبیعت پر شگفتگی چھا گئی، اس روز کی مجلس بڑی خوشگوار رہی، اس کے بعد میں ان کی خدمت میں مسلسل جاتا رہا اور وہ مجھ پر التفات فرماتے رہے، یہاں تک کہ کچھ پھر انے لوگ مجھ سے حسد کرنے لگے۔

واضح ہو کہ خلیفہ ابوالقاسم ملا عمر کے داماد تھے، جنہوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا اور اپنے زمانے کے معتبر علماء میں شمار ہوتے تھے، ملا عمر حضرت میر ابو العلی (سلسلہ ابوالعلائیہ کے بانی) کی خدمت میں بھی رہ چکے تھے، نیز ملا ولی محمد کے شاگرد رشید تھے، جو اپنے زمانے کے اکابر میں

سے تھے اور حضرت میر ابو العلی کے ممتاز خلفاء میں شمار ہوتے تھے، انہیں حضرت امیر ابو العلی کے خلفاء میں وہی مقام حاصل تھا، جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو حضرت شیخ نظام الدین دہلوی قدس سرہ کے خلفاء میں حاصل ہے، ملا ولی محمد بھی اکبر آباد میں مدفون ہیں۔

میر ابو العلی

معلوم ہونا چاہئے کہ میر ابو العلی اکبر آبادی آبائی سلسلے میں حسین سید تھے، آپ کا سلسلہ نسب امیر تقی الدین کرمانی تک جا پہنچتا ہے، امیر تقی الدین اور خواجہ عبید اللہ احرار کا ایک واقعہ ”رشحات“ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، امیر ابو العلی کے نہالی مورث اعلیٰ خواجہ محمد فیضی ابن خواجہ ابو الفیض ابن خواجہ عبداللہ ابن خواجہ عبید اللہ احرار ہیں۔

حضرت میر ابو العلی کے والد ماجد ابو الوفا خواجہ ابو الفیض مذکور کے نواسے تھے اور میر ابو العلی کے جد محترم میر عبدالسلام خواجہ عبداللہ ابن خواجہ عبید اللہ احرار کے نواسے تھے، اسی لحاظ سے میر ابو العلی کو دو طرف سے نسبت احرار حاصل تھی، میر ابو العلی کے والد بزرگوار اور جد امجد سمرقند سے سفر کر کے ہندوستان کے راستے مکہ معظمہ پہنچے اور وہیں انتقال ہوا۔

حضرت میر ابو العلی اسی سفر کے دوران پیدا ہوئے اور اپنے والد ماجد و جد امجد کی وفات کے بعد خواجہ فیضی (مصاحب مان سنگھ صوبیدار پورب) پرورش میں جوان ہوئے، خواجہ فیضی کی وفات کے کچھ دن بعد انھوں نے بھی مان سنگھ کے لشکر میں ملازمت اختیار کر لی۔

انہی دنوں ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ تین بزرگوں نے آکر انہیں فرمایا کہ یہ کیا روش اختیار کر رکھی ہے؟ وضع تو یہ ہے جو ہم رکھتے ہیں، ہماری وضع قطع اختیار کرو اور اگر معاش کی فکر ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اللہ نور السموات والارض ★ (النور ۲۶)

اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہیں۔

یہ کہہ کر ان میں سے ایک آدمی نے استرا لیکر ان کا سر مونڈ دیا، دوسرے نے ایک پیرا ہن پہنا دیا، تیسرے نے دستار بندھا کر نعلین پکڑادی۔

اس خواب کے بعد حضرت امیر ابو العلی کے دل میں ایک قسم کا اضطراب اور قلق پیدا ہوا، چاہا کہ ملازمت ترک کر دیں مگر مان سنگھ رکاوٹ بن گیا، یہاں تک کہ ”اذا اراد اللہ شیئا ہیا اسبابہ“ (اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتے ہیں اس کے اسباب پیدا فرمادیتے ہیں) کے تحت ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ چارونا چار یہ ملازمت سے فارغ ہو گئے اور تلاش خدا میں یکسو ہو کر لگ گئے، اسی اثناء میں حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ کے مزار کی طرف متوجہ رہنے لگے اور بارگاہ خواجہ کی عنایات اور فیوض سے بہرہ ور ہوئے۔

مروی ہے کہ میر ابو العلی کے اہل خانہ نے ان کے فرزند میر نور العلی کی بیماری کے سبب ایک روپیہ اور ایک چادر بطور نیاز خواجہ کے مزار پر بھجوائی تھی، حضرت امیر کو اس کی اطلاع نہیں تھی، ایک دن صاحب مزار کی طرف متوجہ تھے کہ مزار سے ندا آئی کہ تمہارے فرزند کی صحت کے لئے تمہارے گھر سے یہ کچھ نیاز آئی ہے اور اہل خانہ نے دوسرے فرزند کے لئے بھی التجا کی ہے، نیاز قبول اور التجا زیر غور ہے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ خواجہ کے مزار سے خطاب ہوا کہ یہ نعمت جو تمہیں عنایت ہوئی ہے، بائیس یا ایک سو تیس سال بعد بندگان خاص میں سے کسی ایک کو عنایت ہوگی (پھر بطور جملہ معترضہ حضرت شاہ عبدالرحیم نے ارشاد فرمایا) ہمارے زمانے میں یہ نعمت ہمیں عنایت ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد سید تقی الدین کرمانی مذکور کے پوتے سید جعفر کی قبر کی توجہ سے امیر ابو العلی کے دل میں اپنے عم بزرگوار امیر عبداللہ کی بیعت کا شوق اور خواہش پیدا ہوئی۔

حضرت امیر ابو العلی اگرچہ بظاہر نوکری پیشہ تھے مگر حقیقت میں ان کی ذات سے ولایت کے آثار نمایاں تھے اور طریقت میں ان کا تعلق اپنے خالو خواجہ یحییٰ کے ساتھ تھا جو حضرت خواجہ

عبید اللہ احرار کے خلیفہ و فرزند اور اپنے عم بزرگوار خواجہ عبدالحق سے مجاز تھے، حضرت امیر ابو العلیٰ طریقہ تصوف میں اسی سلسلے کے مطابق عمل فرماتے تھے مگر حقیقت میں ان کی تربیت اویسی طرز پر تھی، آپ کے ارشادات و کلمات طیبات میں سے چند یہ ہیں:

ملفوظات میر ابو العلیٰ

* نسبت روحانی کا ارتقاء بھی کشتی کی سیر کی مانند ہے، کشتی کا سوار ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ساکن (ٹھہرا ہوا) ہے، جب ساحل پر پہنچتا ہے تو سفر کٹنے کا پتہ چلتا ہے۔

* سماع اور بے خودی کا مقصد بشریت کی خراب عادات کو ختم کرنا ہوتا ہے نہ کہ ان کے ذریعے عقل و ہوش کو مغلوب کرنا، جیسا کہ غوطہ خوروں کا اصل مقصد موتیوں کا حصول ہوتا ہے نہ کہ منہ اور ناک میں پانی داخل کرنا۔

* دنیاوی کام کے دوران حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے آگہی و عرفان کے تعلق کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص مٹکے پر مٹکا سر پر رکھ کر باتوں میں مشغول ہو جائے، اس حالت میں اس کی ذہنی توجہ مٹکے کی آواز سے نہیں ہٹتی۔

* اگر کوئی شخص ہماری صحبت و مجلس میں آ کر اس مسافر کی طرح سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے جو انتہائی گرمی کے موسم میں اچانک کسی درخت کے سائے میں پہنچ کر تن بدن کی راحت محسوس کرتا ہے تو اسے ہماری صحبت مبارک ہے، ورنہ وہ دوسری جگہ چلا جائے، ہمارے ہاں کشف و کرامت کی دنیا نہیں بلکہ عالم الوندی ہے۔

* میر نور العلیٰ جس دم کے ساتھ ذکر نفی و اثبات بکثرت کرتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ جو کچھ تم نے اختیار کیا ہے یہ سلف کا طریقہ ہے، مگر اسم ذات کی ورزش دوسرے اذکار سے زیادہ مؤثر ہے، اگر کوئی شخص ان سے وصول حق کی طلب کرتا تو اس سے دریافت کرتے کہ محنت و مشقت سے حاصل کرنا چاہتے ہو یا مفت میں؟ اگر کوئی شخص پہلا طریقہ پسند کرتا تو اسے

طریقہ ذکر لکھ کر دے دیتے اور اگر دوسری خواہش (مفت میں حاصل کرنے) کا اظہار کرتا تو فرماتے: صحبت میں آیا کرو۔

* فرماتے تھے کہ جس شخص نے ہمارے سامنے آکر کچھ فیوض حاصل کر لئے، بالفرض اگر وہ دولت آباد جا کر بھی گناہ کا مرتکب ہو تو ہمارے فیض سے دور نہیں جائے گا، ہاں البتہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ آ سکتی ہے۔

.....تو ہی دوا دے

نقل ہے کہ حضرت امیر صاحب فالج کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، جسکی وجہ سے خاص طور پر طہارت اور وضو کے وقت آپ کو انتہائی تکلیف ہوتی تھی، ایک دن یہ شعر پڑھنے لگے:

دردم از یار است و درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

ہر سانس اور ہر علاج اسی دوست کا مرہون منت ہے، دل اس پر قربان اور جان بھی صدقے۔

اس شعر کی تاثیر سے آپ پر زبردست وجد طاری ہوا جس کی حرارت سے تمام اعضاء و جوارح میں کشادگی پیدا ہو گئی اور بدن کی قوت پہلی حالت پر واپس لوٹ آئی۔

فولاد شکن

حضرت امیر نے ایک آدمی کو اپنی ٹوپی عنایت فرمائی، جسے اس نے جنگ میں پہنا، اتفاق سے کسی سپاہی کا تیر اس ٹوپی کو آ کر لگا، پھل ٹیڑھا ہو گیا اور تیر گر پڑا۔

سودخور کا چراغ

ایک رات حضرت امیر نے اہل مجلس پر بھرپور توجہ ڈالی، مگر انہوں نے کچھ اثر قبول نہ کیا، آپ متعجب ہوئے، اچانک چراغ گل ہو گیا، اسی وقت مجلس میں توجہ کے آثار ظاہر ہونے لگے، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ چراغ ایک سودخور لایا تھا، واضح ہو کہ حضرت امیر جذب

وکشش کی انتہائی قوت رکھتے تھے، جب بھی کسی پر توجہ ڈالتے، وہ بے خود ہو کر مردے کی طرح کھنچا چلا آتا تھا۔

بادب جانور

منقول ہے کہ حضرت امیر کی سواری کے جانوروں میں سے ایک جانور آپ سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ ان کی مجلس میں دوسرے طالبان حق کی طرح بادب ہو کر بیٹھتا تھا، جب اہل طلب امیر کی خدمت میں پہنچتے اور ان کے رخ انور کو دیکھ کر جوش و مستی میں بے قراری کا مظاہرہ کرتے، ان کے گرنے پڑنے سے اگر اس جانور کو کوئی چوٹ ضرب یا دھول دھپہ لگ جا تا تو وہ اپنے آپ میں ہی مست بیٹھا رہتا، انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاتا، جانوروں کے اس قسم کے بے شمار قصے حضرت امیر سے روایت ہیں۔

امیر کا طریقہ تصوف

واضح رہے کہ حضرت امیر ابو العلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ تصوف شریعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور طریق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا، جادہ طریقت پر انہوں نے کسی چیز کا بھی اضافہ نہیں کیا اور اس جادہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سر مو بھی انحراف نہیں فرماتے تھے، نہ قول میں اور نہ ہی فعل میں، ان کے ابتدائی صحبت یافتگان مثلاً ملا ولی محمد وغیرہ بھی اسی روش پر کار بند تھے۔ لیکن ان کے بعد

ع

بدنام کند مرد نکونامے

نیک نام کو بدنام کرنے والے لوگ آئے جنہوں نے خواہشات نفسانی کا اتباع کیا، فاسد عقیدے اور کھوٹے اعمال کو اختیار کیا اور اللہ کے اس فرمان:

وَمَنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ (113 الصفت)

اور ان کی اولاد میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا ہے۔

حالانکہ حضرت امیر کی دستار مقدس اس خس و خاشاک سے پاک تھی اور ان کے طریقہ عالیہ کا دامن اس گندگی سے آلودہ نہیں تھا، ملاطف اللہ (جامع مقامات حضرت امیر رحمہ اللہ) نے اس بات کو زیادہ واضح طور پر بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

حضرت امیر کی مجلس میں حاضرین پر ہمیشہ وجد طاری ہوتا تھا، یوں نہیں کہ کوئی ان کی محفل میں خلاف شرع کام کرے اور مزا میر و سرود کی آواز پر رقص کرے، آپ مزا میر کو بھی خواجہ بزرگ (خواجہ معین الدین رحمہ اللہ) کے فرمان کہ ”مانہ ایں کاری کنیم نہ انکاری کنیم“ (نہ ہم اس کام کو کرتے ہیں نہ منع کرتے ہیں) کے مطابق کبھی کبھار اتفاق سے سن لیا کرتے تھے۔

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نور العلیٰ انمیر ابو العلیٰ سے زیادہ حق گو کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ان سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میر ابو العلیٰ سماع کی طرف حد سے زیادہ راغب تھے؟ فرمانے لگے: مجھے یاد نہیں کہ سوائے چند تقریبات کے انہوں نے سماع میں حصہ لیا ہو، میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ امیر ابو العلیٰ جس شخص پر بھی نگاہ فرماتے تھے یا اسے پان چبا کر دیتے تھے، وہ بے ہوش ہو جایا کرتا تھا، فرمانے لگے، ان کا چبا یا ہوا پان کئی بار استعمال کیا ہے، یہ کوئی کلیہ نہیں تھا، واضح ہو کہ حضرت والد ماجد نے میر ابو العلیٰ کی کافی صحبت اٹھائی اور ان سے کلاہ و خرقة بھی حاصل کیا تھا۔

روزی کا کفیل

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ خلیفہ ابو القاسم کو بھی میر ابو العلیٰ کی صحبت نصیب ہوئی، لیکن حصول فیض کا رابطہ اور بیعت کا شرف ولی محمد سے تھا، ایک دن میر ابو العلیٰ نے حضرت خلیفہ سے فرمایا کہ تم ہم سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ خلیفہ نے عرض کیا کہ ولی محمد کی بارگاہ بھی آپ کی بارگاہ کی مظہر ہے، اس عاجز نے ان سے علم ظاہری حاصل کیا دورانِ تعلیم ان سے سجد محبت کی تو رابطہ بیعت بھی ان کے ساتھ بہتر سمجھا، حضرت امیر نے یہ سن کر تبسم اور تحسین فرمائی۔

حضرت والد صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ ابوالقاسم پر گوشہ نشینی غالب تھی، کسی سے تعلقات نہیں رکھتے تھے، نیز ان کا طریقہ کلی طور پر توکل اور ترک کاروبار تھا، اولیاء کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے ان کی روزی کا کفیل ہوتا ہے سچ یہ ہے کہ یہ بات حضرت خلیفہ کے حق میں بالکل درست تھی، ظاہری سامان نہ رکھتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ پر لطف زندگی گزارتے تھے۔

نہ بچا بچا کے تو رکھ

ایک بار حضرت خلیفہ کے گھر میں گھی ختم ہو گیا اور کئی دن تک کہیں سے گھی میسر نہ آسکا، آپ حیران ہوئے اور بغیر گھی کے گزارہ کرتے رہے ایک دن کسی سبب سے مکان کی چھت پر تشریف لے گئے دیکھا کہ لنگر کے گھی کا ایک مٹکا کسی نے چھپا رکھا ہے، فرمایا: غیب سے روزی نہ ملنے کا سبب یہی تھا چنانچہ وہ گھی لنگر میں خرچ کیا اور اس کے بعد متواتر لنگر میں گھی آتا رہا۔

برطرفی کے احکام

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شہنشاہ عالم گیر کے زمانے میں بادشاہ کے حکم سے جب فتاویٰ عالمگیری تدوین و ترتیب اور نظر ثانی کے مراحل سے گزر رہا تھا تو کچھ کام شیخ حامد کے سپرد بھی ہوا، جو مرزا محمد زاہد کے مدرسہ میں ہمارے شریک درس تھے، یہ علمی خدمت ملنے پر وہ میرے پاس آئے کہ تم بھی میرے ساتھ اس کام میں تعاون کرو، تمہارے نام اتنا روزینہ مقرر ہو جائے گا، میں نے قبول نہ کیا، والدہ ماجدہ نے یہ قصہ سن کر انتہائی ناگواری کا اظہار کیا اور مجھے اس کام پر آمادہ کرنے کے لئے بہت مبالغے سے کام لیا، مجبور ہو کر ایک مقررہ وظیفے پر میں اس کام میں مشغول ہو گیا، حضرت خلیفہ جب اس حقیقت پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ یہ ملازمت ترک کر دو، میں نے عرض کیا کہ والدہ ماجدہ ناراض ہوتی ہیں تو فرمایا:

إذا جاء حق الله ذهب حق العباد*

جب اللہ کا حق آ گیا تو بندوں کا حق جاتا رہا۔

میں نے عرض کیا کہ دعا فرمائیے حق سبحانہ تعالیٰ بغیر کوشش کے یہ ملازمت مجھ سے چھڑا دے تاکہ والدہ کی ناراضگی سے بھی بچ جاؤں، آپ نے دعا فرمائی چنانچہ کچھ دنوں بعد بادشاہ نے تدوین فتاویٰ کے تمام ملازموں کی فہرست طلب کی اور از سر نو احکام صادر کئے، جب میرے نام پر پہنچا تو وظیفہ خواروں سے کاٹ کر لکھا کہ اگر چاہیں تو اتنی زرعی زمین ان کو دی جائے، اہلکاروں نے مجھ سے پوچھا، میں نے قبول نہ کیا اور اس نجات پر شکر بجالایا اور حمد و ثنا کی۔

برطرفی کا سبب

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن فتاویٰ عالمگیری کے مسودے پر نظر ثانی کے دوران ایک ایسی عبارت پر نظر پڑی جس میں صورت مسئلہ کو گڈ مڈ کر کے مشکل بنا دیا گیا تھا، میں نے ان کتابوں کو دیکھا جن سے یہ مسئلہ لیا گیا تھا، مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مذکور ہے، اور دونوں کی عبارت مختلف ہے، مولف نے دونوں عبارتوں کو یکجا کر دیا ہے، اس وجہ سے صورت مسئلہ کچھ سے کچھ ہو کر رہ گئی ہے، میں نے اس مقام پر ایک نوٹ لکھ دیا:

من لم يتفقہ فی الدین قد خلط فیہ ہذا غلط و صوابہ کذا *

جو دین کی سمجھ نہیں رکھتا اس نے یہاں گڑ بڑ کر دی اور صحیح یوں ہے۔

ان دنوں عالمگیری کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں حد سے زیادہ دلچسپی تھی، ملا نظام روزانہ ایک دو صفحات بادشاہ کو سناتے تھے، جبملا میرے اختلافی نوٹ پر پہنچے تو اتفاقاً نوٹ کو متن کے ساتھ ملا کر ایک ہی سانس میں پڑھ دیا، بادشاہ چونک اٹھا، اور کہا یہ عبارت کیسی ہے؟ ملا نظام نے بہانہ کرتے ہوئے کہا، اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے، کل تفصیل سے عرض کروں گا، جب گھر لوٹے تو ملا حامد پر بگڑے کہ فتاویٰ کا یہ حصہ میں نے تمہارے اعتماد پر چھوڑا تھا، تم نے مجھے بادشاہ سے شرمندہ کیا ہے، فرمائیے یہ لفظ کیا ہے؟ حامد اس وقت کچھ نہ بولے بعد میں مجھ سے ملال کا اظہار کیا، میں نے وہ کتابیں جو مسئلے کا ماخذ تھیں پیش کر کے مسئلے کا الجھاوا

اور عمارت کی گڑ بڑ کو ان پر اس انداز سے واضح کیا کہ سب کی آنکھیں کھل گئیں، اس دن کے بعد مفتیان کرام کا یہ گروہ مجھ سے حسد کرنے لگا، میری برطرفی کا اصل سبب یہ واقعہ بنا، زیادہ بہتر خدا جانتا ہے۔

اختیاری نیند

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مکان کی تعمیر میں مشغول تھے، کاریگر کی کھڑی کی ہوئی دیوار میں خامی نکال رہے تھے، میں بھی اسی دوران پہنچا، مجھے دیکھ کر خوش ہوئے، میں نے اپنے کپڑے کس لئے اور چاہا کہ گارا تیار کروں فرمانے لگے: اس سے پہلے بھی کبھی گارا تیار کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ نہیں، مگر اندازے سے ضرورت کی ہر چیز بنا سکتا ہوں، فرمانے لگے یہ کام اٹکل بچو نہیں ہو سکتا، تمہارے لئے دوسرا کام تجویز کیا ہے، ایک آدمی کو اشارہ کیا کہ چار پائی لا کر دیوار کے سایہ میں بچھا دو اور مجھے حکم دیا کہ تم دور سے آئے ہو ذرا آرام کر لو، میں تعمیل حکم میں لیٹ گیا مگر نیند کو سوں دور تھی، فرمانے لگے: درویشوں کی نیند تو اختیاری ہوتی ہے، یعنی غیر اللہ سے آنکھیں موند کر اللہ میں کھوجانا۔

اسی اثنا میں ایک دوسرا رفیق سید عبدالرسول نامی آیا، فرمانے لگے وقت پر پہنچے ہو، وہ کمر کس کر حکم کا انتظار کرنے لگا، فرمانے لگے میرا مطلب یہ ہے کہ اس چار پائی پر بیٹھ کر اس درویش کے پاؤں داب دیجئے کیونکہ یہ لمبا سفر طے کر کے آئے ہیں، بہر حال اس قسم کے الطاف کریمانہ فرماتے رہے اور ہر روز کرم و احسان میں اضافہ ہوتا رہا۔

ہم سفر چوٹی

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ کوچ کا خیال آیا، بغیر سواری، بنا زاد راہ اور اہل خانہ سے بنا رخصت لئے گھر سے نکل کر جاز کی راہ لی، راستے میں بعض مخلص ان کے ہم سفر ہونے

لگے اگر کوئی غیر شادی شدہ ہوتا تو اسکو ساتھ لیتے اور عیالدار کو یہ کہہ کر دور کر دیتے کہ ہم نے طویل سفر کا قصد کر رکھا ہے، اسی طرح حجاز پہنچے اور کافی عرصہ وہاں رہے، بہت دنوں بعد وطن کو واپس لوٹے، سفر حجاز میں آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں، مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ رفقا میں مشہور تھا کہ جب آپ گھر سے نکلے تو صرف ایک چونی پاس تھی، پورے سفر میں کہیں بھی اسے خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی، یہاں تک کہ جب واپس لوٹے تو جیب میں وہی چونی موجود تھی، جب ان سے اس کے متعلق معلوم کیا گیا تو فرمایا کہ اب تک کسی نے بھی اس بارے میں سوا نہیں کیا، جب میں گھر سے نکلا تو ایک شخص نے یہ چونی بطور نیاز پیش کی، میں نے جیب میں رکھ لی، بعد میں کہیں بھی اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، جب وہ کپڑے اتار کر میں نے نیا لباس پہنا تو ہم سفروں نے وہ چونی کپڑے میں باندھ کر محفوظ کر دی، اس کے بعد لباس بدلتا رہا اور وہ چونی باندھ کر محفوظ کی جاتی رہی، مجھے پورے سفر میں نہ اترے ہوئے لباس اور نہ اس چونی کی طرف کوئی التفات ہوا، جب گھر لوٹے تو وہ کپڑے اور چونی رفقائے سفر نے پیش کی اور یہ قصہ مشہور ہو گیا۔

فقیر ہلاک ہو گیا

حضرت خلیفہ سفر حجاز میں عموماً اپنے رفقائے جہاز کو مقامات اور کرامات اولیاء سنایا کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ اولیاء کے پانی پر چلنے اور دروازہ مقامات کو آنا فائز طے کرنے کی بات چل پڑی، جہاز کے کپتان نے ان کرامات کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ایسے جھوٹ کے طومار بہت سے سننے میں آتے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، یہ سن کر آپ کی غیرت ایمانی جاگ اٹھی اور سمندر میں چھلانگ لگا دی، یہ دیکھ کر لوگوں نے کپتان کو ملامت کی، وہ خود بھی اس پر نادم ہوا کہ میرے جھگڑے کی وجہ سے فقیر ہلاک ہو گیا، رفقائے خلیفہ بھی حضرت کی جدائی کے خیال سے غمگین ہونے لگے، عین اسی وقت حضرت خلیفہ نے بلند آواز سے کہا رنجیدہ نہ ہوں، میں خیر و

عافیت سے پانی کی سطح پر سیر کر رہا ہوں، یہ سن کر تمام اہل جہاز اور کپتان نے آئندہ درویشوں سے گستاخی کرنے سے توبہ کی، اور نیاز مندوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے، ان کے رجوع و توبہ کے بعد حضرت خلیفہ صحیح و سالم جہاز پر چڑھ آئے۔

قلندرانہ انتظام

حرین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا جسے اپنے آباء و اجداد سے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کی کلاہ مبارک ملی ہوئی تھی، جس کی برکت سے وہ شخص حرین شریفین کے نواح میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا، ایک رات حضرت غوث الاعظم کو خواب میں دیکھا، فرما رہے ہیں: کہ یہ کلاہ ابوالقاسم اکبر آبادی کو پہنچا دو۔

یہ فرمان سن کر اس کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص کا ضرور کوئی سبب ہے، چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جبہ بھی شامل کر لیا اور پوچھتے ہوئے حضرت خلیفہ کی خدمت میں جا پہنچا، اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ کے ہیں اور انہوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابوالقاسم اکبر آبادی کو دیدو۔

یہ کہہ کر تبرکات ان سامنے رکھ دیئے خلیفہ ابوالقاسم نے تبرکات قبول فرما کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، اس شخص نے کہا، یہ تبرک بہت بڑے بزرگ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں، لہذا اس کے شکرے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کر کے رؤسائے شہر کو مدعو کیا جائے، حضرت خلیفہ نے فرمایا: کل تشریف لانا ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے، آپ جس جس کو چاہیں دیجئے، دوسرے دن وہ درویش صبح صبح شہر کے دوسرے رئیسوں کے ساتھ آئے، دعوت تناول فرمائی اور فاتحہ پڑھی، فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے معلوم کیا کہ آپ تو متوکل علی اللہ ہیں، ظاہری سامان بھی کچھ نہیں رکھتے پھر یہ اتنا سارا انتظام کیونکر فرمایا؟ کہنے لگے: اس قیمتی جبہ کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں، یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے تو اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو

مکار ثابِت ہوا، ایسے تبرکات کی اس نے قدر نہ کی، آپ نے فرمایا، چپ رہو، جو تبرک تھا وہ ہم نے محفوظ کر لیا، اور سامانِ امتحان کو بیچ کر دعوتِ شکرانہ کا انتظام کر دیا، یہ سن کر وہ شخص متنبہ ہو گیا، اور اس نے تمام اہل مجلس پر ساری حقیقت کھول دی، سب نے کہا کہ الحمد للہ، تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔

اللہ ساتھ ہے

حاجی نور محمد جو حضرت سید عبداللہ اور خلیفہ ابوالقاسم دونوں کے صحبت یافتہ اور ہمارے پرانے دوست ہیں، بیان کرتے ہیں کہ حضرت خلیفہ مکہ معظمہ میں سخت قحط کے دوران مقیم تھے، کسی کو کھانے کے لئے کچھ میسر نہ تھا، ہم بارہا حضرت خلیفہ کی خدمت میں گئے تو انہیں بریانی وغیرہ لذیذ کھانے کھاتے پایا، ہمیں بھی عنایت فرماتے، ہم لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، ایک دن ہم نے پوچھ ہی لیا، مسکرا کر فرمانے لگے کہ جو اللہ اکبر آباد میں تھا، وہ یہاں بھی ہمارے ساتھ ہے۔

بے ادب

والد واجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک روز ہم حضرت خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ نہانے کی تیاری کر کے گھر سے باہر آئے ہوئے ہیں، مجھے دیکھ کر واپس گھر میں گئے اور چمچ، پیالہ، گلاب اور بتاشے لا کر میرے سامنے رکھ دئے، اور فرمایا کہ جی چاہے تو بتاشے کھا لیجئے، ورنہ گلاب میں ڈال کر شربت پی لیجئے۔

ان کے مریدوں میں سے ایک درویش نے جلدی سے کہا کہ موسم سرد ہے اس لئے بتاشے ہی مناسب رہیں گے، آپ خاموش رہے، پھر مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کیا پسند ہے؟ میں نے عرض کیا کہ شربت، فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کیا: مختصراً یہ کہ اگر بتاشوں پر اکتفا کر لوں تو آپ جو چمچ، گلاب، اور پیالہ لائے ہیں یہ چیزیں بے کار جائیں گی، جبکہ بزرگوں کا کوئی کام حکمت

سے خالی نہیں ہوتا، اور تفصیلاً یہ کہ آپ نہانے جارہے ہیں لہذا شربت سے تسکین حاصل ہوگی، ادھر فقیر بھی لمبا سفر طے کر کے آیا ہے اور خفقان کا مریض ہے، اور شربت خفقان کے لئے مفید ہوتا ہے، یہ سن کر آپ اس درویش کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم سے تو ہم نے نہ پوچھا تھا تم نے کیوں جواب دیا؟ بے ادب! تم ہماری مجلس کے لائق نہیں ہو، جاؤ نکلو!

میں نے عرض کیا کہ یہ درویش مجھے بدعادیگا، کیونکہ میری ہی وجہ سے وہ آپ کی مجلس سے محروم ہو رہا ہے، اس مرتبہ درگزر فرمائیے، اگر دوبارہ کوتاہی کرے تو آپ کو اختیار ہے، آپ نے اسے معاف کر دیا، آپ اس طرح لوگوں کو ادب سکھاتے تھے۔

شملہ کا مطلب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفہ نے جب ارادہ کیا کہ مجھے ارشاد و ہدایت میں اجازت بخشیں تو اپنے ایک انتہائی مخلص کو حکم دیا کہ کھانا تیار کراؤ، لوگوں کو دعوت پر بلایا اور فقیر کو بھی طلب کر کے دستار بندھائی، اور دُم کی مانند شملہ بھی چھوڑ دیا، میں نے عرض کیا کہ میں اس عظیم کام کا اہل نہیں ہوں اور حقوق کی ادائیگی نہیں کر سکتا، فرمانے لگے: تمہیں دوسری جگہ سے بھی اجازت حاصل ہے، سید عبداللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا تھا؟

میں نے عرض کیا کہ حضرت نے تمام خادمانہ حقوق مجھے معاف کر رکھے تھے۔

فرمایا: ہم نے بھی تمام ظاہری و باطنی حقوق معاف کر دیئے ہیں، پھر فرمایا: عذبہ (شملہ) علاقہ اور تعلق کو کہتے ہیں، اس کو پس پشت ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام تعلقات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

فقیری میں ہے آرام بہت

حضرت والد نے فرمایا: کہ حضرت خلیفہ ابوالقاسم کہا کرتے تھے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے آرام کے لئے بھی فقیری اختیار نہیں کرتے! یعنی فقیری میں خطرات اور وسوسے دور ہو جاتے

ہیں جس کی وجہ سے طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور ظاہری پریشانیوں کے باوجود سکون و اطمینان حاصل رہتا ہے۔ (متن انفاس العارفين، صفحہ نمبر ۲۷ مطبع احمدی)

وقت کی قدر

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک معمار حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں سے تھا، وہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا:

کارِ عالمِ درازی دارد ہر چہ گیرد مختصر گیرد
دنیا کے کاروبار کی کوئی انتہا نہیں، جہاں تک ممکن ہو اسے مختصر رکھو۔

نہ کر دستِ طلبِ دراز

فرمایا کہ حضرت خلیفہ کے مخلص مریدوں میں ایک درویش عبد الرسول نامی تھے، وہ اپنی صاحبزادی کے نکاح کے لئے پریشان ہوئے تو ارادہ کیا کہ بعض مالداروں سے مدد مانگیں، حضرت کے پاس آ کر کہنے لگے کہ میں دہلی جا رہا ہوں، حضرت نے رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے پہلے عبدالرحیم سے ملنا، اس کے بعد جہاں جی چاہے چلے جانا۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے میرے پاس آئے، میں نے ملتے ہی کہا کہ حضرت خلیفہ کا اصل مقصد آپ کو دولت مندوں کے دروازوں سے باز رکھنا تھا، مگر جب آپ کو پریشان دیکھا تو نہ چاہا کہ خود منع کریں، یہ سنتے ہی سید صاحب اصل حقیقت کو جان گئے اور اپنا ارادہ ترک کر دیا، جب حضرت خلیفہ تک یہ بات پہنچی تو فرمایا کہ واقعی میری غرض یہی تھی۔

تبرکات

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ حضرت خلیفہؒ مجھ سے فرماتے کہ شہر کے درویشوں کی زیارت کیا کرو، لیکن میں ٹال مٹول کرتا تھا، کیونکہ حضرت خلیفہؒ کے علاوہ مجھے کسی سے بھی رغبت نہ

تھی، ایک روز بڑی تاکید کے ساتھ حکم فرمایا، پھر میرے اندر جھک دیکھی تو ایک خادم سے فرمایا کہ ان کو شیخ عظمت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ! انہیں میرا سلام کہنا اور عرض کرنا کہ ایک درویش کو آپ کی ملاقات کے لئے بھیج رہا ہوں، شیخ عظمت اللہ مشائخ چشتیہ میں سے تھے، ہم ان کے محلے میں تو پہنچ گئے لیکن خادم ان کا مکان بھول گیا، وہاں کچھ بچے کھیل رہے تھے، میری نگاہ ایک بچے پر پڑی تو میں نے فوراً کہا کہ یہ بچہ بزرگ زادہ معلوم ہوتا ہے، اس سے پوچھ لیجئے، پوچھنے سے معلوم ہوا کہ وہ شیخ کا ہی لڑکا ہے، چنانچہ وہ ہمیں گھر لے گیا اور حضرت خلیفہ کا پیغام جناب سید تک پہنچایا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ میں بسترِ علالت پر پڑا ہوں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور خاندان کی سب عورتیں گھر میں جمع ہیں پردہ بھی نہیں ہو سکتا، اس لئے مجھے معاف رکھئے، پھر یکا یک دوسرے آدمی کو بھیجا کہ حضرت خلیفہ کے درویشوں کو بٹھائیے، اور خادموں سے چار پائی اٹھوا کر دروازے میں رکھوائی، اور فرمایا کہ میں معذور تھا مگر پھر خیال آیا کہ حضرت خلیفہ کا بھیجنا حکمت سے خالی نہ ہوگا۔

پھر مجھ سے میرے متعلق دریافت کرنے لگے، اور جانچ پڑتال کرتے رہے، میں نے اپنے جد بزرگوار شیخ عبدالعزیز شکر بار کی نسبت کو چھپائے رکھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سید صاحب کا سلسلہ حضرت شیخ تک پہنچتا ہے، اس اعتبار سے ایسی تکلیف کے وقت میں بھی وہ تو واضح اور خدمت سے باز نہ آئیں گے، جو ان کے لئے تکلیف کا باعث ہوگی، مگر انہوں نے اپنی فراست سے پہچان لیا، اور ایک علمی اشکال میرے سامنے پیش کر کے جواب کے طالب ہوئے۔

میں نے عرض کیا کہ میں فائدہ حاصل کرنے آیا ہوں نہ کہ فائدہ پہنچانے، فرمانے لگے کہ ہم یہ سوال پیش کرنے پر مامور ہیں، میں نے بروقت جیسا ظاہر و منکشف ہوا بیان کر دیا۔

جواب سن کر ان کے چہرے پر تازگی اور مسرت پھیل گئی، اپنے آپ کو چار پائی سے گرا دیا اور فرمانے لگے کہ نادانی میں مجھ سے کوتاہی سرزد ہو گئی، پھر فرمایا کہ شیخ عبدالعزیز شکر بار نے

میرے دادا صاحب کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی آپ کے پاس آئے اور اس علمی اشکال کا جواب اس طرح سے پیش کرے تو میری امانت اس تک پہنچا دینا۔ وہ امانت حضرت شیخ کے بعض تبرکات اور اجازتِ طریقہ پر مشتمل ہے، میرے دادا زندگی بھر تلاش کرتے رہے، وہ میرے والد کو وصیت فرما گئے، والد محترم بھی جستجو کرتے رہے مگر نہ پا سکے تو نوبت مجھ تک پہنچی، میں بھی عمر بھر ڈھونڈتا رہا، اب دمِ آخر ہے، اس لیاقت کا کوئی فرزند بھی نہیں کہ اس امانت کو سنبھالے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ امانت کا مالک حسن تقدیر سے خود آ گیا ہے، یہ کہہ کر عمامہ میرے سر پر باندھا، اجازتِ طریقت عنایت فرمائی، کافی مقدار میں شیرینی اور کچھ نقد نذرانہ بھی پیش فرمایا۔

واپس آیا تو حضرت خلیفہ خوش دلی سے ملے اور فرمایا کہ کامل اور بھرپور ہو کر آئے ہو، میں نے وہ سب خدمت میں پیش کر دیا، فرمانے لگے: نقد ظاہری خوشحالی کی جانب اشارہ ہے، اور عمامہ سکونِ قلب اور اجازت کی جانب، ان دونوں چیزوں میں کوئی کسی کا حصہ دار نہیں ہو سکتا۔ بعد میں آپ نے تھوڑی سی شیرینی قبول فرمائی، حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اس قصہ سے کئی کرامات کا اظہار ہوتا ہے، خاص طور پر حضرت شیخ عبدالعزیز اور حضرت خلیفہ رحمہم اللہ کی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ مفتاح العارفين جو میر محمد نعمان نقشبندیؒ کے اخلاف کی تصانیف میں سے ہے، اس کے مطابق شاہِ عظمت اللہ بدر الدینؒ ابنسید جلال قادری متوکل اکبر آبادی کے فرزند حسینی سادات میں سے تھے، ان کی جائے پیدائش و رہائش اکبر آباد تھی، مدفون بھی یہیں ہوئے، نایاب شخصیت، فقراء اور امراء سب سے الگ تھلگ رہتے، سلسلہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور عطاریہ میں لوگوں سے بیعت لیتے تھے، بہتر برس کی عمر پائی، اور ۴ ربیع الاول ۱۰۸۴ھ کو انتقال فرمایا، اور اپنے محلے میں ہی مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً*

فقراء اور مجذوبوں کے ساتھ حضرت والد ماجد کی ملاقاتیں

میاں شیخی کی روٹی

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے میں نے خواجہ بیرنگ کے ایک خلیفہ کو دیکھا، بوڑھا ہونے کے باوجود چہرے پر کمال کی تازگی اور نورانیت تھی، شیخی کے نام سے مشہور تھے، عرس منایا کرتے تھے، میں بھی بچپن میں کئی بار ان کے عرس میں شریک ہوا۔

راقم الحروف (شاہ صاحب) کہتا ہے کہ اس جلیل القدر مرد بزرگ کا نام شیخ نعمت اللہ تھا، شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے تھے، مگر شیخی کے نام سے مشہور تھے، جب شیخ نعمت اللہ خواجہ بیرنگ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے ان پر بے حد لطف و کرم فرمایا، حضرت شیخی نے ۱۰۶۷ھ میں رحلت فرمائی۔

خواجہ شیخی کے تذکرہ کے بعد حضرت والد ماجد نے لطیفہ کے انداز میں حکایت بیان فرمائی، کہ حضرت شیخیؒ ولایتی شخص تھے، بڑی سی پگڑی سر پر رکھا کرتے، اور خوب کشادہ جبہ پہنتے تھے، عرس میں تبرک کے طور پر بہت چھوٹی چھوٹی روٹی تقسیم کیا کرتے، اس پر ایک ہنس مکھ نے مزاحاً کہا: میاں شیخی! جبہ شتا ہزار منی، دستار شتا آں ونان شتائیں۔ (میاں شیخی، تمہارا جبہ ہزار منی، پگڑی ایسی تگڑی، اور روٹی اتنی چھوٹی!)

مجزوبوں کے نام

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ ایک رات میں اکبر آباد میں سر راہ جا رہا تھا کہ مجذوب جیسے ایک درویش سامنے آگئے، اور زمانے بھر کے مجذوبوں کے نام گنانے لگے کہ شام میں فلاں مجذوب ہے، روم میں فلاں، میرے دل میں آیا کہ کاش ہندوستانی مجذوبوں کا نام بھی لیتے،

میرے دل میں یہ خیال گذرا ہی تھا کہ فوراً ہندوستان کے مجذوبوں کے نام گنانے لگے، کہنے لگے کہ فلاں مجذوب بہت ہی خوب ہے (راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ رائے بھیکا مجذوب کے متعلق تھی) اور فلاں نیم مجذوب ہے، (راقم کا خیال ہے کہ یہ پیرا مجذوب کے متعلق کہا) اسی دوران میرے دل میں خیال آیا کہ کاش ہندوستان کے سالکوں کے بارے میں بھی کچھ بیان کرتے، اس خیال پر فوراً مطلع ہو کر کہنے لگے کہ اکبر آباد میں خلیفہ ابوالقاسم کا ثانی کوئی نہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا: تم کیوں کھڑے ہو؟ چلے جاؤ! اور میں وہاں سے چل پڑا۔

وہ جس حال میں رکھے

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں کسی تقریب کے سلسلے میں سوئی پت گیا تو دل میں خیال آیا کہ منو مجذوب کی زیارت بھی کر لوں، ان کے ٹھکانے پر گیا تو وہ سوئے ہوئے تھے، میری آہٹ پا کر گڈڑی لپیٹ لی، ستر ڈھانپا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، کچھ دیر تک میں یونہی بیٹھا رہا، وہ بھی خاموش رہے، بالآخر میں نے ہی بات شروع کی اور کہا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، اگر سنجیدگی سے جواب دیں تو پوچھ لوں ورنہ رہنے دوں؟ فرمایا: حتی الامکان احتیاط برتوں گا۔

میں نے کہا: کہ آخر سلوک کی منزل میں آپ کو وہ کونسا مقام حاصل ہوا ہے کہ عقل و شعور سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟ کچھ دیر سوچتے رہے پھر کہنے لگے: اگر کوئی شخص گرمی سے شرابور ہو کر آئے، اور اچانک ٹھنڈی ہوا چلنے سے اسے راحت نصیب ہو جائے تو تم اس راحت کو کن الفاظ سے تعبیر کرو گے؟ میں نے کہا کہ یہ اور اس سے بھی بہتر بہت کچھ کتنے ہی سالکوں کو حاصل ہوتا ہے، مگر ان کی عقل برقرار رہتی ہے۔

کہنے لگے: یہ فضل اور عطاء الہی ہے، جس کو جس حال میں چاہے رکھے۔

الگ دنیا کے باشندے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میرے والد کسی لمبے سفر سے آئے، ارادہ یہ تھا کہ باہر سے ہی کسی دوسرے سفر پر روانہ ہو جائیں گے، مجھے طلب فرمایا، میں زیارت کو چل پڑا، راستے میں میرا گذر ایک بارونق باغ سے ہوا، میں اس میں سیر و تفریح کرنے لگا، اس میں ایک درخت کی شاخیں زمین سے لگی ہوئی تھیں، ان شاخوں کے اندر ایک مجذوب بیٹھا ہوا تھا، مجھے دیکھتے ہی آواز دی کہ دوست ادھر آؤ، کچھ دیر ہمارے ساتھ بھی بیٹھو! میں جا کر قریب بیٹھ گیا، یہ مجذوب بظاہر مولانا قاضی کے سلسلے سے نسبت رکھتا تھا، اس نے اپنے مجاہدات اور سلوک کی باتیں شروع کر دیں، کہشروع میں میں ایک پہر سے بھی زیادہ جس دم کیا کرتا تھا، پھر کہنے لگا کہ تمہارے ساتھ فلاں کھانا ہے اس میں سے تھوڑا سا میرے لئے منگواؤ!

میں نے کھانا منگوا دیا، انہوں نے کھالیا، پھر کہنے لگے: تمہاری جیب میں اتنے پیسے ہیں مجھے ان میں سے ایک سکے کی ضرورت ہے تاکہ میں حجامت بنوا سکوں، میں نے پیسے ان کے سامنے رکھے اور چل پڑا۔

صحبت سے پاک ہو گئے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ مارواڑ کی طرف ایک مجذوب رہتے تھے، جو مسجد میں کبھی نہیں آتے تھے، کہتے تھے کہ ہم پلید ہیں، ہمیں مسجدوں میں آنا مناسب نہیں، وہ زمین داروں کا کھانا بھی نہیں کھاتا تھا، اور اس سلسلے میں ہندی میں کچھ کہا کرتا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اس کھانے میں روحانی قبض اور گھٹن ہے، جب میں اس طرف گیا تو مجھے دیکھتے ہی وہ مسجد میں چلے گئے، اور میرے ساتھ کھانا بھی تناول فرمایا، لوگوں نے معلوم کیا کہ ایسا کیوں؟ کہنے لگے: اس بزرگ کی وجہ سے میں پاک ہو گیا اور تمہارے کھانے سے قبض و گھٹن بھی جاتی رہی۔

حسین رات

فرمایا کرتے تھے کہ شرح جامی کی بحث عطف میں ایک ایسی مشکل عبارت سامنے آئی جسے فضلاء اور ذہین و خوش مزاج لوگ موضوع بنا کر دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے استعمال کیا کرتے تھے، میں نے ایک رات اس مقام کا مطالعہ کیا اور ایک اعتراض مرتب کر کے شیخ حامد کے سامنے پیش کیا، کہنے لگے کہ بالکل یہی اعتراض مجھے بھی سوجھا ہے، دوسری رات میں نے اس کا حل سوچا، اور شیخ حامد نے شرح جامی کا نسخہ منگوا کر دیکھا تو اس مقام پر یہ اعتراض لکھا ہوا تھا اور آخر میں فتأمل لکھا تھا کہ عبارت میں غور و فکر سے یہی حل نکل سکتا ہے، تیسری رات میں نے اس حل کو پھر کمزور کر دیا اور اعتراض کی تائید کی۔

بہر حال اسی بحث و مباحثہ میں آدھی رات تک مسجد جٹو میں بیٹھا مطالعہ کرتا رہتا تھا، ایک رات میں تنہا مطالعہ میں مصروف تھا کہ ایک لمبا ترنگا خوبصورت مجذوب آیا، فارسی میں بات کرتا تھا، میرے قریب آ بیٹھا اور ہنس کر کہنے لگا، استاذ! دستار کا شملہ چھوڑنا مکروہ ہے یا حرام؟ میں ان دنوں شملہ نہیں رکھتا تھا، میں نے دستار کا کونہ نیچے سے کھینچ کر شملہ نکال دیا اور بولا: بعض روایات میں سنت ہے بعض میں مستحب۔

یہ حرکت دیکھ کر وہ بہت ہنسا، اور کہنے لگا کہ کیسی حسین رات ہے، کسی طالب علم کی گردن پر سوار ہو کر اسے اس مسجد میں اتنا دوڑانا چاہئے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مجھ پر ہی نہ جھپٹ پڑے، خنجر میرے پاس تھا، اسے مضبوط پکڑ کر میں نے کہا: واقعی آج رات کتنی اچھی ہے! کسی درویش کو ذبح کر کے اس کا گوشت پوست کھانا چاہئے!

بہت ہنسا اور کہنے لگا: اے استاذ یہ کس کتاب میں پڑھا ہے کہ درویشوں کو ذبح کرنا اور ان کا کھانا حلال ہے؟ میں نے کہا: اور تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ طالب علموں پر سوار ہو کر ان کو بے ہوش کرنا مباح ہے؟ کہنے لگا: ان الفاظ سے میں مجازی (بناوٹی) معنی مراد لے رہا تھا

یعنی طالب علم کو اپنے تصرف میں لیکر دنیا کے سرد گرم سے نجات دلانی چاہئے، میں نے کہا: میں بھی مجازی معنوں میں کہہ رہا تھا، یعنی درویش کے پاک دل کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کمالات حاصل کرنے چاہئیں، کہنے لگا: مجاز کو حقیقی معنوں سے کچھ تعلق ہونا چاہئے، میرے مجاز کا تعلق ظاہر ہے، تمہارے مجاز کا حقیقت سے کیا تعلق ہے؟

میں نے کہا: منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت خاتم الانبیاءؑ کی ہڈیاں قبر مبارک سے نکال کر چھانٹ رہے ہیں، اس خواب کی ہیبت سے آپ بیدار ہو گئے، اور مشہور معبر ابن سیرینؒ کے شاگردوں میں سے ایک کے سامنے یہ خواب بیان کیا، انہوں نے کہا: مبارک اور بشارت ہو کہ تم سنت نبویؐ کو بخوبی پہچانو گے اور غلط کو صحیح سے جدا کر دو گے، یہ تعبیر میرے مجاز پر گواہ ہے۔

کہنے لگا، اگر ان تین راتوں میں تم ذکر اللہ کرتے تو آخرت کے فوائد حاصل ہوتے، اگر آرام کرتے تو تن بدن کو راحت نصیب ہوتی، مردوں کے جھگڑوں سے تمہیں کیا حاصل؟ میں نے عرض کیا: سچ کہتے ہو، مگر کیا کروں ایسی علمی تحقیقات سے اس قدر الفتنید اہو چکی ہے کہ اسے چھوڑنا ممکن نہیں۔

کہنے لگا: خوش ہو جاؤ، بے مطلب کاموں کے چھٹ جانے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔
پھر فرمایا ایک شعر لکھ لو! میں نے عرض کیا: قلم دوات ساتھ نہیں ہے۔

فرمایا: حافظے پر نقش کر لو!

کارے نساختیم و دمیدن گرفت صبح
اوج چراغ خانہ بافسانہ سوختیم

کچھ کام کرنے سکے اور صبح ہو گئی، چراغ کی بتی افسانہ گوئی کی نذر ہو گئی۔

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ اس واقعہ کے بعد مطالعہ کی طرف سے دل بچھ گیا، اور پھر کبھی طالب علموں کی طرح مطالعہ کا اتفاق نہیں ہو سکا۔

صوفیاء کا لباس

پھر ایک دفعہ میں چلا جا رہا تھا کہ ایک مجذوبہ سامنے آگئی، چپتھڑوں سے بنی ایک گدڑی اس نے اوڑھ رکھی تھی جو چراغ کی بتی کے تیل سے تر تھی، میرا راستہ روک لیا اور بلند آواز سے کہنے لگی ”یہ شخص سلسلہ نقشبندیہ کا علم بردار ہے جسے خواہش ہو اسے دیکھ لے“ میں نے کہا: مجھے زیادہ رسوا مت کرو! چنانچہ یہ سن کر وہ چلی گئی۔

راقم الحروف کا گمان ہے کہ والد صاحب نے اس روز یہ بھی فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ آج تجھے جو بھی دیکھے گا بخشا جائے گا، اسی لئے میں بازار چلا گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میرے دل میں آیا کہ صوفیاء کے لباس میں قید رہنا تکلف سے خالی نہیں، تو میں نے یہ لباس اتار دیا، سپاہیوں والا عمامہ باندھ کر کمر سے تلوار لٹکائی، گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا، ایک مجذوب سامنے آیا اور کہنے لگا: کیا کوئی شخص چاند کو پیالے سے ڈھانپ سکتا ہے؟ تجھے قسم ہے معبود ذوالجلال کی! یہ وردی اتار اور صوفیاء کا لباس پہن! اسکے بعد میں نے صوفیاء کا لباس خود پر لازم کر لیا۔

شاہ ازرائی

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ شاہ ازرائی ایک مجذوب بزرگ تھے، جو عام طور پر حاکموں کی سچ دھج میں رہتے تھے، میری دعوت قبول کرنے میں خاص دلچسپی رکھتے تھے، کبھی کبھی ایسی شاندار پوشاک پہن کر باہر نکلتے جو بادشاہوں کے علاوہ کسی کو میسر نہیں آسکتی، پھر تھوڑی ہی دیر میں لباس اتار کر ننگے ہو جاتے، ایک روز ہم مسجد جٹو میں بیٹھے ہوئے تھے، میں اٹھ کر کسی کام چلا گیا، اور گھر والوں کو مجذوب کی مہمان نوازی کے متعلق بھی کہنا بھول گیا، پندرہ دن بعد میں واپس آیا تو ان کو وہیں موجود پایا، اس عرصہ میں انہیں ایک یا دو بار سے زیادہ کھانا نہیں مل سکا، مگر اس کے باوجود ان کے بدن پر کمزوری وغیرہ کا کوئی اثر نہ تھا۔

برادر محترم ابوالرضا محمد کے حالات شروع میں بہت تنگ تھے، انہوں نے اس سلسلے میں انہیں مجذوب بزرگ سے رجوع کیا، مجذوب نے اکتالیس بار سورہ منزل پڑھنے کو کہا، اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش حالی عطا فرمادی۔

ایک مرتبہ کسی دوست کے بارے میں ان سے سفارش کی کہ تنگ دست اور کنبہ دار ہے، اس پر توجہ فرمائیے، انہیں ایک دعا پڑھنے کو کہا، جھوٹ اور جاندار کے قتل سے مکمل پرہیز کی ہدایت کی، لیکن اس نے اس دوران ایک جوں ماردی، اسی طرح ایک لڑکے کو کچھ دینے کا وعدہ کر کے بلایا اور پھر اسے کچھ بھی نہ دیا، مجذوب کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ اب تم کو دعا پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تمہیں کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

مگر اس نے چلہ پورا کیا اور آہ وزاری کے ساتھ مجذوب کی خدمت میں حاضر ہوا، مجذوب نے ایک کورا برتن طلب کیا، اس میں نقش لکھا اور پارا ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیا، اس میں سے تھوڑا سا جوڑا بنا باقی ایسے ہی رہ گیا، اس کے بعد مجذوب نے فرمایا کہ یہ شخص اس قابل ہے ہی نہیں، ورنہ شرط کے بغیر ہی مقصود حاصل ہو گیا ہوتا۔

کوئی خریدار نہیں

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ شیخ لعل کے پاس عجیب قسم کی دعائیں تھیں، ایک دن مجھ سے کہا: سماع کا شوق ہے؟ میں نے کہا: ہاں رکھتا ہوں۔

وہ ایک کنویں کے کنارے کھڑے ہو گئے، سنگریزوں پر کچھ لکھا اور ان کو وہیں ڈال دیا، عجیب و غریب سازوں کی آوازیں آنے لگیں، کبھی دعا پڑھتے تو کنویں سے بھڑنکل آتے، یہ ان کو لاٹھی سے مارتے وہ بھڑیں خالص سونا بن کر گرتیں۔

ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ زندگی کے آخری لمحات ہیں مجھ سے یہ اعمال لے لو! میں نے کہا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں، کہنے لگے: اگر تم نہیں لیتے تو دریا میں ڈالتا ہوں، کیونکہ

دوسرا کوئی اہل نظر نہیں آتا، میں نے کہا: ڈال دیجئے، چنانچہ اعمال و اوراد کی وہ تمام کتابیں انہوں نے دریا میں ڈال دیں۔

جوتی کی شان

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شہر میں ایک صالح مرد رہتے تھے، لوگوں سے لا تعلق رہ کر گزارا کرتے تھے، سعد اللہ خان کے بعض خواجہ سرا ان سے پڑھنے آتے اور ان کی خدمت کرتے، سعد اللہ خان نے ان کو اپنے پاس بلانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ہرگز نہ گئے۔ اتفاق سے میں ایک دن ان کے پاس گیا، میں ان دنوں کافیہ پڑھتا تھا، ایک خواجہ سرا نے مجھ سے منادئی کی بحث کا ایک سوال کیا، میرے ذہن میں اس کا جواب فوراً نہ آسکا جس کی وجہ سے میں غمگین ہو گیا، وہ صالح بزرگ میری پریشانی دیکھ کر اس خواجہ سرا پر ناراض ہوئے اور کہا: اس بچہ کو نہیں جانتے کہ کون ہے؟ ایک وقت آئے گا کہ اس کی جوتی تیرے آقا کے سر تک پہنچنے کو اپنی کسر شان سمجھے گی۔

تنور کے قابل

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ حاجی شاہ محمد ایک عمر رسیدہ اور سیاح بزرگ تھے، بہت سے بزرگوں سے مل چکے تھے، مزاج میں بہت گرمی تھی، میں مرض الموت میں ان کی عیادت کو گیا، میں نے کہا: آپ کا وجود مسعود تو غنیمت ہے۔

فرمانے لگے: یہ وجود تنور میں ڈالنے کے لائق ہے۔

میں نے کہا: ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ جو وجود تنور میں ڈالنے کے قابل ہو اسے تنور میں ہی ڈالا جاتا ہے، جبکہ آپ کا وجود تو اللہ کی نعمت ہے جو اس نے آپ کو عنایت کی ہے، یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

غمزے

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے شرح مواقف اور کلام و اصول کی دوسری کتابیں مرزا زاہد کو تو ال سے پڑھیں، ان کی توجہ مجھ پر اتنی زیادہ تھی کہ اگر میں کبھی کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا تو فرماتے کہ ایک دوسٹر پڑھ لیجئے تاکہ ناغہ نہ ہو۔

ایک دن بادشاہ نے ان کو بلوا بھیجا، یہ فوراً ادھر جانے لگے، چلے ہی تھے کہ میں پہنچ گیا، میں نے دروازے کے دونوں تختے مضبوطی سے تھام لئے اور کہنے لگا کہ جب تک فلاں کام پورا نہ کریں گے ہرگز جانے نہیں دوں گا۔

فرمانے لگے: تم بیٹھو، میں واپس آ کر تمہاری بات اطمینان سے سنوں گا، اس وقت دل پریشان ہے۔ میں نے کہا: جب تک کام نہیں پورا کریں گے دروازہ نہیں کھولوں گا، جب یہ اصرار دیکھا تو رک گئے اور جب تک کام پورا نہیں کر لیا قدم باہر نہ نکالا، جن لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا حیرت کی۔

رشوت کے کباب

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ مرزا محمد زاہد نے ایک دن رمضان میں میری دعوت کی، میں ان کے گھر تھا کہ مغرب کے وقت ایک کباب فروش نے کبابوں کا خانچہ ان کے سامنے لا کر رکھا کہ نیاز لایا ہوں، مرزا صاحب مسکرا کر بولے: اے عزیز! میں تمہارا استاذ ہوں نہ پیر، پھر یہ نیاز کیسی؟ البتہ کوئی ضرورت پیش آئی ہوگی سو بیان کرو! کہنے لگا: کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مرزا صاحب نے اصرار کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی دوکان راستے میں ہے مرزا صاحب کے کارکن اس کو وہاں سے اٹھا دینا چاہتے ہیں۔

مرزا صاحب نے کہا: کل کسی منصف کو بھیجوں گا تاکہ بنا ظلم و زیادتی کے تمہاری حق رسی کر دے، اور اسے جانے کا حکم دیا، کبابی کہنے لگا: یہ اتنے سارے کباب میں نے آپ کے

لئے تیار کئے تھے، اب تو وقت بھی کافی گزر گیا ہے، اس تنگ وقت میں یہ کباب بک نہیں سکیں گے، مرزا کے بچوں کا اتالیق وہاں موجود تھا مرزا نے اس سے کہا کہ ان کبابوں کی قیمت لگا کر میرے گھر سے لاد دیجئے!

اتالیق نے اٹھنی لا کر دیدی، اس فقیر (شاہ عبدالرحیم) نے مرزا کو آہستہ سے کہا کہ اس سارے معاملے میں آپ کا مقصد رشوت سے بچنا تھا وہ تو پورا نہیں ہوسکا، کیونکہ ان کبابوں کی قیمت زیادہ ہے مگر اپنی مجبوری کی وجہ سے کباب فروش اس کم قیمت پر راضی ہو گیا ہے۔
مرزا نے فوراً کباب فروش کو کہا: سچ بتا گوشت کتنے میں خریدا؟ مصالحہ جات کی قیمت کیا ہے اور تیری مزدوری کتنی بنتی ہے؟

الغرض جب حساب کیا تو ان کبابوں کی قیمت تین گنا بڑھ گئی، پوری قیمت اس کو ادا کر کے اتالیق کو طلب کیا اور اس پر بے حد بگڑے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ ہم مال حرام سے روزہ افطار کریں! یہ کہاں کی عقل مندی اور کہاں کی دوستی ہے؟

سوانح مرزا زاہد ہروی

واضح ہو کہ مرزا زاہد ہروی قاضی اسلم کے فرزند تھے، جو جہانگیر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے اور بادشاہ نے انہیں قاضی القضاة بنا دیا، وہ ملا محمد فاضل کے شاگرد تھے، ملا محمد فاضل کا وطن بدخشاں تھا، نوجوانی میں سب سے پہلے کابل میں ملا صادق حلوائی کی شاگردی اختیار کی، پھر توران جا کر ملا مرزا جان شیرازی کی صحبت اختیار کی، جو زبردست عالم، مشہور علمی مشکلات کے حل کرنے والے اور معقولات کی گتھیاں سلجھانے میں ماہر تھے، نیز حکمت کا فنملا مرزا جان شیرازی کے شاگرد اور اپنے وقت کے استاذ العلماء ملا یوسف سے حاصل کر کے لاہور میں آ کر قیام پذیر ہوئے، اور لاہور ہی میں علم تفسیر و اصول ملا جمال لاہوری سے حاصل کیا، جو عربی میں یگانہ روزگار تھے۔

اس طرح مرزا محمد زاہد ہروی تیرہ سال کی عمر میں معقول و منقول سے فارغ ہو گئے تھے، وہ سادگی و شرافت اور فہم رسا کے لحاظ سے اپنے زمانے میں بے نظیر مانے جاتے تھے، ان کی تصانیف میں سے شرح مواقف، شرح تہذیب، اور رسالہ تصور و تصدیق کے حواشی علماء و طلباء میں مشہور و مقبول ہیں، اس کے علاوہ مرزا کی تصانیف اور بھی ہیں، مثلاً ”حاشیہ شرح تجرید اور حاشیہ ہیاکل“ معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری کا کام مرزا نے اسی زمانے میں کیا جب والد گرامی ان سے یہ کتاب پڑھتے تھے اور اس کا مبیضہ (۱) کابل میں تیار ہوا کیونکہ احتساب کے عہدے سے استعفادینے کے بعد مرزا صاحب کابل میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے تھے، مرزا زاہد نے صوفیاء سے بھی کافی فیض حاصل کیا تھا، انہوں نے مشائخ عظام کی صحبت میں رہ کر طریق تصوف میں کمال حاصل کیا، نہ کہ تصوف کی کتابوں سے۔

دو تین نکتے توفیق کے دل میں پیوست ہو کر رہ گئے مثلاً وحدت الوجود کی بحث میں لکھتے ہیں:

علم اجمالی و تفصیلی

درست یہ ہے کہ لفظ وجود اپنے مصدر (پیدائش، ابتدائی معنی) کے لحاظ سے ایک ایسی حقیقت ہے جو بنا کسی خارجی امداد کے اپنے آپ ثابت ہے۔

اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے وجود ہر اس چیز کو کہا جائیگا جو خود بخود موجود ہو، جس کا وجود اپنی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہو۔

اور یہ اس لئے کہ کسی چیز کے قابل اعتبار (جسے محسوس و معلوم کیا جاسکے) اور اپنے آپ میں ثابت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس وجود کا موصوف ایسا ہو کہ اس پر وجود کے سلب (چھیننے، ختم کرنے) کا اطلاق صحیح ہو سکے، اور کسی بھی شے کے وجود کو سلب کرنے کے سلسلہ میں تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے: اول یہ کہ وجود سے جس چیز کو سلب کیا جا رہا ہے کیا وہ ماہیت وجود (وجود کا مادہ) ہے؟

(یعنی کیا وہ چیز اس وجود کی جنس سے ہے؟) دوسرے یہ کہ کیا سلب کردہ چیز وجود کا مصدری معنی ہے؟ (یعنی کیا خود بخود ثابت ہونے کی صفت و حیثیت کو ہی ختم کر دیا گیا ہے؟) تحقیق کرنے سے جب ان دونوں امور کا جواب نفی میں ملا تو تیسرا امر خود بخود ثابت ہو گیا کہ یہاں سلب کا مقصد و معنی ذات باری تعالیٰ کے موجود حقیقی ہونے کی شہادت و ادراک ہے، کیونکہ وجود اپنی قوت و حیثیت میں قائم اور اپنی ذات کے لئے واجب ہے اور محض انضمام کی وجہ سے وجود کو کسی ماہیت (مادہ) پر منحصر نہیں کہا جاسکتا، ورنہ اس کا اپنے موصوف (مادہ) سے موخر ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ جس پر انحصار کیا جائے گا وہ مقدم ہوگا) جو ظاہری طور پر غلط ہے، اور نہ ہی وجود سے ماہیت (مادہ، جنس) کے الگ ہونے کی وجہ سے اسے ماہیت پر قائم کہا جاسکتا ہے، اگر ایسا کیا جائے تو وجود اصلی سے ماہیت کو جدا کرتے وقت دوسرا متزاع لازم آسکتا ہے اور اس طرح انتزاعات کا لامتناہی سلسلہ چل سکتا ہے۔

واجب الوجود کی بحث میں ایک نفیس نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جاننا چاہئے کہ ذات واجب الوجود تعالیٰ شانہ کے لیے علم اجمالی بھی ہے اور علم تفصیلی بھی۔ علم اجمالی: سنو علم اجمالی ہی علم تفصیلی کے لیے مبداء و ماخذ ہے اور وہی اس کی ذہنی و جسمانی صورت کا خالق ہے یہی علم حقیقی ہے اور یہی صفت کمال اور عین ذات ہے، اس مسئلہ کی جو تحقیق میرے پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے الہام فرمائی ہے، سو یہ ہے کہ ممکن (ہستی) کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وجود اور فعلیت، دوسری عدم وجود اور لافعلیت۔ (۱)

اگر ممکن دوسری قسم سے متعلق ہو تو وہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ علم اس سے متعلق ہو کیونکہ دوسری قسم سے متعلق ہونے کی صورت میں تو وہ ہے ہی نہیں بلکہ معدوم محض ہے، پس جس جہت کے ساتھ علم متعلق ہو سکتا ہے وہ جہت اولیٰ ہی ہے اور اسی جہت اولیٰ کا مرجع علم ہے، کہ وجود ممکن بالکل وجود

اس پوری بحث کا لب لباب یہ ہے کہ وجود باری سے صرف ایک ہی جہت وجود و فعلیت کا تعلق ہے، عدم اور لافعلیت اس سے متعلق نہیں ہو سکتے، اس لئے علم اجمالی و تفصیلی دونوں کا محور اسی کی ذات واحد ہے۔ واللہ اعلم

واجب ہے، (اس سے ثابت ہوا کہ صفت علم ذات باری تعالیٰ سے جدا نہیں ہو سکتی وہ اس کی عین ذات کا حصہ ہے) جیسا کہ اہل تحقیق کا مسلک ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کا علم بالممکنات (وہ علم جو شعور و ہوش کا محتاج ہو) اسکے علم بذاتہ (جو شعور کا محتاج نہ ہو) میں سمو یا ہوا ہے، اس حیثیت سے کہ اس سے ممکنات اور ذات کی کوئی چیز خارج قرار نہیں پائے گی، موصوفات کے ساتھ اوصاف انتزاعی کے احوال سے بھی آپ کو اس سلسلہ میں مدد ملے گی، اوصاف انتزاعی بھی وجود رکھتی ہیں جو آثار (خارجی ذرائع) کے مرتب ہونے پر خارجی وجود کے ساتھ نظر آتی ہیں، اور انہیں انتزاعی صفات کی بنا پر موصوف اور صفات میں امتیاز قائم کیا جاتا ہے۔ (۱)

اور علم تفصیلی موجودات خارجی (حواس خمسہ سے محسوس ہو سکنے والے اجسام و اجرام) اور علوی و سفلی مراتب میں صور ذہنی (محسوس جسم نہ رکھنے والے موجودات کی خیالی صورت، چاہے وہ کسی بھی وجہ سے دماغ میں بن گئی ہو) کی علم حضوری (ہمہ وقت علم رکھنا) کو کہتے ہیں پس غور و فکر کرو کہ شاید یہ اہم مسئلہ خالی الذہن ہو کر باریک بینی سے اور زیادہ واضح ہو جائے، ہم نے اس کی کچھ مزید تفصیل تعلیقات شرح تجرید میں بیان کر دی ہے۔ (۲)

اصفات دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو موصوف سے الگ ہو جائیں تو موصوف کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا، انہیں انتزاعی صفات کہتے ہیں، یہ صفات اپنے موصوف سے جدا گانہ اور ممتاز ہو سکتی ہیں، جیسے پانی کے اندر جو ٹھنڈک ہے وہ اس کی صفت انتزاعی ہے، اگر پانی کو گرم کیا جائے تو یہ ٹھنڈک اس سے جدا ہو جائیگی، اور پانی کا وجود بھی باقی رہے گا، دوسری قسم ان صفات کی ہے جن کو موصوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا انہیں صفت واجبہ قائمہ بالذات کہتے ہیں جیسے آگ کی حرارت اس کی صفت واجبہ ہے، آگ سے اس کی یہ صفت الگ نہیں کی جاسکتی، علم، سمع و بصر وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات واجبہ ہیں، جبکہ انسان کیلئے یہ صفات انتزاعیہ ہیں، اس باریک فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علم اور کلام وغیرہ صفات کے تعلق سے موشگافیاں کیں اور گمراہی میں جا پڑے۔ واللہ اعلم

اس تفصیل کا مطلب یہ ہوا کہ علم اجمالی تو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، رہا علم تفصیل تو وہ بھی حقیقی طور پر اسی کی دسترس میں ہے، اول اس وجہ سے کہ اس کے ماخذ یعنی علم اجمالی کا مالک وہ اکیلا ہے، دوسرے اس لئے کہ علم تفصیلی کے احاطہ کا اس کے علاوہ کسی کو یا رہ نہیں۔

ارواح کے کشف اور اس قسم کے دوسرے احوال پر شاہ عبدالرحیمؒ کے واقع

فنا فی التوحید

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے باطنی آنکھ سے دیکھا کہ ایک جماعت حضرت حق تعالیٰ کو دیکھنے کا ارادہ کر کے چلی جا رہی ہے، میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں، زمین کا ایک صاف ٹکڑا آیا اور ادھر عصر کا وقت ہو گیا، ان لوگوں نے مجھے اپنا امام بنا لیا، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے جماعت کی طرف رخ کر کے کہا کہ دوستو! اس قدر سعی و کوشش کس کی تلاش میں دکھا رہے ہو؟ کہنے لگے: حق تعالیٰ کی طلب میں، میں نے کہا کہ میں ہی تو ہوں، جس کی تلاش میں تم نکلے ہو، وہ ایک دم اٹھے اور مجھ سے مصافحہ کرنے لگے۔

راقم الحروف (شاہ ولی اللہؒ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات کی حقیقت و اصلیت یہ ہے کہ یا تو ایسا واقعہ حق تعالیٰ کی اعانت سے تصرف فی الخلق (۱) کے مقام حاصل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے اور کبھی کبھار ایسا دعویٰ شیخ اس عالم میں کرتا ہے، جب وہ فنا فی التوحید ہوتا ہے۔

قیومِ عالم

جیسا کہ فرمایا کہ ایک بار تدبر و تفکر کرتے وقت میں نے تحقیق و اطمینان کی نیت سے حق سبحانہ و تعالیٰ سے اپنی ذات اور کائنات کے تعلق کو مثالی صورت میں دیکھنے کی درخواست کی، میرے اوپر ایک حالت طاری ہو گئی اور میں نے خود کو قیومِ عالم (جس پر دنیا ٹکی ہو، حاکمِ مطلق) کی صورت میں دیکھا، میں نے دیکھا کہ کائنات کے ذرے ذرے کا تعلق اور ربط میری ذات کے ساتھ اس طرح ہے کہ اگر وہ تعلق کٹ جائے تو پوری کائنات ختم ہو جائے۔

کبھی ان کو کبھی گھر کو دیکھتے ہیں

فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا گویا حق تعالیٰ میرے گھر تشریف لائے ہیں اور میں جگہ کی تنگی، سامان کی افراتفری اور بے سلیقگی کی وجہ سے جو بزرگ ہستیوں کی تشریف آوری کے وقت غیر موزوں سمجھی جاتی ہیں، شرمندہ اور نجل ہوں، اس کے باوجود ادھر سے بے انتہا لطف و کرم ہو رہا ہے، صبح اٹھتے ہی اتفاقاً میں حافظ عبداللطیف کے گھر گیا، انہوں نے مجھے اپنے گھر میں بٹھایا اور جگہ کی تنگی وغیرہ سے اظہار ندامت کرنے لگے، میں نے کہا آج رات حق تعالیٰ سبحانہ کو میں نے دیکھا اور اسی طرح شرمندہ رہا، مگر ادھر سے اظہار نوازش ہوتا رہا۔

راقم الحروف کہتا ہے یہ واقعہ بھی اس بات پر شہادت دیتا ہے کہ حضرت والد صاحب تصرف فی الخلق کے مقام پر فائز تھے، کیونکہ اس میں وہ ہستی جو حق پر دلالت کرنے والی ہے، خود حق کی صورت میں ظاہر نظر آ رہی ہے۔

حسن کو مستور کیوں دیکھوں؟

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ بعض درویشوں کے بارے میں مجھے تردید تھا کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کیا مرتبہ رکھتے ہیں، چنانچہ میں نے بہ چشم مشاہدہ ایک تجلی دیکھی، گویا حق تعالیٰ حسین صورت میں مجسم ہو کر برقعہ پوش ہیں، میرے اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ ہے، جب انکا جمال پاک مجھ پر ظاہر ہوا تو دل ہاتھ سے چلا اور مجھے اس سے بھی زیادہ قرب کی خواہش پیدا ہوئی، وہ میری اس تمنا پر مطلع ہو کر قدرے اور نزدیک ہوئے، اس پر آتش شوق بھڑک اٹھی اور قرب کی خواہش میں اضافہ ہوا، اس پر مطلع ہو کر وہ اور نزدیک آئے، اس مرحلہ پر میں برقعہ کی موجودگی سے تنگ آ گیا اور اس کے ہٹانے کی آرزو کی، تو ارشاد فرمایا کہ برقعہ تو بہت باریک ہے جو حسن مستور کو اور نمایاں کر رہا ہے، میں نے عرض کیا: پھر بھی حجاب تو ہے ہی، آخر

کارروئے مبارک سے نقاب اٹھا دی اور فرمایا کہ بعض سالکوں کو پہلا مرتبہ ملتا ہے، خواص کو دوسرا اور اخص الخواص کو تیسرا مرتبہ میسر ہے، اور فلاں فلاں کو کوئی مرتبہ حاصل نہیں۔

یک جان یک قالب

فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں انتہائی روحانی گھٹن محسوس کر رہا تھا کہ مجھ پر ایک تجلی وارد ہوئی، میں نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت زیورات اور دلکش لباس سے آراستہ ہے، وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی اور اسکے قرب سے میرے عشق کا شعلہ بھڑکنے لگا، بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک جان ہو گئی میرا وجود اس کے اندر سما گیا میں نے خود کو اس کی شکل میں محسوس کیا اور وہ تمام زیورات اور لباس میں نے اپنے اوپر موجود پائے، یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط و سرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ بھی مقام توحید^(۱) کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور گذشتہ واقعہ کی ہی ایک شاخ ہے۔

دائرے

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے بصورت کشف دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حی، علیم، سمیع اور بصیر میرے لیے روشنی پھیلانے والے دائروں مثلاً سورج اور چاند کی شکل میں مجسم ہو گئے ہیں، ایک چھپتا ہے تو دوسرا نکل آتا ہے، بار بار اسی طرح کر رہے ہیں، پھر فرمایا کہ بسیط (بے اوڑ) اگر شکل اختیار کرنا چاہے تو اس کے لیے قریب تر صورت دائرے کی ہے، اسی وجہ سے اسماء الہیہ دائروں کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ (۲)

۱ جہاں پہنچ کر بس ایک ہی وجود نظر آئے، وجود باری تعالیٰ۔ باقی سب اس میں ضم ہو جائے۔

۲ کیونکہ دائرہ بھی بے اوڑ ہوتا ہے، نہ اس کا شروع ہوتا ہے نہ خاتمہ، لہذا ایسی چیز جسے انسان دیکھ اور سمجھ سکے اور اس میں حد بندی بھی نہ ہو صرف دائرہ یعنی گولائی یا گولہ ہی ہے۔

ایک گھڑی ہزار برس

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت میں مراقبے میں تھا کہ غیبت کی کیفیت طاری ہوگئی، میرے لئے اس وقت کو چالیس ہزار برس کے برابر وسیع کر دیا گیا اور اس مدت میں روز اول سے روز قیامت تک پیدا ہونے والی مخلوق کے حالات ظاہر کر دئے گئے۔^(۱) راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کا گمان ہے کہ آپ نے یہ کلمات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے حروف کا فاصلہ اتنے ہزار برس کا ہے۔ واللہ اعلم

ہیں رنگ الگ الگ

حضرت والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دو آدمی دکھائے گئے، ایک ذکر حق میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ دوسری طرف نہ کوئی توجہ تھی نہ ہوش تھا، دوسرا اس سے بھی زیادہ کامل لیکن وہ ذکر اللہ کے ساتھ تمام کائنات پر نظر بھی رکھتا تھا اور اپنا شعور بھی، اور ظاہری و باطنی آداب سے بھی کمال درجہ مزین تھا، یہ دیکھ کر میرے دل میں الہام ہوا کہ پہلا ذات حق میں فانی ہے اور دوسرے کا مقام آیت کریمہ: فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰٓةً طَيِّبَةً* (نحل ۹۷) (ہم ایسے مردان حق آگاہ کو پاکیزہ زندگی عطا فرماتے ہیں) کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔ یعنی احوال الگ الگ ہونے کے باوجود دونوں مقبول بارگاہ ہیں۔

جو مجھ میں فنا ہے

والد گرامی فرماتے تھے کہ ایک وقت فنا کے کلی اور غیبت تامہ میسر ہوئی تو دیکھا کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ میرے فلاں بندے کو ڈھونڈ لاؤ! چنانچہ زمین میں تلاش کیا، نہ پایا، آسمان چھان مارے، نہ ملا، بہشت میں تلاش کیا، نہ دکھائی دیا، تو حق سبحانہ تعالیٰ نے فرشتوں

ایسی حالت جس میں اپنے آپ اور آس پاس سے بے خبر ہو جائے، صرف اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا استحضار ہے۔

سے خطاب کیا: جو بھی مجھ میں فنا ہو، وہ نہ آسمان میں ملے گا نہ زمینوں میں پایا جاسکے گا اور نہ ہی بہشت میں دکھائی دیگا۔

اولیاء کی جنت

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک رات میں نے بہشت کو دیکھا گویا عین اس کے درمیان میں کھڑا ہوں اور اس کی حوروں اور محلات کو بخوبی دیکھ رہا ہوں، اس وقت دل میں آیا کہ ہم نے تو حور و قصور کو دل سے نکال دیا تھا اور یکسو ہو کر حضرت حق تعالیٰ کی طلب میں لگے رہتے تھے، یہ کیا ہوا کہ یہاں حور و قصور سامنے ہیں مگر مقصود حقیقی نہیں مل رہا، اسی وقت مجھ پر وجد اور گریہ طاری ہوا، وہاں کے لوگ آ آ کر مجھے اپنی آستینوں اور دامنوں میں چھپانے لگے اور کہنے لگے یہ تو مستی و شادمانی کی جگہ ہے نہ کہ گریہ و غم کی، میں نے ان کے دامن جھٹک دیئے اور منہ پھیر لیا۔

آخر کار انہوں نے کہا کہ تجھے اپنے معبود و مقصود کی قسم ہے بتا کہ تیرے رونے کا سبب کیا ہے؟ ان کی بات سن کر میں پریشان ہوا اور اسرار و رموز کی کچھ باتیں انہیں بتائیں، اسی وقت مولائے مہربان نے الہام فرمایا کہ کیا تم نے ہماری کتاب میں یہ نہیں پڑھا:

كانت لهم جنت الفردوس نزلًا* (کہف ۱۰۷) ان کی میزبانی کے لیے فردوس کے باغ ہیں۔

نزل اس آسن کو کہتے ہیں جو مہمان کے آتے ہی فوری طور پر بچھایا جاتا ہے، تاکہ وہ اس پر بیٹھ جائے، اسکے بعد اسکی ضیافت کا انتظام کیا جاتا ہے، تم اس قدر گریہ و زاری کیوں کر رہے ہو؟

عتاب و عنایت

سید نور نے بیان کیا کہ ایک رات میں بیٹھا ہوا تھا اور حضوری میں مشغول تھا کہ اسی دوران اندھیرے میں سیاہ رنگ کا ایک ہیولا ظاہر ہوا، میں نے سوچا کہ یہ کوئی جن ہے، اور مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے، میں پوری قوت کیساتھ اس کی جانب متوجہ ہوا اور اسے ہلاک کر دینے کا ارادہ

کیا، لیکن وہ اس سے بھی زیادہ تیزی کیساتھ میری طرف آیا اور میرے دل کو اپنے قابو میں کر لیا اور مجھ کو فسق و فجور اور عقائد اسلامیہ میں شک کی دعوت دینے لگا، میں نے حضرت سے التجا کی، آپ نے بار بار میرے حال پر توجہ ڈالی، تو یہ الہام ہوا، للعثق حالات عجیبة وغریبة وطریقة مخسوفة وعظیمة (عشق کے حالات عجیب و غریب اور اس کا جادہ دشوار گزار ہے)

ما پروریم دشمن ویامی کشیم دوست جرات کسے کہ جرح کند در قضائے ما

(ہم دشمنوں کو پرورش کریں یا دوست کو قتل، ہمارے فیصلے میں لب کشائی کی ہمت کس کو ہے؟)

کبھی ہم التفات کے ساتھ معتوب کرتے ہیں اور کبھی عنایات کرتے ہیں، یہ نہ کریں تو عشق کے لوازم پورے نہ ہوں، اور وہ نہ کریں تو زندگی ختم ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مالک ہیں جو چاہیں کریں۔

یہ بھی الہام ہوا کہ اس مصیبت سے چھٹکارہ پانے کے لئے یہ دعا پڑھیں ”یا لطیف ادرکنی بلطفک الخفی“ (یا لطیف مجھے اپنے لطف خفی سے نواز دیجئے) اور اسی کے ساتھ درود پاک کی کثرت کریں۔

فاصلے حجاب نہیں

اس فقیر نے حضرت والد ماجد کے خادم شیخ فقیر اللہ سے (جو حسب ذیل واقعہ کے عینی شاہد اور قاصد رہے ہیں) خود سنا ہے کہ محمد فاضل کے رشتہ داروں میں سے رابعہ نامی ایک عورت کے بچہ نہیں ہوتا تھا، اس سلسلہ میں اس نے حضرت والا سے التجا کی، آپ نے توجہ کامل سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا۔

جب نومولود سات ماہ کا ہوا تو اس پر حالت نزع طاری ہو گئی، آپ اس وقت اکبر آباد (آگرہ) میں تھے، حق تعالیٰ سبحانہ نے آپ کے دل پر روشن کیا کہ یہ شخص (نومولود) جو تمہارے متوسلین میں سے تھا، قریب مرگ ہے، مگر تجھے غمگین نہ ہونا چاہئے، ہم تجھے اسکا اجر جمیل عطا کریں گے،

اس سانحہ کو دل سے نکال دیجئے، اس الہام کے بعد آپ کی حالت درست ہو گئی، مگر آپ کو قدرے تامل ہوا کہ یہ متوسل کون ہے، اس خیال کے آتے ہی آپ پر منکشف ہوا کہ یہ رابعہ کا بچہ ہے، جو فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں مر گیا ہے، آپ نے شیخ فقیر اللہ کو بھیجا تا کہ محمد فاضل کو اس سارے قصے سے آگاہ کرے اور تعزیت بھی کرے، محمد فاضل نے اس واقعہ کو وقت اور تاریخ کے ساتھ ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیا، ایک ہفتہ کے بعد اس کا خط پہنچا تو مذکورہ واقعہ بے کم و کاست سچ ثابت ہوا۔

سلسلہ باقی رہے گا

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ایک صاحب کشف آدمی کی تعریف سنی تھی، میں نے چاہا کہ اس کی صحبت سے کچھ حاصل کروں تو میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ بدعتی ہے اسکے پاس نہیں جانا چاہئے، میں نے اس واہمہ کو دل سے نکال دیا، دوبارہ دل میں یہ خیال ڈالا گیا، پھر میں نے اسے جھٹک دیا اور اٹھا کہ اس کے پاس جاؤں مگر بغیر کسی کیچڑ، سنگ و خشت اور لکڑی کے بغیر میرا پاؤں پھسلا، شدید چوٹ لگی اور میں گر پڑا، دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ اگر پہلی مرتبہ کے انتباہ پر عمل کرتے تو یہ تکلیف نہ پہنچتی، فرمایا کرتے تھے مجھے یہ الہام کیا گیا ہے کہ تیرا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا۔

غوث الاعظم کا جبہ

فرمایا کرتے تھے: ایک دن میرے دل میں ایک بات ڈالی گئی کہ آج تجھے ایک نعمت ملے گی، میں سیر و تفریح کے خیال سے باہر نکل کر شہر کے بعض مقامات سے گزرا تو دل نے یہ گواہی دی کہ تیرا مطلوب یہیں ہے، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی درویش یا فاضل ہے؟ تو جواب ملا کہ ہاں فلاں درویش یہاں رہتا ہے، میں اس کی زیارت کو پہنچا تو وہ کہنے لگا کہ

حضرت غوث الاعظم کا جبہ تبرکاً مجھ تک پہنچا ہے اور آج رات مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آج کے دن جو شخص بھی سب سے پہلے میرے سامنے آئے میں یہ جبہ مبارک اسے دیدوں، میں نے وہ جبہ اس درویش سے لے لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

قبلہ نمائی

ایک دن قبلہ کا رخ متعین کرنے میں اختلاف ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہماری چشم وجدان کے مشاہدہ کے مطابق عمل کیا جائے تو اس سمت کو کھڑے ہوں یہ کہہ کر آپ ذرا دائیں طرف کو مڑ گئے، (ادھر ہی قبلہ نکلا)

عاجز ہیں فرشتے بھی

یہ بھی فرمایا کہ ذکر اسم ذات (اللہ اللہ) کے دوران میں نے بعض فرشتوں کو دیکھا کہ میرے ارد گرد بیٹھے ہوئے تسبیح و تقدیس اور تحمید و تکبیر میں مشغول ہیں، میں نے ان سے کہا کہ میرے قریب آؤ اور ذکر اسم ذات میں میرا ساتھ دو، کہنے لگے: ہم تیرے نزدیک آنے اور تیرے ذکر میں شامل ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔

فرماتے تھے کہ ابتدائے حال میں بازاری لوگوں کی آوازیں بھی مجھ پر اسم ذات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھیں، ایک مرتبہ میں نے نیا جوتا پہنا تو چلنے میں اس سے جو آواز نکلتی اس پر بھی ”جل جلالہ“ کہتا جسے سن کر لوگ تعجب کرتے۔

نیک بخت کا درجہ

فرمایا کرتے تھے: ایک بار میں پھلت میں تھا، مجھے ایک درجہ دکھایا گیا کہ یہ درجہ اس شخص کے لیے ہے جو آج کے دن تمہاری بیعت کرے گا، اسی روز ایک عورت بیعت کے لیے تیار ہو کر آئی اور رسم کے مطابق شیرینی وغیرہ بھی ساتھ لائی، مجھے تعجب ہوا کہ یہ عورت تو اس درجہ کے

قابل نہیں، تھوڑی دیر گزری کہ اسے زنا نہ عذر لاحق ہوا اور وہ شرف بیعت حاصل نہ کر سکی، صالحات میں سے ایک دوسری نیک بخت آئی، اس کی شیرینی وغیرہ خرید کر بیعت کر لی۔

مغفرت کی دولت

فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عصر کے وقت، دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آج جو شخص بھی تیری اقتدا کرے گا، اس کی مغفرت کر دی جائیگی، اس جماعت میں ایک ایسا آدمی بھی تھا جس کے بارے میں میرا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ اسے یہ دولت نصیب نہیں ہوگی، جب تکسیر کہی گئی تو اتفاقاً اس کا وضو ٹوٹ گیا، جب وہ دوبارہ وضو کر کے پہنچا تو ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے، جبکہ ایک اور اجنبی شخص آیا اور اس کی جگہ شریک ہو گیا۔

الہدایا مشترک

فرمایا کرتے تھے کہ ابتدا میں میں نے چاہا کہ ہمیشہ روزہ رکھا کروں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں متوجہ ہوا تو پچشم حقیقت دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے روٹی عطا فرمائی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا ”الہدایا مشترک“ ہدیہ مشترک ہوتا ہے۔

میں نے وہ روٹی انکی خدمت میں پیش کر دی، انہوں نے ٹکڑا لے لیا، اسی وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”الہدایا مشترک“ میں نے پھر روٹی انہیں پیش کی، انہوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا پھر حضرت علیؓ نے فرمایا ”الہدایا مشترک“ تو میں نے ان کی بارگاہ میں روٹی پیش کی، انہوں نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا، پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”الہدایا مشترک“ میں نے عرض کی اگر روٹی اسی طرح تقسیم ہوتی رہی تو اس فقیر کو کیا حصہ ملے گا؟ آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔

اس موقع پر میں بیدار ہو گیا، ایک عرصے تک میں غور و فکر کرتا رہا کہ حضرت ذوالنورینؓ کی باری پر حرف عذر کہنے میں آخر کیا نکتہ پوشیدہ تھا؟

آخر کار معلوم ہوا کہ مثالی صورتوں میں ایسے واقعات سے رابطہ اور تعلق مراد ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے طریقہ نقشبندیہ کا تعلق ہے، حضرت عمرؓ تک ہمارا شجرہ نسب پہنچتا ہے حضرت علیؓ کی ذات گرامی کے ساتھ والدہ کی طرف سے ہمارے نسب اور اصل کا تعلق ہے، طریقہ نقشبندیہ نیز دیگر سلاسل صوفیا بھی انہی کی ذات گرامی تک پہنچے ہیں اور بعض واقعات میں آنجناب کی ذات گرامی سے ہم نے فیوض بھی حاصل کیے ہیں، تو یہ معاملہ ان اصحابِ ثلاثہ تک محدود رہنا ضروری تھا، جبکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ ان وجوہات و اسباب میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم

مبارک زردہ

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ماہ رمضان میں ایک دن میری نکسیر پھوٹ پڑی تو مجھ پر ضعف طاری ہو گیا، قریب تھا کہ میں کمزوری کی بنا پر روزہ افطار کر لوں، مگر غم تھا کہ رمضان کے روزے کی فضیلت ہاتھ سے جائے گی، اسی غم میں قدرے غنودگی طاری ہوئی تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے مجھے لذیذ اور خوشبودار زردہ مرحمت فرمایا ہے، پھر انتہائی خوشگوار ٹھنڈا پانی بھی عطا فرمایا، جو میں نے سیر ہو کر پیا، میں اس عالم غنودگی سے نکلا تو بھوک اور پیاس بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے ہاتھوں میں اب تک زردہ کے زعفران کی خوشبو موجود تھی، عقیدت مندوں نے میرے ہاتھ دھو کر پانی محفوظ کر لیا، اور تبرکاً اس سے روزہ افطار کیا۔

حسن اختلاف

والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا قوتِ سرخ کی ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں کہ جس کا ظاہر و باطن حسن

و خوبی کا مظہر ہے، آپ ﷺ بشکلِ مراقبہ تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اولیائے کاملین بھی مراقبہ کی صورت میں صف باندھے ہوئے آپ کے ارد گرد بیٹھے ہیں، جب مسجد کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ یاقوت کے رنگ کا پردہ لٹکا ہوا ہے، حضرت غوث الاعظم اور خواجہ نقشبند قدس اللہ اسرارہما اندر سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور میرے ہی بارے میں آپس میں مناظرہ کرنے لگے، حضرت غوث الاعظم فرمانے لگے اس شخص کے آباؤ اجداد میرے خلفاء سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے میں اس سے زیادہ قریب ہوں، اور حضرت نقشبند نے فرمایا: اس شخص نے میرے خلفاء سے روحانی تربیت حاصل کی ہے، اس لیے مجھے اس پر زیادہ حق حاصل ہے، یعنی آپ کی اس سے مراد تھی کہ اس نے شیخ رفیع الدین خلیفہ خواجہ محمد باقی سے روحانی تربیت حاصل کی ہے۔

اس گفتگو نے طول پکڑا، یہاں تک کہ مجھے خوف ہوا کہ اس مجلس کے ختم ہونے تک کہیں میں اس فیض سے محروم نہ رہ جاؤں آخر کار حضرت غوث الاعظم نے فرمایا: جبکہ آپ کے اور ہمارے طریقے میں کوئی فرق نہیں تو پھر اس قدر مناظرے کی کیا ضرورت ہے؟

خواجہ نقشبند نے فرمایا: اگر کچھ فرق نہیں تو پھر یہ سعادت میں کیوں نہ حاصل کروں؟ حضرت غوث الاعظم نے فرمایا: کچھ مضائقہ نہیں، آپ ہی اسے اندر لے جائیے، خواجہ نے فرمایا حقیقت میں یہ شخص میرا عز و شرف ہے اور میں اسے اپنی نسبت سے ہی بہرہ ور کروں گا، یہ تمام مناظرہ ایسے ادب و احترام کی فضا میں ہوتا رہا جس سے زیادہ بہتر صورت ناممکن ہے، اسی وقت خواجہ نقشبند نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس مسجد میں داخل کیا اور لا کر سید الانبیا ﷺ کے سامنے اہل صف سے ذرا آگے بٹھا دیا اور آپ میرے ساتھ صف کے برابر میں بیٹھ گئے، میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اس صورت میں بجز اس کے اور کیا حکمت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مراقبہ سے سراٹھائیں تو سب سے پہلے آپ کی نگاہ کرم مجھ پر پڑے اور

جو کوئی شخص پوچھے کہ تجھے کون لایا ہے تو خواجہ نقشبند عرض کر سکیں کہ میں نے اسے حاضر کیا ہے، خواجہ اس خیال پر مطلع ہوئے اور فرمایا: واقعی اس انداز میں بٹھانے کا سبب یہی ہے۔

اتنے میں آنحضرت ﷺ نے مراقبے سے سراٹھایا اور بے پایاں لطف و کرم سے مشرف فرمایا، کاتب الحروف (شاہ صاحب) کا گمان ہے کہ اس واقعہ کا تتمہ (انجام) یہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ خلوت میں لے گئے اور نئی اثبات کی عجیب و غریب کیفیات سے تلقین فرمائی۔ واللہ اعلم

جمالِ محمد جو مستور نہ ہوتا

فرمایا کہ حدیث ”انا املح واخی یوسف اصبح“

میں گندمی ہوں اور میرے بھائی یوسف سفید تھے۔

کے بارے میں میرے دل میں حیریت پیدا ہوئی تھی کیونکہ حسن کی ملاحظت عاشقوں کے لیے صباحت سے زیادہ بے قراری و اضطراب کا موجب بنا کرتی ہے، اور یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام لباسِ فاخرہ پہن کر جلوہ گر ہوتے تھے تو جمالِ یوسفی کی تاب نہ لا کر بہت سے لوگ دار البقا کو سدھار جاتے تھے، جبکہ اس قسم کی کوئی بات سید الرسل ﷺ سے روایت نہیں ہے جبکہ معاملہ برعکس ہونا چاہئے تھا۔

ایک دفعہ میں نے آنحضرت ﷺ کو چشمِ حقیقت سے دیکھا اور اس نکتے کے بارے میں استفسار کیا تو فرمانے لگے کہ خدائے غیور نے میرے حسن و جمال کو لوگوں کی آنکھوں سے مستور رکھا ہے، اگر میرا حسن ظاہر ہو جاتا تو ہر شخص وہی کرتا جو یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والے کیا کرتے تھے۔

اس توجیہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ یا حضرت فاطمہ علیہما السلام کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو تمام عمر میں ایک یا دو بار دیکھا ہے۔

چونکہ ان معصومات کا رشتہ آقا سے نہایت قریبی تھا اور آپ ﷺ سے فیوض حاصل کرنے کی صلاحیت بھی دونوں میں بہت زیادہ تھی، اسلئے ان کو ایک آدھ بار اس جمالِ جہاں آراء کا حقیقی دیدار ہوا ہے۔ (جبکہ دوسروں کو ایک آدھ مرتبہ بھی نہیں ہوا)

اک آگ کا دریا ہے

فرمایا کہ حضرت سید الرسلؐ گو میں نے صورتِ واقعی میں دیکھا، میری طرف متوجہ ہوئے، محض توجہ گرامی سے میں مقامات اولیا کو عبور کر گیا اور وہ تمام مقامات مجھ پر بخوبی منکشف ہو گئے، حتیٰ کہ میں اس مقام تک جا پہنچا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ولی اس سے آگے جا ہی نہیں سکتا، میں نے عرض کیا کہ اس فقیر کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جس مجال (ناممکن) کی طرف متوجہ ہوں وہ امکان کی صورت قبول کر لیتا ہے، کچھ مشکل نہیں کہ استعداد نہ ہونے کے باوجود بھی اس مقصود کا چہرہ مجھ پر جلوہ نمائی کرے، پس آنحضرتؐ میری روح کو اپنی روح کے سائے میں لیکر مقام صدیقیت سے بھی عبور فرما گئے، جو ولایت کا انتہائی مقام ہے، وہاں برزخ ہمارے سامنے آیا گویا آگ کا دریا ہے، جسے کوئی ولی پار نہیں کر سکتا، اس کے بعد ولایت کے مقامات سابقہ کی مثل ہم پر کچھ مقامات منکشف ہوئے، مقام صبر اور مقام توکل سابقہ مقامات کی طرح ہمیں دکھائے گئے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ اب کے یہ مقامات بطور حقیقت دکھائے گئے جبکہ سابقہ مقامات محض خیالی تھے، گویا اس مرتبہ پر یہ مقامات اصول کی حیثیت رکھتے تھے جبکہ پہلی مرتبہ شبیہ و تماثل (فوٹو یا مجسمہ) کی صورت میں دکھائے گئے۔

کاتب الحروف نے حضرت والد ماجد کی روح کو آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کے سائے میں لینے کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے، یوں محسوس ہوتا تھا گویا میرا وجود آنحضرت ﷺ کے وجود سے مل کر ایک ہو گیا، خارج میں وجود کی کوئی الگ حیثیت نہیں تھی، سو اس کے کہ میرا علم مجھے اپنا شعور دلا رہا تھا۔

کاتب الحروف کے نزدیک اس واقعہ میں آگ کے دریا کو مثالی صورت میں دیکھنے کا راز سمجھنا تبھی ممکن ہے جب کہ اس بات کو سمجھ لے کہ نبوت مکمل طور پر عطاءئے رب تسلیم کی جاتی ہے، نہ کوئی مصلحت اور نہ ہی کوئی محنت درکار، اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے نبوت کے ذریعہ ہر نبی اور اس کی قوم کو دنیا میں ہونے والے عظیم واقعات، طوفانوں اور قیامت وغیرہ کینشانیوں اور حالات سے مطلع کرتا رہتا ہے، اس کے برعکس اولیائے کرام کا ہر کمال محض ان کے نفوس کی پاکیزگی، استعداد اور ہمت پر منحصر ہوتا ہے، گویا ولایت کے کمالات عطا کرنے میں خود ولی کی محنت، عبادت و طاعت اور دوسری دینی و دنیاوی مصلحتوں کا دخل ہوتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت حکم کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے، (۱) جاندار دنیا کی تدبیر و مصلحت (۲) کائنات کے اسرار و رموز سے آگہی، پہلے امر کا وجود داخلی ہے اور دوسرا حکم وجود خارجی رکھتا ہے، یعنی پہلے حکم کا موضوع جاندار مخلوق کی حکمت ہے، اور دوسرے حکم کا منشاء عالم آفاق کی حکمت و تدبیر ہے، مجموعی طور پر پہلے حکم میں کسب و محنت اور صلاحیت کو دخل ہے، مگر نبوت کے حکم ثانی یعنی عالم آفاق کی مصلحت و تدبیر میں کسب و محنت نہیں بلکہ اللہ کی عطا اور اس کی عنایت کو دخل ہے، گویا پہلے حکم کے لیے الگ استعداد کی ضرورت ہے اور دوسرے حکم کے لیے دوسری استعداد کی حاجت۔

حاصل کلام یہ کہ کمالات نبوت کے دوسرے امر کے ناقابل حصول ہونے کی وجہ سے حضرت والد ماجد کے سامنے اس کو آگ کے دریا کی شکل میں برزخی طور پر پیش کیا گیا، حالانکہ کمال اول کی استعداد و اہلیت بھی تھی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے بغل گیر ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ (۱)

احاصل یہ ہے کہ اولیاء کرام کو نبوت کے پہلے زمرے سے حصہ ملتا ہے، جس میں نیک نفسی اور مجاہدات کو دخل ہے، جبکہ دوسرے درجہ سے ولی کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا اسی لئے دوسرے درجہ کو آگ کی شکل میں دکھایا گیا، واللہ اعلم۔

موئے مقدس

فرمایا کہ ایک بار مجھے بخار نے آیا اور بیماری نے طول پکڑا، یہاں تک کہ زندگی سے ناامید ہو گیا، اسی دوران مجھ پر غنودگی طاری ہوئی تو میں نے دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالعزیز سامنے موجود ہیں اور فرما رہے ہیں: بیٹے! حضرت ﷺ تیری بیمار پرسی کو تشریف لا رہے ہیں اور شاید تیری پانستی کی طرف سے تشریف لائیں، اس لیے چار پائی کو اس طرح رکھنا چاہئے کہ حضور ﷺ کی طرف تمہارے پاؤں نہ ہوں، یہ سن کر مجھے افاقہ ہو گیا، قوت گویائی نہیں تھی، حاضرین نے میرے اشارے پر چار پائی کا رخ پھیر دیا، اسی وقت حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: ”کیف حالک یا بنی“ تمہاری طبیعت کیسی ہے بیٹے؟

اس کلام کی لذت اس قدر غالب ہوئی کہ مجھ پر آہ و بکا اور درد و اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی، آنحضرت ﷺ نے مجھے اس انداز سے اپنی بغل میں لیا کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میرے سر پر تھی، آپ کا جبہ مبارک میری آنکھوں سے تر ہو گیا، پھر آہستہ آہستہ یہ وجد و اضطراب کی کیفیت سکون میں بدل گئی، اسی وقت میرے دل میں آیا کہ ایک مدت سے موئے مبارک کے حصول کی آرزو رکھتا ہوں، کیا ہی کرم ہو کہ اس وقت تبرک عنایت فرمائیں، میرے خیال سے آپ مطلع ہوئے اور ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر کر دو مقدس بال میرے ہاتھ میں تھما دیئے، پھر میرے دل میں خیال آیا کہ یہ دونوں مقدس بال بیداری میں بھی رہیں گے یا نہیں، اس کھٹکے پر مطلع ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ دونوں بال جاگنے کی حالت میں بھی باقی رہیں گے اس کے بعد آپ نے کلی صحت اور طویل عمر کی خوشخبری سنائی، اسی وقت مرض سے افاقہ ہو گیا۔

میں نے چراغ منگوا یا، وہ دونوں مقدس بال اپنے ہاتھ میں نہ پائے تو میں غمگین ہو کر بارگاہ عالی کی طرف متوجہ ہوا، غیبت واقع ہوئی اور آنحضرت ﷺ مثالی صورت میں جلوہ فرما ہوئے، فرمایا: اے بیٹے عقل و ہوش سے کام لو، وہ دونوں بال احتیاطاً تمہارے سرہانے کے نیچے رکھ

دیئے تھے، وہاں سے لے لو، افاقہ ہوتے ہی میں نے وہ مقدس بال وہاں سے اٹھالیے اور تعظیم و تکریم سے ایک جگہ رکھ دیئے۔

اس کے بعد دفعتاً بخار ٹوٹا اور انتہائی ضعف و نقاہت طاری ہوئی، عزیزوں نے سمجھا کہ موت آ پہنچی، رونے لگے، مجھ میں بات کرنے کی سکت نہیں تھی، سر سے اشارہ کرتا رہا، کچھ دیر بعد طاقت بحال ہوئی اور صحت کلی نصیب ہو گئی، اسی سلسلہ میں یہ کلمات بھی فرمائے تھے کہ ان دو بالوں کے خواص میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپس میں گتھے رہتے ہیں مگر جب درود پڑھا جاتا ہے تو جدا جدا کھڑے ہو جاتے ہیں، دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ تاثیر تبرکات کے منکروں میں سے تین آدمیوں نے امتحان لینا چاہا، میں اس بے ادبی پر راضی نہ ہوا مگر جب مناظرے نے طول کھینچا تو عزیزان مقدس بالوں کو سورج کے سامنے لے گئے، اسی وقت بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، حالانکہ سورج بہت گرم تھا اور بادلوں کا موسم بھی نہیں تھا۔

یہ واقعہ دیکھ کر منکروں میں سے ایک نے توبہ کی اور دوسروں نے کہا: یہ اتفاقی امر ہے، عزیز دوسری مرتبہ لے گئے تو دوبارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا، اس پر دوسرے نے توبہ کی، مگر تیسرے نے کہا یہ تو اتفاقی بات تھی، یہ سن کر تیسری مرتبہ موئے مقدس کو سورج کے سامنے لے گئے، سہ بارہ بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا تو تیسرا منکر بھی تائب ہو گیا۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ میں موئے مبارک کو زیارت کے لئے باہر لایا، بہت بڑا مجمع تھا، ہر چند صندوق کا تالا کھولنے کی کوشش کی گئی لیکن نہ کھلا، اپنے دل کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا فلاں آدمی ناپاک ہے، جس کی نحوست سے یہ نعمت میسر نہیں آرہی، عیب پوشی کرتے ہوئے میں نے سب کو طہارت کے لیے حکم دیا وہ آدمی بھی مجمع سے چلا گیا، فوراً تالا کھل گیا اور ہم سب نے زیارت کی، حضرت والد ماجد نے آخری عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے تو ان دونوں بالوں میں سے ایک کاتب الحروف کو عنایت فرمایا جس پر پروردگار عالم کا شکر ہے۔

غیر اللہ کو سجدہ سے ممانعت

فرمایا: ایک مرتبہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نچشم حقیقت دیکھا، جب اس مظہر اتم میں صفات الہیہ کے کمال کا مشاہدہ کیا تو سجدے میں گر گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار تعجب کے طور پر انگلی منہ میں دبالی، اور اس شکل سے منع فرمایا، بارہا دل میں آیا کہ اس صورت سے منع کرنے میں کیا تکتہ تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ انسان کو دو طرح سے سجدہ کیا جاسکتا ہے، ایک اس صورت میں کہ اس کے معبود ہونے کا اعتقاد دل میں ہو اور یہ کفر ہے، دوسرا اس صورت میں کہ اس میں اللہ کی صفات کے ظہور کا مشاہدہ کر کے سجدہ کیا جائے اور یہ کفر کی مشابہت کی وجہ سے ممنوع ہے، لہذا اس باریک فرق کی بنا پر اس طرح سے آپ نے منع فرمایا۔

سید صاحب

فرمایا: ایک آدمی کے سید یا غیر سید ہونے کے بارے میں مجھے شک تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں، اور وہ آدمی پلنگ کے نیچے سویا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سید ہونے کی قرابت نہ رکھتا تو یہاں کیسے پہنچتا؟

مقبول درود

فرمایا کہ ایک دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کی مجلس) کو دیکھا کہ وہاں حاضر ہر ایک ہر ایک شخص اپنے فہم و فراست کے مطابق آپ کی بارگاہ میں درود سلام پیش کر رہا ہے، میں نے بھی یہ درود عرض کیا ”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ * (یا اللہ درود نازل فرما، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی امی پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر اور برکت و سلام نازل فرما) اس درود پاک سن کر آپ کے چہرہ مبارک سے بشاشت و تازگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

نیاز کے چنے

فرمایا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دنوں میں ایک مرتبہ خزانہ غیب سے کچھ میسر نہ آسکا کہ میں کچھ طعام پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز دلوا سکتا، لہذا تھوڑے سے بھنے ہوئے چنے اور شکر پر اکتفا کرتے ہوئے میں نے آپ کی نیاز دلوا دی، اسی رات پچشم حقیقت دیکھا کہ انواع و اقسام کے طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے جا رہے ہیں، اسی دوران وہ شکر اور چنے بھی پیش کیے گئے، انتہائی خوشی و مسرت سے آپ نے وہ قبول فرمائے اور اپنی طرف لائیکا اشارہ فرمایا، پھر تھوڑے سے تناول فرما کر باقی تقسیم فرمادئے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا قصہ اگلے بزرگوں سے بھی روایت کیا جاتا ہے، مگر یہ قصہ بلا شبہ حضرت والد ماجد کا ہے، ہو سکتا ہے کہ توارد ہو گیا ہو۔

حضرت علیؑ سے ملاقات

فرمایا ایک مرتبہ حقیقتاً دیکھا کہ حضرات حسنؑ و حسینؑ یا قوت سرخ کی بہلی پر سوار ہیں، جو بغیر جانوروں کے محض اللہ کی قدرت سے چل رہی ہے، میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں، اپنے فرمایا کہ آؤ ہمارے ساتھ بہلی میں بیٹھ جاؤ، مگر میں ادب کی وجہ سے اس بات پر راضی نہ ہوا، بات ہلکے مزاح پر جا پہنچی، بلا کر فرمایا کہ بہلی کے پردے کو نیچے لٹکا دو، میں اسکے پائے پر چڑھ کر پردہ لٹکانے ہی والا تھا کہ ایک ہاتھ سے حضرت امام حسینؑ اور دوسرے ہاتھ سے امام حسنؑ نے مضبوط پکڑ لیا اور ہنستے ہوئے فرمایا: اب خبر دیجئے کیسے رہے؟

میں نے عرض کیا: اس شخص کی حالت کیا بیان کی جائے جس کے دونوں ہاتھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشوں کے ہاتھوں میں ہوں؟ بہر حال مجھے بہلی میں بٹھا کر مسرت و شادمانی کے ساتھ اپنے گھر تک لائے جہاں مجھے حضرت علیؑ کی ملاقات نصیب ہوئی، میں نے عرض کیا

کہ ہم فقیروں کو محنت و مشقت سے جو فقر کی نسبت حاصل ہوتی ہے کیا یہ وہی نسبت ہے جو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے صحابہ کرام حاصل فرمایا کرتے تھے، یا طویل زمانہ گزرنے کے سبب اب کچھ تبدیلی ہوگئی ہے؟

فرمانے لگے: کچھ دیر اپنی نسبت میں غرق ہو جاؤ، تاکہ میں تمہاری نسبت میں غور کر لوں، میں اپنی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر مستغرق ہوا تو تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ تمہیں بھی بغیر کسی فرق کے وہی نسبت حاصل ہے جو صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی۔

خواجہ کی خلافت

فرمایا کہ ابتدائے احوال میں سلوک کے مختلف طریق کے لوگوں کو میں نے دیکھا اور ان سے امر واقعی میں اجازت حاصل کی، یہی نہیں بلکہ حضرت خواجہ نقشبندیؒ کو بھی میں نے پچشم حقیقت دیکھا کہ لکڑی کے پیالے میں انہوں نے مجھے پانی دیا، میں نے سیر ہو کر پیا پھر انہوں نے مختلف طریق اور سلسلوں کی باتیں بیان کیں اور آخر میں تلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خاص نسبت

فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کو میں نے دیکھا کہ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک چراغ روشن ہے، لیکن اس چراغ کی بتی صفائی چاہتی تھی تاکہ تازہ ہو کر روشنی کر سکے، مجھے انہوں نے اس خدمت پر مامور فرمایا، چنانچہ میں نے بتی کا پھول جھاڑ کر صاف کیا، اس کے بعد اپنی خاص نسبت مجھے عنایت فرمائی، اور اس واقعہ کی تعبیر بھی طریقہ کی اجازت ہے۔

حضرت غوث اعظم کی دوکان

فرمایا کہ ایک بار اولیاء اللہ کے سلاسل مجھے اس طرح دکھائے گئے کہ ایک وسیع بازار ہے، جس میں خوبصورت پختہ دکانیں ہیں، ہر دکان میں صاحب سلسلہ بزرگ اپنے اپنے خلفاء اور

معتقدین کے ساتھ فروکش ہیں، میں سب بزرگوں کی زیارت کرتا ہوا بازار سے گزرتا گیا، یہاں تک کہ حضرت غوث اعظمؒ کی دکان پر پہنچا اور آپ کی مجلس مبارک میں بیٹھ گیا، اس وقت ”الاعیان ما شمت رائحة الوجود“ (۱) (آنکھیں باری تعالیٰ کی ہوا کو بھی نہیں پاسکتیں) پر بحث ہو رہی تھی، حاضرین میں سے ہر شخص اپنی فہم و فراست کے مطابق اس کے معانی بیان کر رہا تھا، اپنی باری آنے پر میں نے بھی اس کا مفہوم بیان کیا حضرت غوث الاعظمؒ نے میری تشریح پر خوش ہو کر فرمایا: غرض آں بیچارہ ہمیں بود (اس بیچارے مصنف کی مراد بھی یہی تھی) اس واقعہ کو عرصہ گزر گیا، لیکن فارسی زبان میں ادا کئے ہوئے آپ کے یہ کلمات ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں، اس کے بعد آپ مجلس سے اٹھے اور میرا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لے گئے اور فرمانے لگے: کیا تمہارے دل میں میری طرف سے کوئی کھٹکا ہے؟

میں نے عرض کیا: ہاں! تمام صاحب سلسلہ بزرگوں نے مجھے بلا واسطہ اجازت و خلافت عطا فرمائی، سوائے آپ کے، آپ نے فرمایا: میرے خلفاء سے تم نے اجازت حاصل کر لی، گویا بلا واسطہ مجھ سے کسب فیض کر لیا ہے، کیونکہ میرے خلفا اور میں معنی کے لحاظ سے ایک ہیں۔

میں نے عرض کیا: یہ درست ہے، لیکن بلا واسطہ فیض میں ایک خاص لطف و لذت ہے، اس پر ارشاد فرمایا: میں نے بھی تم کو اجازت دی، میرے طریقہ پر لوگوں کو ارشاد و سلوک کی تعلیم دو۔

جب اشغال کی نوبت آئی تو فرمایا: تم نے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی تینوں قسم کے اشغال کر رکھے ہیں مزید ضرورت نہیں ہے، پھر آپ نے میرے دل پر توجہ ڈالی اور خاص نسبت عنایت فرمائی، اس کے بعد میں آگے روانہ ہوا اور سلاسل کی سیر کرتا رہا، اس دوران میں نے بے شمار عجائب و حقائق دیکھے، آخر میں عرش کے زیر سایہ پہنچا، میں نے دیکھا کہ ایک سلسلہ عرش کے ساتھ معلق ہے اور حضرت خواجہ نقشبندؒ اس کو تھامے ہوئے حالت استغراق میں ہیں، میں نے

محسوس کیا کہ آپ کے استغراق کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلفاء میں مخلوق کی طرف توجہ کی ریاضت و مشقت زیادہ ہے۔

کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ کی نسبت کا اثر لطیفہ سر میں، حضرت غوث اعظمؒ کی نسبت کی وسعت لطیفہ روح میں، (چنانچہ روحانی تربیت اسی صورت میں ظاہر ہوتی ہے) قدیم صوفیائے کرام کی نسبت لطیفہ نفس میں زیادہ ہے، اسلئے قدیم صوفیائے کرام کے ہاں سخت مشکل ریاضتیں پائی جاتی ہیں۔ (لطائف کی تفصیل دیکھیں صفحہ ۲۲۶)

بظاہر آپ نے بے چارے کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ جو نفوس قدسیہ ارشاد کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں، انکے نزدیک عجیب و غریب علوم و معارف کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔

نور علی نور

فرمایا کہ ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا، یکا یک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میری گناہ گار آنکھیں اور وجود اس قابل نہیں کہ اس مقدس بارگاہ میں حاضر ہوں، یہ خیال آتے ہی مزار سے متصل چبوترے پر رک گیا، اسی دوران آپ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور مجھے حکم دیا کہ آگے آؤ! میں چند قدم آگے بڑھا، تبھی میں نے دیکھا کہ آسمان سے چار فرشتے ایک تخت لئے ہوئے آپ کی قبر کے قریب اترے، اس تخت پر حضرت خواجہ نقشبندؒ تھے، دونوں کی ملاقات ہوئی، دونوں نے راز و نیاز کی باتیں کیں، اسکے بعد فرشتے تخت اٹھا کر روانہ ہو گئے اور حضرت خواجہ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: نزدیک آؤ، میں دو تین قدم اور آگے بڑھا، آپ بار بار نزدیک آنے کے متعلق فرماتے رہے اور میں آہستہ آہستہ قریب ہوتا گیا، یہاں تک کہ حضرت کے بہت نزدیک ہو گیا پھر آپ نے پوچھا شعر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا ”کلام حسنہ اچھا ہے اور قبیحہ برا ہے، شعر بھی دوسرے کلام کی مانند ہے اس میں جو تعمیر ہے وہ اچھا ہے اور جو مخرب ہے وہ برا ہے۔“

آپ نے فرمایا: بارک اللہ، پھر پوچھا: خوبصورت آواز کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ میں نے عرض کیا ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء (الحدید ۲۱) (یہ لطف ایزدی ہے، جسے چاہے عطا کرے) فرمایا: بارک اللہ! لیکن جب یہ دونوں (شعر و آواز) جمع ہو جائیں پھر؟

میں نے کہا: نور علی نور یرہدی اللہ لنورہ من یشاء (النور ۳۶) (نور پر نور، اللہ جسے چاہے اپنے نور کی ہدایت دے) آپ نے فرمایا: بارک اللہ، تم بھی کبھی کبھی ایک دو شعر سن لیا کرو! میں نے عرض کیا: حضرت خواجہ نقشبندؒ کی موجودگی میں آپ نے یہ بات کیوں نہیں فرمائی؟ فرمایا: خلاف ادب تھا، یا یوں فرمایا کہ مصلحت نہیں تھی۔

حضرت والد ماجد نے فرمایا: عرصے کی بات ہے صحیح الفاظ یاد نہیں رہے۔

بشارت

فرمایا: ایک دفعہ میں انہی (حضرت شیخ قطب الدینؒ) کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گیا، آپ کی روح مبارک ظاہر ہوئی، اور مجھے فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا، اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا، اس وقت میری زوجہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکی تھیں جس میں اولاد کا پیدا ہونا ناممکن ہوتا ہے، میں نے سوچا کہ شاید اس سے مراد بیٹے کا فرزند یعنی پوتا ہے، میرے اس وہم پر آپ فوراً مطلع ہو گئے اور فرمایا: میرا مقصد یہ نہیں بلکہ یہ فرزند خود تمہاری صلب سے ہوگا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد دوسرے عقد کا خیال پیدا ہوا۔

(حضرت شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ) اسی نکاح سے کاتب الحروف پیدا ہوا، لیکن میری پیدائش کے وقت حضرت والد ماجد یہ واقعہ اور بشارت بھول گئے اس لیے انہوں نے میرا نام ولی اللہ رکھ دیا، کچھ عرصہ کے بعد جب یہ واقعہ حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو یاد آیا تو پھر میرا دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔

شیخ چراغ کی مجلس

فرمایا: ایک دفعہ میں نے شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کو خواب میں دیکھا کہ وضو فرما رہے ہیں اور نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔

میں نے پوچھا کہ آخرت تو عمل کی دنیا نہیں ہے، یہاں پر وضو اور نماز کی حکمت کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ دنیا میں اکثر وقت ان امور کی انجام دہی میں گزرا ہے، اس لئے ان میں لذت محسوس ہوتی ہے، یہاں پر ان کی ادائیگی کسی فریضہ کے طور پر نہیں، بلکہ لطف و لذت کی خاطر ہے، نماز کے بعد اولیاء کی اروا جمع ہو گئیں اور ان کے درمیان گفتگو شروع ہو گئی، حضرت شیخ چراغ دہلوی رحمہ اللہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ تم بھی ہماری محفل میں شامل ہو جاؤ، میں اس مقدس مجلس میں جانے سے گریز کرنے لگا، اس پر آپ نے فرمایا: ہماری مجلس عام مجالس کی طرح نہیں ہے، چنانچہ میں حاضر ہو گیا، اس روحانی محفل میں وجد بھی دیکھا گیا۔

شیخ سعدیؒ

فرمایا کہ ایک دفعہ اکبر آباد میں میر محمد زاہد کے درس سے واپسی پر میں ایک کوچے سے گزرا، اس وقت میں خوب ذوق میں سعدی شیرازی رحمہ اللہ کے یہ اشعار گنگنا رہا تھا:

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است

جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطلت است

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق

علمی کہ راہ حق نماید جہالت است

یار کی یاد کے علاوہ جس کام میں بھی عمر گزری ضائع سمجھو، عشق کے اسرار کے سوا جو کچھ بھی پڑھئے فضول ہے، سعدی دل کی تختی سے حق کے علاوہ تمام نقشوں کو مٹا دے، جو علم راہ حق کی ہدایت و رہنمائی نہ کرے وہ علم نہیں، جہالت ہے۔

اتفاق کی بات کہ چوتھا مصرعہ میرے ذہن سے اتر گیا، ہر چند ذہن پر زور دیا لیکن یاد نہ آیا، اس تار کے ٹوٹنے سے میرے دل میں سخت اضطراب اور بے ذوقی کی کیفیت پیدا ہوئی کہ اچانک ایک فقیر منس، ملیح چہرہ، دراز زلف، پیر مرد نمودار ہوا اور اس نے مجھے لقمہ دیا۔

میں نے کہا: جزاک اللہ خیر الجزاء! آپ نے مجھے کتنی پریشانی سے نجات دلائی ہے، میں نے ان کی خدمت میں کچھ پان پیش کئے، انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: یہ بھولا ہوا مصرعہ یاد دلانے کی مزدوری ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں، یہ تو بطور ہدیہ اور شکر یہ پیش کر رہا ہوں۔

اس پر انہوں نے فرمایا: میں پان استعمال نہیں کیا کرتا۔

میں نے عرض کیا: کوئی شرعی پابندی ہے یا طریقت کی رکاوٹ؟ اگر کوئی ایسی بات ہے تو مجھے بتائیے تاکہ میں بھی اس سے احتراز کروں۔

فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں، البتہ میں پان کھایا نہیں کرتا، مجھے جلدی جانا چاہئے۔

میں نے کہا: میں بھی جلدی چلوں گا، انہوں نے فرمایا: میں جلد تر جانا چاہتا ہوں، یہ کہہ کر انہوں نے قدم اٹھایا اور کوچہ کے آخر میں رکھا، میں نے جان لیا کہ کسی اہل اللہ کیمبارک روح انسانی شکل میں جلوہ گر ہے، میں نے آواز دی کہ اپنے نام سے تو اطلاع دیتے جائیں، تاکہ فاتحہ تو پڑھ لیا کروں، فرمایا: فقیر کو سعدی (رحمہ اللہ) کہتے ہیں۔

مجنوبوں کا سردار

فرمایا: میں نے چشم حقیقت سے دیکھا کہ میں آسمان پر گیا، وہاں ایک شخص گدڑی لپیٹے سویا ہوا ہے اور اس سے محبت کے شعلے بھڑک رہے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ مجنوبوں کا سردار ہے اور ہر مجنوب اس کا مقلد ہے، بظاہر یہ مجنوب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرا ہے۔

کاتب الحروف عرض پرداز ہے کہ ممکن ہے کہ مجازیب کے لیے یہ مثالی صورت تربیت الہی اور عقل و خرد سلب کرنے والی عظیم نسبت کا راز ہو۔

عجیب دعوت

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو خود اس واقعہ کے عینی شاہد تھے، سنا ہے کہ ایک بار حضرت والد ماجد مخدوم شیخ اللہ دیا صاحب کے مزار کی زیارت کے لیے قصبہ ڈاسنہ میں گئے ہوئے تھے، یہ رات کا وقت تھا، اسی دوران آپ نے فرمایا کہ مخدوم صاحب نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کچھ تناول کر کے جائیں، آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا، یہاں تک کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت بھی ختم ہو گئی، احباب بے گمگین ہوئے، اچانک ایک عورت بیٹھے کا تھال لیے نمودار ہوئی اور اس نے کہا: میں نے منت مانی تھی کہ جس وقت میرا شوہر گھر واپس آئے میں اسی وقت کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی، میرا شوہر ابھی واپس پہنچا ہے، میں نے اپنی منت پوری کی ہے، میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہوتا کہ کھانا کھالے۔

غلط خیال ہے تیرا

فرمایا: ایک دفعہ رات کے وقت میں سیر کرتا ہوا ایک بہت ہی خوبصورت مقبرے میں پہنچا، میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا، میرے دل میں خیال آیا کہ اس وقت یہاں میرے علاوہ کوئی ذاکر نہیں ہے، اس خیال کے آتے ہی ایک جھکی کمر والا بوڑھا ظاہر ہوا اور اس نے پنجابی زبان میں گانا شروع کیا اس کے گیت کا مفہوم یہ تھا: دوست کے دیدار کی آرزو مجھ پر غالب آگئی ہے۔ میں اس نغمے سے متاثر ہو کر اس کی طرف بڑھا میں جوں جوں اس کے نزدیک ہو رہا تھا وہ اسی قدر مجھ سے دور ہوتا جا رہا تھا پھر اس نے کہا: تمہارا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر تمہارے علاوہ کوئی ذاکر نہیں ہے، میں نے جواب دیا: میرا یہ خیال زندوں کے بارے میں تھا، کہنے لگا: اس وقت تو تم نے مطلق تصور کیا تھا، اب خاص کر رہے ہو، اسکے بعد وہ غائب ہو گیا۔

روح و دل کی غذا

فرمایا: شیخ بایزید اللہ گو نے حرمین کی زیارت کا قصد کیا، آپ کی معیت میں بہت سے ضعیف مرد، بچے اور عورتیں بھی تیار ہو گئیں، حالانکہ زادراہ کا کوئی انتظام نہ تھا، برادر گرامی اور میں نے متفق ہو کر ارادہ کیا کہ انہیں واپس لایا جائے، جب ہم تعلق آباد پہنچے تو دن بہت گرم ہو چکا تھا ہم لوگ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کی غرض سے بیٹھ گئے، اس دوران تمام احباب سو گئے اور میں اکیلا ان کے کپڑوں اور سامان کی حفاظت کے لیے جاگتا رہا، اپنے آپ کو بیدار رکھنے کے لیے میں نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی، چند سورتیں تلاوت کر کے میں خاموش ہو گیا، اچانک قریبی قبور میں سے ایک صاحب قبر مجھ سے مخاطب ہوا: قرآن مجید کے زندگی بخش نعمات سننے کے لیے مدت سے ترس رہا ہوں، اگر کچھ وقت اور تلاوت کریں تو احسان مند ہوں گا۔

میں کچھ اور تلاوت کر کے پھر خاموش ہو گیا، صاحب قبر نے مزید استدعا کی، میں نے پھر پڑھا، میرے چپ ہونے پر اس نے تیسری بار درخواست کی میں نے اس دفعہ بھی اس کی درخواست قبول کی اور قرآن مجید کی چند آیات تلاوت کیں۔

اس کے بعد یہ صاحب قبر مخدومی برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے کے خواب میں آیا اور کہا: میں نے ان کو بار بار تلاوت کے لیے کہا ہے، اب مجھے حیا آتی ہے، آپ انہیں فرمائیں کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ زیادہ تلاوت کر کے میری روح کی غذا فراہم کریں، وہ نیند سے اٹھے اور مجھے صورت حال سے آگاہ کیا، میں نے اب کی بار زیادہ تلاوت کی، میں نے ان اہل قبور میں خوشی و مسرت کی لہر محسوس کی، انہوں نے مجھ سے کہا: جزاک اللہ عنی خیر الجزاء، اس کے بعد میں نے ان سے عالم برزخ کے متعلق پوچھا، انہوں نے کہا کہ میں ان قبروں میں سے کسی کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا، البتہ میں اپنا حال آپ کو سناتا ہوں، جب سے میں نے دنیا

سے انتقال کیا ہے میں نے کسی قسم کا عذاب یا عتاب نہیں دیکھا، اگرچہ بہت زیادہ انعام و اکرام بھی نہیں ہے۔

میں نے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ کون سے عمل کی برکت سے تمہیں نجات ملی ہے؟ اس نے کہا: میں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ دنیاوی بکھیڑوں سے خود کو آزاد رکھوں اور ذکر الہی اور عبادت سے غافل کرنے والی چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کروں، اگرچہ اپنے اس ارادے کو مکمل عملی جامہ نہ پہنا سکا، تاہم خدائے بزرگ و برتر نے میرے حسن نیت کو پسند فرما کر مجھے یہ صلہ عطا فرمایا، بہر حال جب سب لوگ قیلولہ سے فارغ ہوئے تو شیخ بایزیدؒ سے گفتگو ہوئی اور ہم انہیں واپس لے آئے۔

گننام بزرگ

فرمایا: ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمہ اللہ کی درگاہ کے قریب سیر کر رہا تھا، اس دوران مجھے ایسی قبر نظر پڑی کہ اس کے ذکر کی وجہ سے زمین سے تحت الثریٰ اور فضا میں عرش معلیٰ تک ہر چیز ذاکر تھی، مجھے تعجب ہوا، میں نے فضیلت پناہ شیخ محمد پھلجی سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے، کہا کہ آپ بھی اس قبر پر مراقبہ کر کے اس کا حال معلوم کریں۔

مراقبہ کے بعد قریب قریب انہوں نے بھی وہی کیفیت بیان کی جو میں مشاہدہ کر چکا تھا، وہاں ہمیں ایک بوڑھا دیہاتی ملا، میں نے اس قبر کے متعلق اس سے معلوم کیا، اس نے بتایا کہ یہ ایک بزرگ کا مزار ہے، اس وقت میری عمر ۸۰ سال ہے میرے والد سو برس کے ہو کر فوت ہوئے اور میرے دادا کی ایک سو بیس سال عمر ہوئی، میں نے اپنے والد سے سنا، وہ اپنے والد سے نقل کرتے تھے کہ اس مزار پر ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا، لوگ نذر نیاز لایا کرتے تھے، حضرت قطب الدینؒ کے مزار کی طرح زائرین دور دراز سے یہاں آ کر قیام کرتے تھے، اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ بزرگ گننامی میں چلے گئے اور لوگ اس مزار سے غافل ہو گئے۔

سفری نماز

فرمایا: ایک سفر کے دوران مجھے خیال آیا کہ سفری نماز میں قصر رخصت ہے (۱)؛ کبھی کبھار سفر کی حالت میں مکمل نماز بھی پڑھ لینی چاہئے، چنانچہ اس دفعہ میں نے قصر نہیں کی، رات کو خواب میں میں نے حضرت امام شافعیؒ کو دیکھا کہ آپ بے حد مسرور اور میری طرف متوجہ ہیں۔

تکلیف سے نجات

فرمایا: کہ میرے والد شہید شہادت کے بعد کبھی کبھار ظاہری شکل و صورت میں مجسم ہو کر میرے پاس تشریف لایا کرتے تھے اور حال و مستقبل کی خبریں سناتے تھے، ایک دفعہ مخدومی برادر گرامی کی دختر کریمہ بیمار ہو گئی، اس کی بیماری نے طول پکڑا، انہی ایام میں ایک دن تن تنہا میں اپنے حجرے میں سو رہا تھا، کہ اچانک والد صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں کریمہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن گھر میں بہت سی مستورات آئی ہوئی ہیں، انکی موجودگی میں وہاں جانا طبیعت پر گراں گزرتا ہے، ان کو ایک طرف کر دو، چونکہ اس وقت ان مستورات کا اٹھانا خلاف مصلحت تھا اس لئے میں نے انکے اور کریمہ کے درمیان پردہ لٹکا دیا، اسکے بعد وہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ کریمہ اور میرے علاوہ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا، کریمہ نے انہیں پہچان لیا اور کہا: عجیب بات ہے لوگ انکو شہید کہتے ہیں، حالانکہ یہ زندہ ہیں، فرمانے لگے: بیٹی! اس بات کو چھوڑو، تم نے بیماری میں کافی تکلیف برداشت کی ہے، انشاء اللہ کل صبح کی اذان کے وقت تمہیں مکمل نجات مل جائے گی، یہ بات فرما کر اٹھے اور دروازے کے راستے باہر نکلے، میں بھی ان کے پیچھے روانہ ہوا، فرمایا: تم ٹھہرو، اور پھر غائب ہو گئے، دوسرے روز فجر کی اذان کے وقت کریمہ کی روح پرواز کر گئی اور اس نے ہر قسم کی تکلیف سے نجات حاصل کر لی۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر کیلئے قصر کرنا واجب ہے، جبکہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک رخصت ہے۔

روح کا رقص

حضرت والد ماجد ایک دفعہ قصبہ پھلت میں تھے، عرس کے روز ایک بزرگ تشریف لائے، قوالوں نے نغمہ چھیڑا، تھوڑی دیر کے بعد وہ بزرگ فرمانے لگے: شیخ ابوالفتح قدس سرہ کی روح محفل میں آ کر رقص کر رہی ہے، عنقریب ان کے جذب کے اثرات اہل محفل پر طاری ہو جا یینگے، تھوڑی ہی دیر میں مجلس کا رنگ بدل گیا اور ہاؤ ہو کے مستانہ نعروں سے محفل گونج اٹھی۔

شیخ محمد پھلتیؒ

حضرت والد گرامی جب کبھی مخدومی شیخ محمد پھلتی قدس سرہ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھتے تو فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے، اور مجھ سے معارف حاصل کرتی ہے۔ ایک دفعہ اس فقیر (ولی اللہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض فیوض و معارف عطا فرمائے، پھر فرمایا: مخدومی شیخ محمد پھلتی قدس سرہ کی روح پر فتوح نے مجھے حکم دیا ہے کہ فلاں (ولی اللہ) کو کچھ معارف کی تعلیم دو، وہ تمام میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔

وبا کا فرشتہ

فرمایا: ایک دفعہ میں چند احباب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کلمبا تڑنگا خوفناک شخص ہاتھ میں تیرو کمان لئے ہوئے آیا اور مسنون طریقہ سے سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا، اس نے بتایا کہ میں وبا پر مقرر فرشتہ ہوں، عرصہ سے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی، آج ہمارا لشکر اس علاقے سے گزرا ہے، میں نے سوچا اچھا اتفاق ہے، آپ سے مل لوں، آج ہمیں فلاں جگہ سے کوچ اور فلاں مقام پر پہنچنے کا حکم ہے، میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ آپ کے احباب و معتقدین میں سے کوئی اس وبا میں ہلاک نہیں ہوگا، اس کے بعد اس نے سلام کیا اور چلا گیا، چند دنوں میں وباء اسکے بتائے ہوئے علاقے میں منتقل ہو گئی اور معتقدین بھی محفوظ رہے۔

ملک الموت

فرمایا: ایک ذمہ میں تنہا اپنے حجرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم چاہو تو ابھی اس دنیا سے دارالآخرت کی طرف منتقل ہو سکتے ہو اور اگر چاہو تو کچھ عرصہ بعد، میں نے جواب دیا: ابھی کچھ کمالات اور منازل حاصل کرنا باقی ہیں اور میں ان کی امید میں ہوں، کہنے لگا: اچھا تمہاری مرضی کے مطابق تمہاری موت مؤخر کر دی گئی ہے، اسکے بعد وہ شخص واپس ہوا، میں نے اس کی پشت پر جڑے ہوئے مرصع جواہرات دیکھے، یہ قصہ مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

کفر کا انجام

فرمایا: ایک دفعہ میں روہتک کے شہر میں تفریح کے ارادے سے باہر نکلا، راستے کی تھکاوٹ اور دن کی گرمی کے باعث تھوڑی دیر ستانے کے لیے ایک مقبرے میں چلا گیا، اندر جاتے ہی مجھے احساس ہوا کہ ان قبور میں آگ بھڑک رہی ہے اور اس کی تپش کے اثرات میں محسوس کرنے لگا، میں نے احباب سے کہا کہ اس مقبرے سے جلدی باہر نکلو، کیونکہ یہاں آگ بھڑک رہی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی مسلمان دفن ہے، وہاں ایک ہندو بھی موجود تھا، وہ متعجب ہو کر کہنے لگا: آپکو کیسے معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہیں؟ میں نے کہا: کشف کے ذریعے، پھر اس ہندو نے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کی قبریں نہیں، بلکہ یہاں پر چند یوگی زندہ درگور ہو گئے تھے، بعد میں لوگوں نے مسلمانوں کی طرز پر انکی قبریں بنا ڈالیں۔

اولیاء اللہ کے ساتھ بحث و تکرار

فرمایا: ایک صاحب کشف بزرگ بعض کشفی مسائل کے بارے میں اکثر مجھ سے جھگڑتے رہتے تھے، ہم نے معاہدہ کیا کہ ہم دونوں میں سے جو بھی اس دنیا سے پہلے انتقال کر جائے وہ دوسرے کو ان مسائل کی حقیقت سے مطلع کرے۔

اس بزرگ کی وفات کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ فردوس کے بلند مقام پر فائز اور گوناگوں نعمتوں سے بہرہ مند ہے، لیکن اس کی بصارت کمزور ہے، میں نے بصارت کی کمی کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ اسکا باعث وہی عقیدہ ہے جس پر میں تمہارے ساتھ بخشیں کیا کرتا تھا۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ شیخ عبدالباقی لکھنویؒ نے وحدت الوجود کے متعلق بہت مطالعہ کیا تھا، لیکن کم فہمی کی بنا پر عبادات اور اسلامی عقائد کے بارے میں سست تھے، ان کی وفات کے بعد والد گرامی ان کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر وہاں قیام فرمایا، اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ عبادات و عقائد میں کمزوری کی وجہ سے ماخوذ تھے، لیکن میں نے ان کی شفاعت کر دی ہے۔

خیر خواہی کا ثمرہ

فرمایا: اکبر آباد کا قصہ ہے بارش اور ہواؤں کے موسم تھا میں سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا، راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ کتے کا بچہ دل دل میں ڈوب رہا ہے اور خوب زور زور سے چلا رہا ہے۔ اس کی مصیبت اور دردناک آواز سے میرا دل بھر آیا، میں نے خادم سے کہا کہ جلدی جاؤ اور اس پلے کو باہر نکالو، اس نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے انکار کیا، میں جلدی جلدی گھوڑے سے اترا، کپڑے اوپر چڑھائے اور پانی میں اترنے کے لیے آگے بڑھا، خادم نے جب یہ صورت حال دیکھی تو چارونا چاروہ خود آگے بڑھا اور پلے کو باہر نکال لایا۔

قریب ہی ایک حمام تھا، وہاں سے گرم پانی لیکر میں نے اس کو نہلایا، طباخ سے روٹی اور شوربا لیکر اسے خوب کھلایا، پھر میں نے کہا: یہ کتا اس محلے کا ہے، اگر اس محلے والے اس کی خبر گیری کا ذمہ اٹھائیں تو بہتر، ورنہ ہم اس کو اپنے محلے میں لے جائیں گے، طباخ نے یہ ذمہ داری قبول کر لی، چنانچہ یہ کتا اس کے حوالے کر کے میں رخصت ہو گیا، کچھ عرصہ بعد میں اسی محلے کے اسی کوچے سے گزر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ سامنے ایک کتا آ رہا ہے اور اس کوچے میں کچھ کچھ بھی ہے، میرے دل میں آیا، اس جگہ سے جلدی گزر جانا چاہئے تاکہ کتے کے ناپاک چھینٹے

کپڑوں پر نہ پڑیں، میں تیزی سے آگے بڑھا، مگر کتا مجھ سے بھی زیادہ تیزی سے آگے آیا، اسی کیچڑ پر ہم ایک دوسرے کے قریب آگئے، مجھے دیکھ کر وہ کتا ٹھہر گیا اور صاف زبان میں کہنے لگا: السلام علیک میں نے وعلیک السلام کہا، پھر اس نے کہا: تم نے حدیث قدسی میں پڑھا ہے: رب العزت فرماتا ہے: ”یا عبادى انى حرمت الظلم على نفسى وجعلته عليكم محرما فلا تظلموا“ (۱) میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے، اسی طرح تمہارے لیے بھی ظلم حرام ہے، پس ظلم نہ کرو) مجھ پر تم نے کیوں ظلم کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے تو کچھ علم نہیں کہ میں نے کون سا ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: راستہ اور کوچہ انسان اور حیوان دونوں کی گزرگاہ ہے، اصولاً ہمیں حسب عادت نرم رفتار سے آنا چاہئے تھا پھر بھی ہم دونوں اگر اکٹھا ہو جاتے تو اس میں کوئی حرج نہ تھا، میں نے کہا:

انسان پر عبادت الہی کی بجا آوری کے لیے جسم اور کپڑوں کی پاکیزگی بھی فرائض میں شامل ہے، میں نے سوچا میں جلدی سے گزر جاؤں کیونکہ اگر میرے کپڑے ناپاک ہو گئے تو انہیں پاک کرنے میں وقت لگے گا، اس نے کہا: اس وقت تمہارے دل میں یہ خیال نہ تھا بلکہ محض کتے سے نفرت و کراہت کے سبب جلدی گزر جانا چاہا، اب اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایک جائز عذر بہانہ بنا رہے ہو، اگر تمہارے کپڑے پلید ہو جاتے تو وہ پانی کی معمولی مقدار سے پاک ہو سکتے تھے، لیکن اگر انسانی قلب تکبر اور خود بینی کی گندگی سے ناپاک ہو جائے تو سات دریاؤں کے پانی سے بھی پاک نہیں ہو سکتا، میں نے اس بات پر اس کو داد دی اور دل میں شرمسار ہوا، اسکے بعد میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور اسے کہا: تم نے مجھے نصیحت کی ہے، اب اس راستے سے گزر جاؤ، کہنے لگا: گزشتہ زمانے کے درویش قربانی و ایثار کا جذبہ رکھتے تھے، لیکن اس دور کے فقراء اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں، میں نے کہا: ان دو لفظوں کی تشریح تو

کرو! کہنے لگا: پہلے فقراء خراب اپنے لیے اور نفیس دوسروں کے لیے اختیار کرتے تھے، لیکن اس دور کے درویش اچھی چیز اپنے لیے لے لیتے ہیں اور بری دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں صاف راستہ تم نے پسند کر لیا ہے اور کیچڑ والا راستہ میرے لیے چھوڑ دیا ہے، یہ سنتے ہی میں خراب راستے کی طرف ہولیا اور اس کے لیے صاف راستہ چھوڑ دیا۔

پھر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ پاکیزہ عقل عطا کرے اور عقل کور سے بچائے، میں نے پوچھا: پاکیزہ عقل کیا ہے اور عقل کور کون سی؟ کہنے لگا: پاکیزہ عقل یہ ہے کہ بغیر کہے سننے آدمی صحیح راستہ اختیار کرے، اور عقل کور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے وہ بھٹکتا رہے، اس کے بعد اس نے سلام کیا اور رخصت ہو گیا، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کچھ نہ تھا، میں نے جان لیا کہ پلے کو باہر نکالنے کا عمل مقبول ہو گیا ہے، اور اسی کے نتیجے میں یوں تعلیم دی جا رہی ہے۔

طائرانِ نکتہ داں

فرمایا: رمضان المبارک کے آخری دن (جب کہ عید کے چاند کی توقع ہوتی ہے) میں مسجد حبوط میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک چڑیا آ کر کہنے لگی: کل عید ہے، میں نے یہ بات حاضرین کو بتادی۔ فرہاد بیگ کہنے لگے: حیوانات کی باتوں کا کیا اعتبار، اس پر وہ چڑیا کہنے لگی: جھوٹ بنی آدم کی عادت ہے، ہم اس سے آزاد ہیں، پھر وہ اڑ گئی اور ایک دوسری چڑیا کولائی، اس نے بھی اس بات کی گواہی دی، اسکے بعد جلد ہی قاضی شہر کے سامنے چاند کی شرعی شہادتیں پیش ہو گئیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے چڑیوں کی گفتگو کے بارے میں پوچھا، فرمانے لگے: ان کی آواز بھی دوسری چڑیوں کی طرح چوں چوں ہی تھی، مگر لطفِ ربانی سے میں نے ان کی چوں چوں سے با معنی مفہوم اخذ کر لیا۔

شیخ فقیر اللہ بیان کرتے تھے کہ ایک جنگلی کوادوسرے تیسرے دن حضرت کی خدمت میں آیا کرتا تھا اور توحید کے بارے میں پوچھا کرتا تھا، کچھ عرصے بعد آپ نے اسے نہ پایا تو شیخ فقیر

اللہ سے پوچھا کہ اکثر یہاں پر ایک کو ابیٹھا کرتا تھا، جسے میں چند دنوں سے نہیں دیکھ رہا؟ میں نے عرض کیا: فلاں شخص نے اسے شکار کر کے اپنے شکاری پرندے کو کھلا دیا ہے، آپ نے بہت افسوس کیا، رنجیدہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ کواموٰ حد تھا مجھ سے توحید کے بارے میں اکثر سوالات پوچھا کرتا تھا۔

صالح جن

فرمایا: ابتدائے حال میں بعض اوقات ساری ساری رات اور بعض دفعہ اکثر شب ذکر الہی میں گزرتی تھی، کبھی یہ ذکر اونچی آواز میں ہوتا کبھی آہستگی سے، ذکر کرتے وقت ہمارے ساتھ ایک نیک بخت جن بھی انسانی شکل میں شریک ہوا کرتا، بعض احباب نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے بڑی سختی سے جواب دیا: تم یہ سوال کیوں پوچھتے ہو؟

جمعہ کے دن میرے وعظ میں بھی شریک ہوا کرتا تھا، ایک دن حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا جنات میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو نماز روزہ ادا کرتے ہوں؟ میں نے کہا: ہاں! یہ شخص جو تمہارے درمیان موجود ہے جنات کے متقی افراد میں سے ہے، وعظ سننے کے لیے آیا کرتا ہے، یہ سن کر وہ ایسا غائب ہوا کہ پھر نظر نہ آیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) نے اس کی شکل و شبہت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اس کی پیشانی اور آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔

صوفی جن کی ہمدردی

فرمایا: ایک جن نے مجھ سے اشغال و اوراد سیکھے، ایک دن میں گھوڑے پر جا رہا تھا کہ وہ انسانی شکل میں سامنے آ گیا اور صلوٰۃ التسبیح کے متعلق پوچھنے لگا، میں نے اسے بتایا، جہاں اسے میری بات پوری طرح سمجھ میں نہ آتی وہ دوبارہ پوچھتا، یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ گیا۔

ایک دن محمد غوث کی چار پائی پر یاں اٹھا کر لے گئیں اور اسے تکلیف پہنچانے لگیں، یہی جن وہاں پہنچ گیا اور اس نے پریوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر محمد غوث کو چھڑایا اور اسے کہا کہ حضرت والا سے سلام کے بعد کہنا کہ پر یاں تمہیں ایذا پہنچا رہی تھیں، میں نے انہیں بھگا دیا۔

ایک بار آ کر کہنے لگا: میرا دکن جانے کا ارادہ ہے، معلوم نہیں وہاں سے زندہ واپس آسکوں یا نہ آسکوں، میری نجات کے لیے دعا کیجئے، میں نے دعا کی اس کے بعد پھر وہ نظر نہ آیا۔

جن طالب علم

فرمایا: اکبر آباد میں محمد زاہد کے درس سے واپسی پر سید لطف سونی پتی کے دروازے سے میرا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ دروازے پر پریشان کھڑے ہیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمانے لگے: ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں، یہ کہہ کر مجھے گھر کے اندر لے گئے، ان کی ایک عزیزہ کو جن نے پاگل کر رکھا تھا، مجھے دیکھتے ہی وہ تعظیم کے لئے اٹھا اور سلام کیا، میں نے کہا: تم کون ہو؟ کہنے لگا: میرا نام عبداللہ ہے اور میں محمد طاہر کا درس انسانی شکل میں پڑھتا ہوں، جب آپ اکبر آباد میں آئے اور محمد طاہر اپنے تلامذہ سمیت آپ کے استقبال کو شہر سے باہر آئے تو میں بھی ان میں موجود تھا، میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں، البتہ آپ مجھے نہیں پہچانتے۔

میں نے کہا کیا پڑھتے ہو؟ کہنے لگا: کافیہ میں مفعول مطلق کی بحث کا وہ حصہ پڑھ رہا ہوں جہاں سے مصنف ”لبیک وسعدیک“ سے بحث کرتے ہیں، میں نے کہا: ان دونوں لفظوں کی اس طرح نحوی تشریح کرو کہ جو طالب علم بیان نہ کر سکتے ہوں، اس نے تشریح کی، میں نے کہا: میں محمد طاہر سے تمہاری سفارش کروں گا تا کہ وہ تمہاری طرف زیادہ توجہ رکھیں۔

اس نے کہا: اگر انہیں پتہ چل گیا کہ میں جن ہوں تو وہ مجھے ہرگز نہیں پڑھائیں گے، پھر اس نے کہا: میرا طریقہ یہ ہے کہ میں رات کو چار حصوں میں تقسیم کر لیتا ہوں، ایک حصے میں نماز پڑھتا ہوں، دوسرے میں نفی و اثبات کرتا ہوں، تیسرے حصے میں کافیہ کا مطالعہ کرتا ہوں، اور

آخری حصے میں آرام کرتا ہوں اور دن بھر محمد طاہر کے پاس رہتا ہوں، ایک اونچی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے کہا: میں یہاں رہتا ہوں، اس عورت نے اس مقام پر پیشاب کر کے میری جگہ کو ناپاک کر دیا ہے، اور میرے نظام الاوقات کو خراب کر دیا ہے، اسی لیے میں نے اسے تکلیف دی ہے۔

میں نے حکم دیا، فوراً اس جگہ کو پاک کر کے خوشبو میں بسا دیا گیا، اس انتظام سے وہ خوش ہو گیا اور واپس چلا گیا، فوراً وہ عورت ہوش میں آگئی اور شرم و حیا کے مارے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔
شاہ عبدالرحیمؒ کے تصرفات، مکاشفات اور دیگر کرامات کا بیان۔

کامیاب امتحان

فرمایا: ایک آدمی شیخ عبدالاحد سرہندی کی مجلس میں کہنے لگا کہ اس زمانے میں کوئی صاحب کرامت نہیں ہے، شیخ نے اس کے عقیدہ کی اصلاح کے لیے اسی کے سامنے سات روپے میری نذر کے لیے مقرر کر دیئے، پھر فرمایا: پہلے پانچ روپے پیش کریں گے، دیکھیں کیا فرماتے ہیں؟ پھر مجھے کہلا بھیجا کہ میں آج آپ کی ملاقات کے لیے آ رہا ہوں۔

میں نے کہلایا: بہتر یہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لیے آؤں، انہوں نے فرمایا: میں نے سواری کا انتظام کر لیا ہے، میں نے کہا: سواری کا ارادہ بے سود ہے، ہمارے درمیان جب یہ بات بڑھی تو ہم نے باہم ایک درمیانی جگہ کا انتخاب کر لیا کہ ہم میں سے جو بھی پہلے اس مقام پر پہنچے گا وہ دوسرے کو واپس لے جائیگا۔

میں نے گھوڑے کے لیے بہت کوشش کی، لیکن کہیں سے میسر نہ آسکا، اسی طرح شیخ عبدالاحد نے پاکی تیار کرائی لیکن انہیں چوتھا کہا رن مل سکا، آخر کار میں ان سے پہلے پہنچ گیا اور انہیں واپس ان کے دولت کدہ پر لے گیا۔

جب ہم وہاں پہنچے تو انہوں نے پانچ روپے میرے سامنے رکھ دیئے اور فرمانے لگے: یہ آپ کی نذر ہیں، میں نے کہا: میری نذر یہ نہیں، میری نذر تو سات روپے ہے۔

چنانچہ انہوں نے پورے سات روپے پیش کئے، اس کے بعد شیخ عبدالاحد نے ازراہ خوش طبعی فرمایا کہ اس کامیاب امتحان پر آپ کی خدمت میں دو روپے اور بھی پیش کرنے چاہئیں، چنانچہ دو روپے مجھے پیش کئے پھر فرمایا: یہ سب کچھ اس شخص کی اصلاح کے لیے کیا ہے۔

قلندر کا حساب

فرمایا: شیخ عبدالاحد رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف میں تھے، میں ان سے ملاقات کے لیے وہاں پہنچا، باتوں کے درمیان انہوں نے کہا: پرسوں عید ہے، پھر ملاقات ہوگی، میں نے کہا: نہیں، بلکہ عید اس کے بعد ہوگی، فرمانے لگے: جنتری والے یہی کچھ کہتے ہیں، میں نے کہا: لیکن میرا حساب یوں کہتا ہے، چنانچہ جیسے میں نے کہا تھا اسی طرح ہوا۔

اندر کی بات

فرمایا: ایک مرتبہ شیخ عبدالاحد پورب یا کسی دوسرے علاقے سے واپس آئے تو میرے لیے ایک تحفہ بھی لیتے آئے، فرمانے لگے کہ کشف سے بتلا دیں کہ کیا لایا ہوں تو سمجھوں گا کہ تحفہ قبول ہو گیا، میں نے کہا: ابھی تو معلوم نہیں بعد میں بتلا سکوں گا، چند دنوں بعد میں آرام کر رہا تھا کہ اس ہدیے کی شکل مجھ کو دکھائی گئی۔

جب دوسری بار ملاقات ہوئی تو میں نے کہا: کہ یہ ایک دوہرے رنگ کا کپڑا ہے، ایک حصہ سبز پھولدار ہے اور دوسرا حصہ بادامی رنگ کا ہے اور بناوٹ میں ہمارے لباس کی طرح نہیں ہے، یہ ایک ایسی چادر کی طرح ہے کہ اس کا اوپر والا حصہ گھماؤ دار اور نچلا حصہ سپاٹے، یہ ایک چہارخانہ کپڑے میں لپیٹا ہوا ہے۔

کہنے لگے: اور تو سب درست ہے لیکن وہ چار خانہ کپڑے میں لپٹا ہوا نہیں ہے، کچھ روز بعد انہوں نے یہ کپڑا ایک آدمی کے ہاتھ بھجوا دیا، اس وقت وہ چار خانہ چیک میں لپٹا ہوا تھا، انہوں نے اس کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ پہلے یہ جس کپڑے میں بندھا ہوا تھا، وہ کپڑا کام آ گیا، لہذا اسے اس کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا گیا، یہ کپڑا چار خانہ تھا، اس درمیانی تبدیلی کا شاہ عبدالاحد کو علم نہ ہو سکا تھا۔

مشکل جسے سمجھا ہے تو

فرمایا کہ شیخ عبدالاحد سرہند سے چار مسئلے لے کر میرے پاس آئے، جب باتیں چلیں تو کہنے لگے: ایک تو ان میں سے بہت ہی آسان ہے، دو درمیانی درجے کے اور چوتھا بمشکل پورا ہونے والا ہے، اس پر میں نے کہا کہ جسے تم زیادہ مشکل سمجھ رہے ہو وہ تو بادشاہ سے پہلی ملاقات میں ہی پورا ہو جائے گا، اور وہ دو جو اوسط درجے کے ہیں ایک دو تین مہینے بعد اور دوسرا پانچ چھ مہینے میں پورا ہو جائیگا، اور جسے تم آسان سمجھ رہے ہو اس کا ہونا نہ ہونا میری زبان پر موقوف ہے، جب تک میں نہیں کہوں گا اس کے حل کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی۔

اس گفتگو کے بعد انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی، میری ترتیب سے بتایا ہوا پہلا عقدہ اسی وقت حل ہو گیا اور دوسرا تیسرا میری بتائی ہوئی میعاد کے مطابق مگر چوتھا جوں کا توں رہ گیا۔

دوبارہ ملاقات کی اور مجھ سے توجہ کے طالب ہوئے۔

میں نے کہا: ایسے نہیں، پہلے تمہیں شہر کے ان بزرگوں سے رجوع کرنا چاہئے جو کشف و کرامت میں پوری شہرت رکھتے ہوں، ان سے مشکل حل ہونے کی میعاد مقرر کروانی چاہئے۔

وہ ایک نامور صاحب کشف بزرگ کے پاس گئے، بزرگ نے تین ہفتے کی میعاد مقرر کر دی، یہ وقت گزر گیا مگر کچھ حل نہ ہوا، پھر دوسرے بزرگ کی طرف رجوع کیا، انہوں نے ایک ماہ کا عرصہ بتایا، وہ بھی گزر گیا مگر کام ہونے کے کچھ آثار نظر نہ آئے، پھر میرے پاس لوٹ کر آئے

اور توجہ کے طالب ہوئے، میں نے کہا: کچھ فرصت چاہئے، تاکہ میری زبان سے خود بخود کام ہونے کی بشارت نکلے، انہوں نے اپنا مسئلہ کاغذ پر لکھ کر فقیر اللہ کے حوالہ کر دیا تاکہ روز آ نہ اشراق اور نماز عشا کے بعد وہ مجھے دکھاتا رہے، مدت لمبی ہو گئی اور انتظار کی گھڑیاں حد سے بڑھ گئیں، اتفاق سے ایک دن طبیعت کھل اٹھی اور میں نے فوراً کہہ دیا کہ بادشاہ کے پاس جائیے کام ہو جائیگا۔

وہ اسی دن دربار میں چلے گئے، بادشاہ نے توجہ سے پوچھا کہ کوئی مطلب ہے تو بتلائیے، انہوں نے سارا قصہ بیان کیا، اسی وقت حسب منشا کام ہو گیا۔

ختم بے سود

فرمایا کہ میں شیخ عبدالاحد کے دولت کدہ پر گیا، وہ ختم خواجگان پڑھ رہے تھے، مجھ سے بھی اس میں شریک ہونے کی درخواست کی۔

میں نے کہا: ختم پڑھنا بے سود ہے، اس سے آپ کا کام نہیں ہوگا، کہنے لگے: کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون سا کام ہے؟ میں نے کہا: ہاں! فلاں کام ہے اور اس کا حل اس عورت کے ہاتھ میں ہے، جس کی شکل ایسی ہے اور عمر یہ ہے، اس طرح میں ان کی زندگی کا پورا کچا چٹھا اور کرتوت بیان کرنے لگا، تو وہ کہنے لگے: خدارا! بس کیجئے، راز ظاہر ہوئے جاتے ہیں۔

بڑی بوتل

حضرت والد ماجد ایک دفعہ شیخ عبدالقدوس کے گھر گئے تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ حضرت کی خدمت میں شربت گلاب پیش کرو، وہاں دو بوتلیں رکھی ہوئی تھیں، لڑکے نے بڑی بوتل رکھ دی اور چھوٹی لا کر پیش کی، حضرت والد ماجد نے ہنستے ہوئے فرمایا کہ بیٹے، بڑی بوتل کیوں چھوڑ آئے ہو؟ وہ بھی لے آؤ۔

دعا کی درخواست

کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحد بیمار ہوئے اور حضرت والد ماجد عیادت کے لئے تشریف لے گئے، فقیر بھی ہمراہ تھا، شیخ نے صحت کے لئے دعاء کی درخواست کی تو حضرت والد چپ ہو گئے، ان کے عزیزوں نے دعاء کے لئے زور دیا تو پھر بھی خاموش رہے۔

بالآخر شیخ عبدالاحد نے حضرت کے دل کی بات سمجھ لی اور اپنے عزیزوں کو دعا کے لئے مجبور کرنے سے منع کر دیا کہ اولیاء کی بارگاہ میں اصرار نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت والد ماجد وہاں سے اٹھے تو فقیر سے فرمایا کہ شیخ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں، اس وقت دعا سے کچھ فائدہ نہ ہوتا، میری خاموشی میں یہی حکمت تھی، شیخ چند دنوں کے بعد آغوش رحمت میں چلے گئے۔

مکار نقاب پوش

ایک دن حضرت والد ماجد اس فقیر کو علم و عرفان کے عجیب نکتے تعلیم فرما رہے تھے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

”اتقوا فراسة المؤمن فإنه ينظر بنور الله“ (۱)

مومن کی فراست کا لحاظ کرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

کی بحث چل نکلی اس کی تشریح میں آپ نے دو قصے بیان فرمائے۔

ایک قصہ شیخ رفیع الدین کی فراست کا، جو اپنی جگہ بیان ہوگا اور دوسرا قصہ اپنی فراست کا۔ کہ ایک مرتبہ فقیرانہ بھیس میں، ایک نقاب پوش شخص میرے پاس آیا، بظاہر بڑا درد مند، بات بات میں عاشقانہ شعر اور پرسوز ہندی دوہے پڑھتا اور گریہ وزاری کرتا تھا، مجھ سے قیام کے

لئے حجرہ مانگا اور رشد و ہدایت کی طلب جتائی، میں نے بالکل انکار کر دیا، جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا: یہ کالا سانپ ہے اس سے ڈرنا چاہئے، حاضرین نے اس بات کو ماننے میں تامل کیا۔ ایک مدت کے بعد وہ فقیر عورتوں کے لباس میں آیا اور عاقل خاں صوبیدار دہلی کے گھر کے اندر خیرات کی تقریب میں عورتوں کے ساتھ چلا گیا، باہر آتے وقت دربان نے اس کی رفتار دیکھ کر کہا کہ یہ تو عورتوں کی چال نہیں ہے، لہذا تفتیشکے خیال سے اس کے پیچھے چل پڑا، آخر حقیقت کھل گئی اور اسے قید کر لیا گیا، بالآخر معلوم ہوا کہ وہ کسی عورت کو بھگائے ہوئے پھر رہا تھا، اسی لئے اس نے نقاب پوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، اس کا فقیرانہ سوز و ساز اور درد مندی محض ایک چال تھی۔

غائبانہ حفاظت

فرمایا: عبدالحفیظ تھانیسری نے اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا اور میرے پاس رخصت کے لئے آئے، ایک دستار اور نصف روپیہ نذرانہ بھی لائے اور چاہا کہ نصف روپیہ مخدومی ابوالرضا کی خدمت میں پیش کرے۔

میں نے خوش دلی سے کہا کہ تمہیں اعظم آباد کے میدان میں بہت خوفناک مشکل پیش آئے گی، بہلی کا ایک پہیہ نکل جائیگا، میدان میں اسے ٹھیک کرنا بہت مشکل ہو جائیگا، جو شخص سوار یوں کی حفاظت، چوروں اور ڈاکوؤں کی مار ڈھار سے بچانے اور ساز و سامان کی حفاظت میں کوشش کرے گا مناسب ہے کہ اسے پورا روپیہ دیا جائے۔

اس نے پورا روپیہ مجھے دے دیا اور رخصت ہو گیا، ایک مدت کے بعد جب واپس لوٹا تو کہا کہ اس خوفناک وادی میں جہاں ڈاکوؤں کا بہت خطرہ تھا بہلی کا پہیہ جدا ہو گیا، اور کچھ دور تک بغیر پہیے کے گاڑی چلتی رہی، ہمیں کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور پھر اس بیابان میں آسانی کے ساتھ ٹھیک کر لیگی، یہاں تک کہ ہم ساتھ والے قافلے سے ذرا بھی پیچھے نہ رہے۔

اور چراغ جلتا رہا

سننے میں آیا ہے کہ ایک دن مخدومی شیخ ابوالرضا کی مجلس میں توجہ اور تاثیر کی بات چل رہی تھی، رات کا وقت تھا، تیز ہوا چل رہی تھی، چراغ روشن کرنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا، حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ نگاہیں چراغ پر مرکوز رکھو، قدرت کے عجیب تماشے نظر آئیں گے۔

چراغ کو پیالے میں رکھ کر لے آئے، حضرت والد چراغ کی طرف متوجہ ہوئے، جب حضرت نے پوری توجہ ڈال دی تو پیالہ بھی چراغ سے ہٹا دیا گیا، چراغ بے خطر جلتا رہا، اس کی لو پر آندھی کا کچھ اثر نہ ہوا۔

منکر کی توبہ

فرمایا: محمد ظفر نے مجھے خط لکھ کر ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا، جسمیں لکھا تھا کہ خط لانے والا توجہ و تاثیر کا منکر ہے، اگر اس پر نگاہ عنایت ہو جائے تو اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جائیگی، خط پڑھتے ہی میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے ہوش ہو کر اپنے آپ سے بالکل بے خبر ہو گیا اور تاثیر کے انکار سے تائب ہو گیا۔

نذر اور بھول

حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل پیش آئی، اس نے نذر مانی کہ بارِ خدا یا! اگر میری مشکل حل ہو جائے تو اتنی رقم شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں ہدیہ پیش کروں گا، وہ مشکل حل ہو گئی تو نذر کا خیال دل سے جاتا رہا، کچھ دنوں بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو کر ہلاکت کے قریب پہنچ گیا، مجھے اس بات کی روحانی طور پر اطلاع ہوئی تو میں نے ایک نوکر کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے کے سبب ہے، اگر گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو جو نذر فلاں موقع پر تم نے مانی تھی، وہ بھیج دو، یہ سن کر وہ نادام ہوا اور نذر بھجوا دی، اس کا گھوڑا فوراً درست ہو گیا۔

دعائیں پڑھنے والا

فرمایا: ایک مستجاب الدعاء شخص ایران کے راستے روم سے ہندوستان پہنچا، اسے عبد اللہ چلی کہتے تھے، اس سے بہت سے عجائبات مشاہدے میں آئے، ان میں سے ایک یہ دیکھا گیا کہ وہ اپنے حجرے میں چالیس دن تک بغیر روٹی اور پانی کے اعتکاف میں رہا، حجرے کا دروازہ بند کر دیا تھا، اپنے پورے وجود کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے وہ باہر نکل آتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وہ کمرے کے اندر اندھیرے میں قرآن مجید لکھا کرتا تھا اور بار بار یہ بھی دیکھا گیا کہ وہ زمین کے اندر دھنس جاتا اور جہاں سے چاہتا باہر نکل آتا تھا۔

ان دنوں وہ ایرانیوں کے ایک گھر میں بادشاہ سے چھپ کر رہ رہا تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ صاحب کرامات اولیاء میں سے ہے، میں بھی اسے دیکھنے چلا گیا، اور جاتے ہی رافضیوں میں گھل مل گیا، بارہ مسائل میں گفتگو چل پڑی، میں تمام مسائل میں الزامی (۱) جو بات دے کر انہیں خاموش کرتا رہا، وہ داد دیتے اور قبول کرتے رہے، مگر میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میں سنی ہوں بلکہ یوں کہا کہ میرا مذہب ”خدا صفا ودع ما کدر“ (اچھی چیز لے لو اور بری چیز چھوڑ دو) ہے، اس بنا پر وہ زیادہ تعصب سے پیش نہ آئے، موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ایک مسئلہ دلائل برہانی، خطابي اور الزامی جو بات کی صورت میں انکے سامنے بیان کیا، انہوں نے قبول کیا اور انکار کی گنجائش نہ پائی، ان سے نمٹ کر میں نے عبد اللہ سے ملاقات کی، مگر اس کے اندر میں نے طریقہ اولیاء میں سے کچھ نہ پایا، یہ دیکھ کر میں نے اس کی تعظیم سے منہ پھیر لیا، ایرانیوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ انتہائی شوق سے آئے مگر دیکھنے کے بعد منہ پھیر لیا؟

اوہ جواب جو اگلے کو محض خاموش کرنے کے لئے دیا جائے، ضروری نہیں کہ وہ درست ہی ہو، مثلاً نقل ہے کہ ایک بے وقوف بادشاہ نے کسی عقلمند سے معلوم کیا، بتاؤ زمین کا بیج کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ جہاں میرے گدھے کے پاؤں ہیں یہاں زمین کا بیج ہے، یقین نہ ہو تو ناپ لو۔

میں نے کہا: ولی سمجھ کر آیا تھا مگر یہ تو دعائیں پڑھنے والا نکلا، عبد اللہ نے یہ سن کر خوب داد دی اس کے بعد وہ دعائے سینفی پڑھنے میں مشغول ہو گیا، دعا میں ایک ایسا مقام آیا جہاں نحو کے قاعدے سے دو اعراب پڑھے جاسکتے تھے، مگر ذوق و وجدان کے اعتبار سے ایک اعراب متعین تھا، اس نے خلاف ذوق اعراب اختیار کیا۔

میں نے اس سے کہا کہ غلط پڑھ رہے ہو!

کہنے لگا: یہ غلط نہیں، بلکہ ٹھیک ہے، مناظرہ کرنے لگا اور دعائے سینفی کے وہ تمام نسخے منگوا لیے جو اساتذہ سے اسے ملے ہوئے تھے، تمام نسخے اسی اعراب کی تائید کر رہے تھے، یہاں تک کہ تیرھواں نسخہ جو حضرت جام کے تبرکات میں سے تھا، بعض امراء کے گھر سے منگوا یا، اس میں اعراب میرے موافق نکل آیا، داد دی اور اعتراف کیا، پھر ایرانیوں سے کہنے لگا: جانتے ہو اتنی بحث میں کیوں کر رہا ہوں؟ اس لئے کہ میں جب بھی اس مقام پر پہنچتا تھا تو نور کے بجائے ظلمت نظر آتی تھی، بالآخر یہ عبد اللہ چلی طریقہ قادر یہ میں مجھ سے بیعت ہو گیا۔

باورچی کی امامت

فرمایا: ایک دفعہ سید لطف کے دولت کدہ پر جانا ہوا تو وہاں ایک ایسے فاضلے ملاقات ہوئی جو صوفیاء کی بعض باتوں کا منکر تھا، نماز کا وقت ہوا تو اسی کو امام بنایا گیا، اس وقت چولہے پر دیگچہ رکھا تھا اور نوکر باز آ گیا ہوا تھا، صوفیاء کے اس منکر امام کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں کھانا جل نہ جائے، اسے یہ خیال پوری نماز میں ستا تا رہا، میں اس بات پر روحانی طور پر مطلع ہوا اور اسکی اقتداء چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنے لگا، جب وہ نماز ختم کر چکے تو شکایت کرنے لگے کہ اکیلے نماز پڑھنے کا کیا سبب تھا؟ میں نے کہا: تم تو نماز میں اپنے نوکر کے پیچھے دوڑتے اور کھانا پکاتے پھر رہے تھے، میں تمہاری اقتداء کیسے کرتا؟ اس نے اعتراف کیا اور صوفیاء کے انکار سے باز آیا۔

منکر کو نفع نہیں

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور ان کے بعض احباب سے تفصیلاً سننے میں آیا ہے کہ سرہند کا ایک شخص ولایت کا منکر تھا، پہلے پہل ایک بزرگ سے بیعت کر کے اس سے فیض حاصل کیا۔ اتفاقاً عید کے دن شیخ احمد سرہندی کے صاحبزادے شیخ محمد معصوم سے مصافحہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ میاں! دیر سے آئے ہو، کہاں تھے؟ اس قسم کے دو تین جملے اور ارشاد فرمائے تو اس کا دل ان کی طرف مائل ہو گیا، اور آنا جانا شروع کر دیا، پہلے بزرگ کے یہاں جانے میں کمی کر دی، جب اسے یہ قصہ معلوم ہوا تو وہ توجہ کے ذریعہ شیخ محمد معصوم کو ہلاک کرنے پر کمر بستہ ہو گیا، انہوں نے مدافعت کی، یہاں تک کہ اس کا بھیجا ہوا نثر اسی پر پلٹا اور وہ ہلاک ہو گیا، اس کے بعد وہ میدان کی خدمت میں اسی طرح رہتا رہا۔

کافی مدت بعد ادھر سے بھی اس کے دل میں شک و اضطراب پیدا ہوا، الغرض اسی طرح وہ درویشوں کے پاس آتا جاتا اور انکار کرتا رہا اور اسی وجہ سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکا، ایک دن میرے پاس آیا اور کہنے لگا کوئی شخص بھی صاحب تصرف نہیں ہے، یہ سن کر میں نے اس پر توجہ ڈالی تو وہ بے خود ہو گیا اور اسی بے خبری کے عالم میں دیکھا کہ گویا اسے سبز خلعت دی گئی ہے، جب اسے افاقہ ہوا تو اس کا دیکھا واقعہ بھی میں نے اسے بیان کر دیا، اس نے واقعہ سن کر اعتراف کیا مگر فطرتاً ولایت کا منکر ہونے کے سبب کوئی نفع حاصل نہ کر سکا۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ واقعہ طویل ہے مگر مجھے خلعت پہنانے تک ہی یاد رہ سکا، واللہ اعلم حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً یہ بھی سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے حالت غلبہ میں بکری پر توجہ ڈالی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی، کئی دن اسے پانی اور گھاس تک کا شعور نہ رہا اور بالآخر مر گئی۔

ادھر نہ ادھر، یہ بلا کدھر؟

فرمایا: ایک دفعہ میں دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت مجھے کشفی طور پر ایک آدمی کی صورت دکھائی گئی اور میرے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ شخص تیرے ہاتھ پر رافضیت سے توبہ کریگا، یہ واقعہ میں نے اہل مجلس کو سنایا اور اس آدمی کا پورا حلیہ بھی بیان کر دیا۔

اس واقعہ سے تقریباً بیس سال بعد میں محمد فاضل کے گھر گیا تو وہاں ایک مہمان کو بیٹھا ہوا دیکھا، اسے پہچانا اور انتہائی لطف و کرم سے پیش آیا، دوستوں کو حیرت ہوئی کہ ایک ایسے اجنبی شخص کے ساتھ جو رافضیت اور غلط عقائد کی وجہ سے بدنام ہے، اتنی مہربانی کا آخر کیا سبب ہے؟

یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ تمہیں وہ واقعہ یاد نہیں رہا، معمولی غور کے بعد انہوں نے بھی اسے پہچان لیا، تھوڑی دیر بعد ہی اس نے میرے ہاتھ پر توبہ کر لی۔

کچھ دنوں کے بعد غلط لوگوں کی صحبت نے اسے پھر شکوک میں مبتلا کر دیا، تو اسے پیٹ کے درد نے آ لیا، وہ جان گیا کہ پیٹ کے درد کا کیا سبب ہے، اس نے پھر توبہ کر لی، کچھ دنوں بعد پھر شک میں گرفتار ہوا تو پھر وہ پیٹ کے شدید درد میں مبتلا ہوا، تب دوستوں نے اس سے کہا کہ گر سچی توبہ نہ کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے، لہذا اس نے سچی پکی توبہ کی اور رافضیت سے کلی طور پر بیزار ہو کر خالص سنی ہو گیا، اس نے مجھ سے طریقت کا سبق بھی لیا، پہلے اس نے پوچھا کہ کون سا طریق اختیار کروں؟ میں نے کہا: طریقہ قادر یہ سب سے بہتر رہے گا، یہ اس لیے کہا کہ رافضی حضرت غوث اعظمؒ سے عداوت رکھتے ہیں۔

پیر کی تلاش

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً میں نے سنا کہ تاشقہ بیگ ایک ترکستانی تھا، جسے حصول طریقت کا ذوق ترکستان سے بخارا لایا، وہاں ایک مدت تک وہ حضرت خواجہ

نقشبند کے مزار پر ٹھہرا رہا، اس انتظار میں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی ولی کا اسے پتہ دیا جائے، آخر حضرت خواجہ نے اسے کشف میں فرمایا کہ تیرا پیر ہندوستان کے شہر دہلی میں ہے اور حضرت والد ماجد کی صورت اسے دکھائی گئی، مگر اسے خیال آیا کہ دہلی تو بہت بڑا شہر ہے اس بزرگ کو وہاں ڈھونڈنا مشکل ہو جائے گا، اس خیال پر مطلع ہو کر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جس دن دہلی میں داخل ہو گے اسی دن تمہیں وہ بزرگ وعظ کہتے ہوئے ملیں گے۔

اس واقعہ کے بعد تاشقہ بیگ کو شوق بیعت کشاں کشاں دہلی لے آیا، پہلے پہل وہ شیخ فرید کے ہوٹل میں پہنچا، جمعہ کا دن تھا، اس نے جامع مسجد کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اسے مسجد فیروزی کا پتہ بتا دیا، وہاں پہنچا تو حضرت والد ماجد کو خواجہ نقشبندی کے بتائے ہوئے حلئے کے مطابق پایا، نماز کے بعد حضرت والد ماجد نے وعظ فرمایا اسے بھی تاشقہ بیگ نے اپنے موافق پایا، فراغت کے بعد آپ کے ساتھ گھر آیا اور اپنے سر سے دستار اتار کر اظہار عقیدت کیا۔

حضرت نے فرمایا: شرط یہ ہے کہ کچھ دن ہماری صحبت میں رہو تا کہ ہمیں سمجھ سکو، اس نے یہاں تک پہنچنے کا سارا قصہ بیان کر دیا، حضرت والد نے اسے اپنی بیعت میں لے کر اشغال و اعمال کی تلقین فرمائی، اس کے بعد وہ دکن چلا گیا تو پھر واپس نہ آیا۔

حضرت علیؑ کی رہنمائی

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور دوسرے احباب سے تفصیلاً سنا کہ مرزا علی خوانی قصبہ خوانہ کا ایک صحیح العقیدہ اور پاکیزہ خیال سنی تھا، حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں: تیرا پیر دہلی میں ہے، ساتھ ہی حضرت والد ماجد کی صورت بھی دکھلا دی۔

کافی عرصے بعد وہ کسی تقریب سے دہلی آیا مگر مدتوں ملاقات نہ ہو سکی، بعد میں محمد افضل پھلواری سے حضرت والد کا نام و اوصاف سنے تو فوراً آپ کی خدمت میں پہنچا اور بیعت کی، بعض اوقات اس پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی تو چہرہ سرخ ہو جاتا اور کہتا کہ تم مجھے اسکے

بارے میں ملامت کرتے ہو؟ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد پھلت میں تھے کہ مرزا علی خوانی جدائی کی تاب نہ لا کر بغیر توشہ، بنا سواری اور بنا راستہ جانے دوڑ پڑا اور پھلت پہنچ کر بے تاب دل کی پیاس بجھائی۔

ترے انتظار میں

حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور یاران طریقت سے تفصیلاً سنا کہ سہارنپور کا ایک آدمی صوفی نامی تھا، جو جوانی میں ایک صاحب کشف درویش کی خدمت رہتا اور ان سے فیض حاصل کرتا تھا، وہ اسے کہتے تھے کہ تیری بیعت ایک ایسے شخص کے متعلق ہے جو اس شکل و صورت اور اس وضع قطع کے ہیں اور اس نام سے مشہور و اعظ ہیں۔

صوفی اس بزرگ کی انتظار میں بوڑھا ہو گیا اور مختلف قسم کے صوفیانہ اشغال اور ریاضتیں بھی کرتا رہا، آخری عمر میں محمد اسمعیل میرٹھی کے بتلانے پر حضرت والد کی خدمت میں پہنچا اور بیعت و تلقین سے مشرف ہوا، آغاز میں اپنے اشغال اور ریاضات خوب بیان کیا کرتا تھا، حضرت والد نے فرمایا: آغاز اچھا ہے، انشاء اللہ دروازے کھل جائیں گے، بالآخر وہ حضرت والد کی تربیت سے کامل ہو کر نکلا۔

بوندا باندی کی مصلحت

فرمایا: ایک بار علاقے میں بارش نہ ہوئی، لوگ میرے پاس آئے اور دعا چاہی، میں نے دعا کی تو بوندا باندی ہونے لگی، میں نے کہا کہ ہمارے مکان کی دیواریں کمزور ہیں، اسلئے پوری بارش نہیں ہو رہی، اللہ کی مشیت ہماری دیواروں کو گرانے سے احتراز کر رہی ہے، لوگ جلدی سے گار بنالائے اور ہماری دیواروں کی لپائی کر دی، فوراً موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

غلط فہمی

فرمایا کہ اکبر آباد میں مرزا ابوالعلی کے پیروں کاروں میں علی قلی نامی ایک شخص تھا جو اپنی توجہ و تاثیر کی قوتوں کے سبب مشہور اور ان پر نازاں تھا ایک دن شیخ عبداللہ محدث کو میں نے دیکھا کہ اسکے دروازے پر کھڑے ہیں اور وہ اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دے رہا ہے، میں نے چاہا کہ اسے اس غلط فہمی پر متنبہ کروں، تو میں نے اپنے اور علی قلی کے درمیان ایک بھاری پتھر رکھوا کر کہا کہ تاثیر کی قوت یہ ہے کہ اس پتھر کو اپنی طرف کھینچا جائے، جب پیمائش کی گئی تو وہ پتھر چند انگل میری طرف نکلا۔

روشن ضمیری

حضرت والد ماجد نے فرمایا: شیخ ایوب مراد آبادی ہمیں دیکھنے آئے، ان کی آمد کا اصل مقصد ہمارا امتحان لینا تھا، اپنے ساتھیوں، سوار یوں اور سامان کو دور چھوڑ کر تنہا اجنبی بھیس میں آئے، میں اس وقت تیر اندازی کر رہا تھا، میں نے انہیں دیکھتے ہی تیر و کمان رکھ دیئے اور کہا کہ خوب تشریف لائے، آئیے آئیے! خیر و عافیت ہے؟ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے: میں اس سے پہلے آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوا، کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟

میں نے کہا: تمہارا نام ایوب ہے؟

اس نے کہا: حضرت والا نے کیسے معلوم کر لیا کہ میرا نام ایوب ہے؟ میں نے کہا: کہ تمہاری صورت دیکھتے ہی میرے دل نے گواہی دی، تب شیخ ایوب نے کہا: میں جان گیا ہوں کہ بلا شبہ یہ آپ کی کرامت ہے لیکن یہ تو بتائیے کہ جس کام کے لئے میں لشکر لیکر جا رہا ہوں اس میں کامیاب ہوں گا یا نہیں؟ میں نے کہا: کہ نہیں، اس کے بعد وہ لشکر میں چلے گئے اور بہتیری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔

دودو ہاتھ

فرمایا کہ محمد فاضل کے گھر کشتی کے لئے اکھاڑہ بنا ہوا تھا اور وہاں ایک پہلوان اس کے بیٹوں کو کشتی لڑنا سکھاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک بلند قامت اور انتہائی طاقت ور پہلوان آیا اور خواہش ظاہر کی کہ تربیت دینے والے پہلوان سے کشتی کے دودو ہاتھ کرے، یہ بات محمد فاضل کے لیے بھی عزت و ذلت کا مسئلہ تھی، بظاہر دونوں کا مقابلہ ناممکن تھا، اس لئے کہ اس کے غالب آنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، میں نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کشتی شروع نہ کرنا۔ جب اکھاڑہ گرم ہوا، تو پہلے ہم نے چپ سادھ لی، پھر یک دم اجازت دی، اس طاقت ور پہلوان نے اسے ہاتھوں پر اٹھا لیا تو کمزور پہلوان نے اپنے دونوں پنجے زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیئے اور اپنے پاؤں سے طاقت ور پہلوان کی گردن جکڑ لی اور پیروں سے ہی اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا، یہ دیکھ کر تماشا سائیوں نے واہ واہی کا شور مچا دیا۔

توجہ کے ذریعہ حفاظت

فرمایا: محمد فاضل نے چاہا کہ اپنے بیٹے کو اجمیر بھیج دے اور راستے کی بدامنی کے پیش نظر خود بھی اس کے ساتھ جانا چاہا، جب مجھ سے رخصت ہونے آیا تو میں نے کہا کہ تمہارے جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ بحفاظت واپس آ جائیگا، ہاں! البتہ اجمیر سے دو منزل ادھر ڈاکو قافلے پر حملہ کریں گے مگر اس کی حفاظت ہمارے ذمہ رہی، ہاں البتہ اسے سمجھا دیجئے کہ اس وقت اپنی بہلی الگ ایک طرف کھڑی کر دے۔

جب وہ وقت آیا تو حضرت والد ادھر متوجہ ہوئے اور توجہ کے دوران آپ کے بدن پر تکان ظاہر ہوئی، حاضرین نے سبب پوچھا تو فرمایا: کئی دنوں کے سخت سفر نے تھکا دیا ہے۔

جب وہ لڑکا واپس آیا تو بیان کیا کہ وہاں ڈاکو آئے تھے میں نے اپنی بہلی کو ایک طرف کر دیا، وہاں حضرت والا مثالی صورت میں موجود تھے، ڈاکوؤں نے قافلے کو لوٹا مگر میں محفوظ رہا۔

ٹیڑھی حویلی

فرمایا: ایک حاکم امیر نے محمد فاضل کے پڑوس میں حویلی کے لیے پلاٹ لیا، پلاٹ کی بناؤ کچھ ایسی تھی کہ حویلی میں ٹیڑھ آتی تھی، اس نے محمد فاضل سے دگنی تگنی قیمت پر تھوڑی زمین مانگی مگر وہ نہ مانا، بالآخر ان کے درمیان رنجش اور جھگڑا ہو گیا۔

اس امیر نے کہا: میں صبح جا کر بادشاہ سے کہوں گا کہ یہ محمد فاضل کی ملکیت نہیں بلکہ سرکاری ہے، زمین کا یہ ٹکڑا میں کسی بھی صورت نہیں چھوڑوں گا چاہے ہزاروں روپے خرچ ہو جائیں، محمد فاضل رات کو میرے پاس آ کر حد درجہ گڑ گڑایا، میں نے اس سے کہا کہ وہ بادشاہ سے ہرگز نہیں مل سکے گا اور کسی بھی صورت یہ جھگڑا پیدا نہیں ہوگا۔

چنانچہ صبح سویرے جب وہ امیر گھر سے نکل کر دربار شاہی میں جانے لگا تو راستے میں اسے شاہی سواروں نے آ لیا اور کہا کہ بادشاہ نے تمہارے لئے حکم دیا ہے کہ ابھی ابھی فلاں مہم کے لیے روانہ ہو جاؤ، امیر نے کہا: میری خواہش ہے کہ بادشاہ سے روبرو مل کر کچھ ضروری باتیں عرض کروں، کارندوں نے اس کی یہ بات نہ مانی اور فوراً ہی کوچ کرنے پر مجبور کر کے اسے زبردستی اسی وقت شہر سے باہر نکال دیا اور وہ امیر اسی مہم میں مر گیا، چنانچہ اسے محمد فاضل سے جھگڑا کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔

کاتب الحروف شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ بات بھی عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت والد کچھ عرصے کے لئے سیر کو نکل گئے، اس فرصت میں آپ کی طویل صحبتوں اور کرامات کے مشاہدے کے باوجود محمد فاضل فاسقوں کی صحبت میں آ کر شراب کا رسیا ہو گیا، جب حضرت والا سیر و سیاحت سے واپس آئے اور یہ قصہ سنا تو سخت برا فروختہ ہوئے، جلال ولایت کی تاثیر

سے مجلس شراب سونی پڑ گئی، جام و مینا توڑ دیئے گئے، صراحیاں اوندھی کر دی گئیں اور محمد فاضل پر کپکپی طاری ہو گئیں۔ اس نے شراب سے رشتہ توڑ کر چکی تو بہ کر لی۔

فَهُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى جَلِيْسُهُمْ^(۱) یہ وہ ہیں جنکے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔

نگاہِ محبت

فرمایا کہ شروع شروع میں جس پر بھی میں محبت کی نگاہ ڈالتا وہ میرا دیوانہ ہو جاتا، اس وجہ سے میں کسی پر بھی نگاہ التفات نہ ڈالتا تھا اور محمد فاضل کے بالا خانے پر اکیلا رہتا تھا، ادھر ادھر جاتے وقت اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کرتا تھا، اتفاق سے ایک دن ہدایت اللہ بیگ رشتہ داری کی تقریب سے محمد فاضل کے گھر آیا، جب اس سے میرا سامنا ہوا تو وہ میرا دیوانہ ہو گیا اور مجھ سے بیعت کی خواہش کی۔

میں نے سن رکھا تھا کہ ایک بزرگ متوکل نقشبندی سے اس کا تعلق ہے، میں نے اس سے کہا کہ فقراء اچکسم کی طرح ہیں، لہذا بات ایک ہی ہے، البتہ اس بزرگ کا حق مقدم ہے، اس لیے انہیں سے بیعت کیجئے، اس نے دوبارہ اصرار کیا اور اس کی محبت حد سے بڑھ گئی، بالآخر میں نے اسے بیعت میں قبول کیا اور کہا کہ ان بزرگ سے بھی تعلق نہ توڑیئے گا، کچھ دنوں بعد اس بزرگ کو خبر پہنچی تو غصہ ہوئے اور ہدایت اللہ بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ابھی جوان ہوتے ہیں حصول طریقت کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ بیعت و ارشاد۔

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اس کا انحصار بڑی عمر پر نہیں ہوتا، انہوں نے پھر کہلا یا کہ میں تم سے اس زیادتی کا بدلہ لوں گا، میں نے کہا:

”ولا يحق المکر السيئ الا باهله“ (الفاطر ۴۳)

مکرو فریب کا شکار اور کوئی نہیں ہوگا مگر اس کے کرنے والے مکار ہی۔

جو چاہے کر لو، افتاد تم پر ہی پڑے گی، اس نے مجھے تکلیف پہنچانے کے لئے اپنا عمل شروع کر دیا، میں نے مدافعت کی، نوبت یہاں پہنچی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انکے سینے میں خنجر چبھو دیا گیا، اور موت سر پر آ پہنچی ہے، آدھی رات کے وقت ہدایت اللہ بیگ کو بلوایا، اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگی اور میرے حق میں نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ میری جان نہیں بچے گی مگر انہیں چاہئے کہ میرا ایمان چھیننے کا قصد نہ کریں، میں نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم آغاز نہ کرتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی، بحمد اللہ تمہارے ایمان کو ضرر نہیں پہنچے گا، وہ بیچارے اسی رات اللہ کو پیارے ہو گئے، ان پر اللہ کی رحمت ہو۔

نازِ قلندرانہ

فرمایا: بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے کسی بات پر ہدایت اللہ بیگ کو اپنے منصب سے ہٹا دیا، وہ اس بات پر بہت غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر میرے پاس آیا، مالی پریشانیوں اور کثرت عیال کا رونا روتا رہا، اس کے گڑ گڑانے اور گھگھیا نے سے میرا دل اتنا پسپا کہ پورے طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا، پہلے پہل مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ اس کے بارے میں تقدیر مبرم ہو چکی ہے، میں نے بارگاہ الہی میں التجا کی اور اس بارے میں میری اس حد تک پہنچی کہ اگر یہ کام میرے حسب نشانہ ہوا تو میں صوفیانہ چولا اتار پھینکوں گا اور دوبارہ صوفیانہ وضع قطع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھوں گا، اسی عالم میں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے میری دعا قبول کر لی اور مجھے بتایا گیا کہ اسے معزول کرنے کا پختہ اور مضبوط انتظام کرنے کے باوجود ہم نے اسے اسکے منصب پر بحال کر دیا ہے، میں نے دعا کی: بارخدا یا! یہ عہدہ تو اسے پہلے ہی ملا ہوا تھا، میری آہ وزاری کا آخر ثمرہ کیا ہے؟ میرے خیال میں ڈالا گیا کہ اچھا! یہ کچھ ہم نے اسے ترقی بھی دیدی ہے، صبح سویرے میں نے اسے خوش خبری سنائی، بادشاہ نے بغیر کسی

ظاہری سبب کے اسے یاد کیا کہ ہم نے تمہاری خطا معاف کر کے عہدہ بحال کر دیا اور اس قدر ترقی بھی دیدی ہے، یہ سن کر اس کے دشمنوں نے بہتیری کوششیں کیں، کامیاب نہ ہو سکے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے ایسے واقعات بیشمار بیان کیے گئے ہیں اور ان کے لئے تاویلات موجود ہیں اور اس پر ہم نے فیوض الحرمین میں تفصیل سے لکھا ہے۔

اونٹ کی موت

فرمایا: ہدایت اللہ بیگ نے تجارت کے لئے کچھ اونٹ خریدے، میں نے اسے کہا کہ ان میں سے ایک ضرور مر جائے گا، لیکن مجھے اس بات کا اختیار دیا گیا ہے میں اپنی مرضی کے مطابق کسی ایک اونٹ کو موت کے لئے منتخب کر لوں، چنانچہ میں نے ان میں سے ایک کمزور اور لاغر اونٹ کو متعین کر دیا اور یہ مشورہ دیا کہ اسے آخر تک محفوظ رکھا جائے۔ اس نے سارے اونٹ بیچ دیئے اور سب سے آخر میں اسے بھی فروخت کر دیا، لیکن خریدار نے واپس لوٹا دیا اور اسی کے ہاتھ وہ مر گیا۔

صوفیاء کا طب

حضرت والد ماجد بارہہ کے علاقے میں تشریف لائے ہوئے تھے، لوگ بیماروں کے قارورے لائے، آپ نے فوراً سب کے لئے نسخے تجویز کر دیئے، اس مجلس میں ایک ہندو طبیب بھی موجود تھا، ایک بیمار کے قارورے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے عرض کیا: حضرت! اس کی بیماری بھی معلوم کی ہے یا نہیں؟

آپ نے ہنس کر فرمایا: یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا نام یہ ہے، ہاتھ ایسے ہیں، کردار یہ ہے اور اس کی بیماری کا سبب یہ ہے، آپ نے سبب ایسا بتایا جسے بیان کرنے میں عورت کو شرم مانع تھی، گویا آپ کو اس عورت کا پورا کچا چٹھا معلوم تھا۔

اس ہندو نے یہ سب سن کر عرض کیا: حضرت! یہ مسئلہ طب میں کہاں ہے؟
فرمایا: یہ سب طب کی بات نہیں، یہ محمد ﷺ کے پیروکاروں کی سچی فراست ہے۔

آگ اور حصار

فرمایا کہ مجھے کشف میں دکھایا گیا کہ قصبہ پھلت کو آگ نے گھیر لیا ہے، میں نے اس وقت اندازے کے مطابق اپنے مخلصین کے ارد گرد ایک لکیر کھینچ دی اور ان کو بشارت دی کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک سارے گھر آگ سے محفوظ رہیں گے۔

کچھ عرصے بعد قصبہ کو آگ لگ گئی بعض لوگوں کے گھر جل گئے، اہل اللہ کے بارے میں نفاق رکھنے والوں نے اس بات کو موضوع بحث بنا لیا، میں نے کہا: ذرا ذہن پر زور دے کر سوچئے کہ جلنے والے گھر میرے حصار میں داخل تھے یا اس سے باہر؟ جب انہوں نے سوچ بچار کی تو وہ گھر میری بتائی ہوئی حد سے باہر نکلے اور جھک مارنے والوں کے منہ بند ہو گئے۔

پھلت کی زمینیں

فرمایا: قصبہ پھلت میں ہمارے معتقدین کے دشمنوں نے رئیسوں کے کان بھر دیئے کہ اس جماعت (شاہ عبدالرحیم کے عقیدت مندوں) کے قبضے میں فرمان شاہی سے زیادہ زمین آئی ہوئی ہے، چنانچہ رئیسوں نے کچھ لوگوں کو پیمائش کے لئے مقرر کر دیا۔

اس بات سے پھلت والوں کو سخت پریشانی ہوئی اور مجھ سے التجا کی کہ جب ناپنے والا بھی دشمن ہو تو ہماری تدبیر کیسے چل سکے گی؟

میں نے انہیں تسلی دی اور پیمائش کے دن خود پہنچا، کچھ توجہ ڈالی اور ان سے کہا کہ اب پیمائش کرو، جس کھیت کی پیمائش کرتے وہ اصل حساب سے بھی کم بیٹھتا، پھلت والے پھر رونے لگے کہ اگر سبھی کھیت اصل پیمائش سے کم نکلے تو دشمن پٹواری پر شک کریں گے اور جھگڑے کی بنیاد

ختم نہ ہوگی، چاہئے کہ کچھ کھیت کم نکلیں، کچھ برابر اور کچھ زائد تاکہ سب کھیت مل کر اجتماعی شکل میں برابر ہو جائیں۔

میں نے دوبارہ توجہ ڈالی، اگرچہ پٹواری نے مختلف حیلوں بہانوں سے کام لینا چاہا مگر اسے کامیابی نہ ہوئی اور پھلت والوں کی مرضی کے مطابق کام ہو گیا۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

فرمایا کہ رستم اور اسد اللہ ظالم رئیس تھے، جو قصبہ پھلت اور آس پاس کے لوگوں کو ہمیشہ تنگ کرتے رہتے تھے، ایک مرتبہ پھلت والوں پر ایک لشکر چڑھا لائے، قصبے والے یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے اور مجھے اپنی پتا سنائی، میں نے کہا: تمہیں فتح اور ان کے ٹولے کو شکست فاش ہوگی اور کچھ دنوں میں اسی طرح پابہ زنجیر ہو کر مرجائیں گے، جب مقابلے کا دن آیا تو آیت کریمہ

”کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله“ (البقرہ ۲۴۹)

کتنی ہی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری بھاری لشکروں کو شکست دے چکی ہیں۔

کانقشہ سامنے آ گیا، اس واقعہ کے چند روز بعد یہ لوگ ڈاکہ زنی، شراٹگری اور دوسرے جرائم میں ملوث ہوئے اور ان کے کچھ قریب ترین دوستوں نے بادشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں ان کا کچا چٹھا پہنچا دیا، بادشاہ نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کر دیئے، حاکم نے انہیں ہوشیاری سے قید کر کے لشکر کے ساتھ بھیج دیا اور قید ہی میں مر گئے۔

جہاں چاہ وہاں راہ

فرمایا: میں پھلت میں تھا، ارادہ تھا کہ صبح سویرے دہلی روانہ ہو جاؤں، اس وقت بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ میری بیعت کے لئے ایک بزرگ دور سے آ رہا ہے، نمازِ عشا کے بعد میں مسجد میں ٹھہر گیا اور مجھے وہاں کافی دیر ہو گئی، لوگ تنگ ہونے لگے اور کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔

شیخ محمد نے کہا کہ اب آرام کرنا چاہئے، اگر وہ بزرگ آئے تو دوبارہ گھر سے باہر آنے میں کوئی مضائقہ نہیں، میں نے کہا: جب تک وہ نہیں آئے گا میں تو یہیں بیٹھا رہوں گا۔

جب آدھی رات گزر گئی تو گھوڑے کی ٹاپ کی آواز آئی، میں نے کہا اب وہ شخص پہنچ گیا ہے، اس نے آتے ہی بیعت کر لی اور کہا کہ دن کے پچھلے پہر چلنے کا ارادہ تھا، مگر انتظام نہ ہو سکا، جب رات ہونے لگی تو یہ آرزو لیکر چل پڑا کہ اے کاش! حضرت کو مسجد میں بیٹھا پاؤں۔

تندرستی کی بشارت

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور بعض احباب سے تفصیلاً سنا کہ سید غلام محی الدین اور ان کے والد بیجا پور کی مہم میں بیمار ہو گئے اور وہ اس سخت مرض میں کافی دنوں مبتلا رہے، ایک رات غلام محی الدین نے حضرت غوث اعظمؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اپنے شیخ سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟

جب بیدار ہوئے تو حضرت والد ماجد کے لئے کچھ نیاز مانی اور دل سے التجا کی، تین دن بعد خواب میں دیکھا کہ حضرت والد ماجد تشریف لائے، ان کے قریب بیٹھ کر تندرستی کی بشارت دی، اور فرمایا کہ آج سے ساتویں دن قلعہ بیجا پور کے مورچہ پر لشکر خاں غازی الدین خاں کی رفاقت کرے تو اس فتح کا سہرا اسی کے سر رہے گا، اور اسکی پلٹن کے لئے فخر کا سبب ہوگا، پھر اپنے غلام محی الدین کو سفید چادر پہنائی اور چلے گئے۔

صبح سویرے اس کے والد تو وفات پا گئے اور وہ تندرست ہو گیا، لشکر خاں کو صورت حال سے مطلع کر دیا گیا، چنانچہ وہ غازی الدین خاں کے ساتھ شامل ہو گیا اور اسی دن فتح ہو گئی جس سے اسے کافی مالی فائدہ پہنچا، حضرت والد ماجد نے بیماری، تندرستی، وفات، فتح اور غازی الدین خاں کی لشکر خاں کے ساتھ رفاقت یہ سب دوستوں کے سامنے یہاں بیان کر دیا تھا، کچھ عرصے بعد ان کا خط پہنچا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی باتیں پوری ہو کر رہیں۔

ثابت قدمی کا حکم

فرمایا کہ اسد علی کا اپنے بعض ساتھیوں سے جھگڑا ہو گیا، ان سب نے مل کر اسے ہلاک کرنے کی ٹھان لی، یہ میرے پاس آ کر بہت گڑ گڑایا میں اسکی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ مضبوط رہو اور کسی سے مت ڈرو، اسکے دشمن کئی ہزار مددگاروں کے ساتھ آئے، اور یہ صرف بیس تھے، بالآخر لڑائی کے دوران میری شکل دیکھی کہ ثابت قدمی کا حکم کر رہا ہوں، چنانچہ اس نے بندوق داغ دی جو دشمن کے گھوڑے کو جا لگی، وہ تو وہیں ڈھیر ہو گیا اور دشمن مرعوب ہو کر بھاگ گئے۔

گم شدہ بھائی

فرمایا: محمد قلی اور نگ زیب کے لشکر کے ساتھ گیا ہوا تھا، کافی مدت گزر گئی، اس کی طرف سے خیریت کی کوئی خبر نہ پہنچی، اسکا بھائی محمد سلطان بہت غمگین ہوا اور مجھ سے التجا کی۔ میں نے پوری قوت سے توجہ کی اور خیمہ خیمہ چھان مارا مگر کہیں نہ پایا، مردوں میں ڈھونڈا تو بھی نہ پایا، شاہی لشکر کے آس پاس نظر دوڑائی تو دیکھا کہ بیماری سے صحت یاب ہو کر غسل کیا ہے، گیسوے رنگ کے کپڑے پہن کر کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور آنے کی تیاریوں میں ہے، میں نے یہ سب کچھ اس کے بھائی کو بتا دیا، چنانچہ دو تین ماہ بعد وہ آیا اور میری باتوں کی تصدیق کی۔

بیوی کی رحلت گھوڑا سلامت

کاتب الحروف کہتا ہے خواجہ محمد سلطان نے ایک گھوڑا لے رکھا تھا جو اس نے حضرت والد کو دکھا یا آپ نے اسے تنہائی میں بلایا، اسوقت یہ فقیر بھی موجود تھا اور فرمایا کہ گھوڑا خوب ہے مگر اس کی عمر تھوڑی ہے، اس نے عرض کیا: کیا اچھا ہو کہ میری بیوی کی زندگی گھوڑے کو مل جائے، یہ عورت بڑی بد زبان و بد عادت تھی، وہ اس سے وہ تنگ آچکا تھا، آپ نے مسکرا کر فرمایا: ایسا ہی ہو جائے گا، تین ماہ کے اندر بیوی مر گئی اور گھوڑا سلامت رہا جس کو بیچ کر خوب نفع کمایا۔

زکوٰۃ کا مال

فرمایا کہ ایک شخص کچھ روپے لایا کہ یہ آپکی نذر ہیں، رقم دیکھ کر میں نے کہا کہ مجھے اس میں ایک خاص قسم کی ظلمت نظر آتی ہے، شاید یہ مالِ زکوٰۃ ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا۔

کنواں کھودو جھیرا پاؤ

فرمایا: اکبر آباد میں میرے والد ماجد ایک حویلی میں ٹھہرے ہوئے تھے، کم و بیش ایک ہفتہ برسات ہوتی رہی، مریض ہونے کی وجہ سے آپ میں چلنے کی سکت نہ تھی، اسی لمحے مجھ پر منکشف ہوا کہ یہ حویلی گرے گی اور اس میں رہنے والوں کا کافی نقصان ہوگا۔

میں نے اسی وقت باہر نکل کر بہت جستجو کی مگر کہیں بھی کرائے کا مکان نہ مل سکا، چونکہ بادشاہ کا لشکر اتر اٹھا، تمام حویلیاں بھر چکی تھیں، کافی تلاش کے بعد ایک غیر آباد خالی قلعہ مل گیا، شہر والوں سے اس کے مالک کا پتہ اور اس کی ویرانی کا سبب پوچھا تو کہنے لگے: یہ ایک ہندو کی ملکیت ہے، یہاں ایک جادوگر جوگی رہتا ہے جو بھی یہاں ٹھہرتا ہے اسے نقصان پہنچاتا ہے۔

میں نے کہا: کوئی بات نہیں اور تھوڑے سے کرائے پر وہ لے لیا، گھانس پھونس لا کر اسی حالت میں ایک چھپر کھڑا کر دیا اور اپنا بوریا بستر وہاں لے آیا، اسی دن ہماری متروکہ حویلی میں کوئی دوسرا شخص آ بیٹھا، چھت گرمی اور سارے گھوڑے ہلاک ہو گئے، بعد میں وہ جوگی ظاہر ہوا اور اس نے مجھے کہا یہاں زندہ جوگی دفن ہیں، آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، میں نے جوگیوں کے دفن ہونے کی جگہ پوچھی تو اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، میں نے کہا: ہم یہاں بیت الخلا بنائیں گے، یہ سن کر وہ چلا گیا اور مجھ پر جادو کرنے لگا جس کا سارا نقصان اسی پر پلٹا، چنانچہ ایک دن والد ماجد کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ تمہارا بیٹا مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے۔

والد صاحب نے مجھے سمجھایا، میں نے کہا پہلے آپ اس سے یہ تو پوچھئے کہ میں نے اسے کس قسم

کی تکلیف پہنچائی ہے، گالیاں دی ہیں یا مارا ہے؟ پھر اپنے ہاتھ سے مارا یا کسی کو کہہ کر مروایا؟ والد ماجد نے اس سے پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ ایسی کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچی بلکہ ہمارے بیروں (مؤکل شیطان) سے ہمیں مروا رہا ہے۔

عاشق پری

فرمایا: دولت آباد کے نواح میں ایک سید اپنے معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھے، ایک دن رفع حاجت کے لئے ایک پرانی عمارت میں گئے، وہاں پر یوں کو مثالی شکل میں دیکھا، ان میں سے ایک پری لٹو ہو کر انہیں چمٹ گئی، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد وہ مثالی شکل میں ان کے سامنے آتی اور وہ حد سے زیادہ تکلیف محسوس کرتے، اسکو ہٹانے کے لئے بہت کوشش کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔

بالآخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میری طرف روانہ ہوئے، اس سفر میں بھی وہ پری ان کے سامنے روز آنہ آتی رہی، جب وہ فرید آباد پہنچے تو پری نے حاضر ہو کر ان سے رخصت چاہی کہ اب میرے لئے تم سے ملنے کا امکان نہیں رہا، جب میرے پاس پہنچے دن بدن تندرست ہوتے چلے گئے اور انہیں بغیر کسی علاج اور تعویذ کے بالکل آرام ہو گیا۔

نام ہی کافی

فرمایا: ایک شخص کو جن تکلیف پہنچایا کرتا تھا، اس کے گھر والوں نے مجھ سے رجوع کیا۔ میں نے کہا: اسے میرا پیغام پہنچا دو کہ فلاں کہہ رہا ہے یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا، انہوں نے پیغام پہنچایا مگر وہ پھر بھی نہ ٹلا، میں نے کہا: تم نے میرا نام اسے اس انداز اور تفصیل سے نہیں بتایا ہوگا جس سے وہ سمجھتا، دوبارہ جاؤ اور اس انداز سے میرا نام لے کر اسے پیغام دو، چنانچہ وہ گئے اور اسی طریقہ سے میرا نام لیا، پھر اس جن نے اسے کبھی تکلیف نہ پہنچائی۔

جوتے کی مار

فرمایا: محلے والوں نے ایک مرتبہ مجھ پر جادو کر دیا، میں رات کے وقت بیت الخلا گیا تو مجھے ایک جوگی نظر آیا، میں اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے جوتا دے مارا تو وہ دھواں بن کر اڑ گیا۔

خس و خاشاک

فرمایا: لوگوں نے مجھ پر دوبارہ جادو کیا تو میں نے عالم مثال میں دیکھا کہ ایک شخص آگ کا مجسمہ، آگ کے گھوڑے پر سوار، آگ کا نیزہ ہاتھ میں لئے مجھ پر حملہ کر رہا ہے۔

میں نے بید اٹھایا اور اس پر قرآن مجید کی چند سورتیں دم کر کے اسے مارا، وہ آتشیں آدمی اس کا نیزہ اور گھوڑا میری پھونک کے اثر سے مردہ ہو کر گر پڑے، گرتے وقت وہ کہنے لگا کہ میں تمہارے عمل کے اثر سے نہیں گرا، صبح سویرے میں یہ واقعہ مخدومی شیخ ابوالرضا کی خدمت میں عرض کر رہا تھا کہ اس وقت میرے سامنے ایک بلی کا بچہ آیا، میں نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ اپنی جگہ سے اچھلا، اس کے منہ سے خون نکلا اور وہ مر گیا۔

فرمایا: ان لوگوں نے پھر جادو کیا، میں بیمار ہو گیا، بہتیرا علاج کیا کچھ افاقہ نہ ہوا، بزرگوں میں سے ایک کو خواب میں دیکھا (کاتب الحروف کے گمان میں یہ خواجہ قطب الدین تھے) کہ فرما رہے ہیں تم پر جادو کیا گیا ہے فلاں فلاں آیت پڑھو۔

روسیا ہی

فرمایا: ایک مرتبہ ان لوگوں نے مجھے کسی جھوٹے مقدمے میں پھنسا کر قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا، جب میں عدالت میں حاضر ہوا تو گواہوں کے منہ کالے اور زبانیں سرخ ہو گئیں، جسے سب نے دیکھا، قاضی نے چاہا کہ اس بات کی تشہیر کرے مگر میں نے کہہ دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسی پر اکتفا کرو۔

دعا سے ممانعت

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے حضرت والد ماجد سے اجمالاً اور دیگر احباب سے تفصیلاً سنا ہے، کہ جب اورنگ زیب حسن ابدال کی طرف روانہ ہوا اور پٹھانوں نے بغاوت کر دی تو پوری کوششوں کے باوجود کامیابی کی صورت نظر نہیں آ رہی تھی، بعض مخلصوں نے حضرت والد ماجد سے اس بارے میں دعا کی درخواست کی، حضرت متوجہ ہوئے تو فرمایا: ایک معمر بزرگ کی شکل سامنے آ کر دعا سے منع کر رہی ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ بزرگوار حضرت آدم بنوریؒ کے خلفا میں سے حاجی یار محمد نے پٹھانوں کی مدد پر کمر باندھ رکھی تھی۔

سات بندوق

جب اورنگ زیب کی وفات ہوئی اور اس کی اولاد آپس میں لڑنے لگی تو بعض احباب نے پوچھا کہ کون کامیاب ہوگا؟ فرمایا: اعظم کی طرف تو سات بندوقیں اٹھی ہوئیں دیکھ رہا ہوں کیسے بچ جائے گا؟ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا ہی ہوا۔

سچی بات

جب معزالدین بادشاہ بنا تو فرخ سیر نے پورب کی طرف سے اس پر چڑھائی کر دی، وہ بہت پریشان ہوا اور درویشوں کی خدمت میں جا جا کر دعا کی درخواست کرنے لگا، کسی نے حضرت والا سے عرض کیا کہ وہ آپ کی خدمت میں بھی آنا چاہتا ہے؟ فرمایا: اس کا یہاں آنا مناسب نہیں رہے گا، اس لئے کہ وہ سچی بات سے ناخوش ہوگا اور مکر و فریب پھراء کا کام نہیں۔

فرخ سیر اور عبداللہ خاں

جب فرخ سیر اور عبداللہ خاں باہم لڑنے لگے تو حضرت والد کی خدمت میں ان کی لڑائی کا کچھ حال بیان کیا گیا، آپ نے فرمایا: میں نے عالم مثال میں دیکھا ہے کہ گویا فرخ سیر کے تخت کو

لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں اور میں لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اسے میری وجہ سے معاف کر دو کیونکہ ابھی ابھی پچھلے دنوں تو خونریزی ہو چکی ہے، بہر حال حضرت والد کی وفات سے پچاس دن بعد فرخ سیر قید ہو گیا۔

نازِ ولایت

حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ جب فرزند عزیز صلاح الدین بیمار ہوا اور ہم نے اس کی زندگی سے ہاتھ دھولے تو میں نے کفن خریدنے اور قبر کھودنے کے لئے کہہ دیا، اچانک میرے دل میں جوش آیا اور ایک کونے میں جا بیٹھا، حد سے زیادہ گڑ گڑا کر دعا مانگی، فرشتے نے آ کر اس کی زندگی اور صحت کی بشارت دی، اسی دم وہ چھینکا اور اس کی زندگی لوٹ آئی۔

کاتب الحروف (شاہ صاحب) کی پیدائش

حضرت والد ماجد جب ساٹھ سال کے ہوئے تو ان پر منکشف ہوا کہ تقدیر کے فیصلے کے مطابق آپ کے ہاں ایک اور فرزند پیدا ہوگا، بعض یاران طریقت سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ وہ نومولود علمی اور روحانی بلند مقامات کو پہنچے گا۔

چنانچہ آپ کے دل میں شادی کرنے کا خیال پیدا ہوا، جب مخدومی شیخ محمد پھلجی نے ماجرا سنا تو انہوں نے چاہا کہ یہ بچہ ان کی لخت جگر سے ہو۔

اس فقیر نے بعض ثقہ لوگوں سے سن رکھا ہے کہ جب اس شادی کی بات چکی ہوگی تو بعض مخالفین اور منافقین نے کہا کہ اس عمر میں شادی مناسب نہیں رہے گی۔

حضرت والد نے ان کی باتیں سنیں تو فرمایا کہ میری عمر کا ابھی کافی حصہ باقی ہے اور لڑکے بھی پیدا ہونگے، چنانچہ آپ شادی کے سترہ سال بعد تک زندہ رہے اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔

فقیر ولی اللہ کی پیدائش سے پہلے ایک رات حضرت والد ماجد نماز تہجد پڑھ رہے تھے میری

والدہ ماجدہ بھی ان کے قریب تہجد میں مشغول تھیں، نوافل کے بعد حضرت والد نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور والدہ آمین کہتی رہیں، اسی اثنا میں دو اور ہاتھ ظاہر ہوئے، حضرت والد نے فرمایا کہ یہ دو ہاتھ ہمارے بیٹے کے ہیں جو پیدا ہوگا۔

اس کے بعد یہ فقیر پیدا ہوا اور سات سال کی عمر میں نماز تہجد میں والدین کا ساتھی بنا، اور اسی خواب والی وضع میں ان دونوں کے درمیان ہاتھ اٹھائے۔

هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلِ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا* (يوسف ۱۰۰)

یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے سچ کر دکھائی۔

یہ فقیر ابھی ماں کے پیٹ میں تھا کہ اس وقت حضرت والد نے ایک بھکارن کو آدھی روٹی خیرات دی، وہ جانے لگی تو پھر اسے واپس بلا کر باقی آدھی بھی دیدی اور فرمایا کہ بچہ جو پیٹ میں ہے، کہہ رہا ہے کہ خدا کی راہ میں ساری روٹی دینی چاہئے۔

یہ فقیر ابھی کمسن تھا، کہ ایک دن حضرت والد نے اہل اللہ کے نام سے کسی کو دو بار آواز دی۔ ایک آدمی نے پوچھا: حضرت کسے بلا رہے ہیں؟ میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: اہل اللہ اس کا بھائی ہے، جو عنقریب پیدا ہوگا، اس کا نام خود بخود میری زبان پر جاری ہو گیا۔

حضرت والد مجلس اور تنہائی میں اکثر اس فقیر کی طرف متوجہ ہو کر لطف و مہربانی فرماتے تھے، مجھے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے اور فرماتے کہ میرے دل میں بارہا یہ خیال آتا ہے کہ ایک ہی دفعہ تمام علوم و معارف تیرے سینے میں ڈال دوں، جوش میں آ کر آپ بار بار یہ بات فرماتے، بالآخر آپ کی ان باتوں کا اثر ظاہر ہوا، ورنہ فقیر نے حصول علم میں کچھ اتنی زیادہ محنت نہیں کی۔

سیر کا شوق

یہ فقیر (شاہ ولی اللہ) بچپن میں ہم عمر رشتے دار بچوں کے ساتھ باغ میں سیر و تفریح کے لیے چلا گیا، جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا کہ اے فلاں! آج کے دن تم نے کون سی ایسی چیز

حاصل کی ہے جو سرمایہ اور توشہ بنے؟ ابھی ابھی ہم نے اس مختصر وقت میں اتنی مرتبہ درود پاک پڑھ لیا ہے، یہ بات سنتے ہی فقیر کے دل سے سیر کا شوق جاتا رہا اور پھر کبھی ایسا خیال نہ آیا۔

وہ نہیں لوح و قلم کا محتاج

حضرت والد ماجد کو شوال میں ایک ایسے مرض سے سابقہ پڑا کہ زندگی سے آس توڑ بیٹھے، انہی دنوں میں اس فقیر کو خلوت میں اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے دل کو ہر وقت حضرت والا کی طرف متوجہ رکھوں اور یہ بھی فرمایا کہ یہ قید تین مہینے کے لئے ہے، اس وقت مجھے تین مہینوں کی تخصیص کا نکتہ سمجھ میں نہ آیا، جب شفا یاب ہو کر غسلِ صحت فرمانے کے تین ماہ بعد مرض پھر لوٹ آیا تو اس وقت یہ نکتہ سمجھ میں آیا، اسی مرض میں بارہ صفر کو آپ کی وفات ہو گئی۔

حضرت والا آخر عمر میں جب بیمار پڑے تو اس فقیر کو فرمایا کہ قلم دوات لاؤ، میں چاہتا ہوں کہ اپنے خاص نکاتِ معرفت تحریر کروں، میں نے دو چار مرتبہ قلم دوات پیش کی مگر آپ میں لکھنے یا املا کرنے کی طاقت نہ رہی تھی، آپ کی وفات کے بعد میرے دل میں حضرت والا کے حالات لکھنے کا خیال پیدا ہوا، تحریر کے دوران اکثر حالات میرے دل میں اس طرح پختہ ہو جاتے گویا یہ تمام واقعات میرے سامنے ہوئے ہیں، انہی دنوں چند مرتبہ خواب میں دیکھا گویا میں اپنی تحریریں حضرت والد کو سنارہا ہوں اور وہ پورے ذوق کے ساتھ سن رہے ہیں، یہاں تک کہ سارے مسودات مکمل طور پر محفوظ ہو گئے، میرا غالب گمان ہے کہ آپ جو کچھ لکھوانا چاہتے تھے اس میں کوئی ایسی چیز باقی نہ رہی جو تحریر میں نہ آگئی ہو۔

مفید دوستی

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن محمد عاشق اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کی دوستی و محبت میرے لئے مسرت و

شادمانی کا سبب ہے، اس بات کی حقیقت بعد میں کھلی جب محمد عاشق فقیر کے ساتھ بیعت کا تعلق کر کے نفع مند ہوا اور امید ہے کہ ہماری یہ دوستی بہت سے فوائد کا باعث بنے گی۔

خلوص کے اثرات

جو شخص بھی حضرت والا کی صحبت میں خلوص نیت سے آتا تھا اس میں عجیب اثرات نمودار ہوتے تھے، محمد قلی سپاہیوں کی روایتی بے توجہی کے باوجود حضرت کی باتیں بیان کرتے وقت اس قدر مغلوب ہو جاتا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا اور جب کبھی زیادہ متاثر ہو جاتا تو اس کا اثر اس گھوڑے پر بھی پڑتا جو اس وقت سواری میں ہوتا، چنانچہ گھوڑا گر پڑتا اور کاٹھی بکھر جاتی۔

روشن ضمیر بچی

محمد فاضل کی بیٹی شریفہ خاتون کم عمری کے باوجود حضرت والا کی نورانیت کا اثر قبول کر چکی تھی، بہت سے معاملات اس پر بھی منکشف ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک رات حضرت والد محمد فاضل کے گھر جا رہے تھے کہ راستے میں آپ کے ہاتھ سے تسبیح گر پڑی، شریفہ نے کہا: میں دیکھ رہی ہوں کہ تسبیح فلاں جگہ گری ہے، شمع لے جا کر دیکھا تو تسبیح وہیں پڑی تھی۔

اپنے گھر میں ایک دن شریفہ کہنے لگی کہ حضرت والا ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں اور فلاں کھانے کی خواہش رکھتے ہیں، چنانچہ وہ طعام تیار کیا گیا اور حضرت والا سے دریافت کیا گیا تو آپ نے شریفہ کی باتوں کی تصدیق فرمائی۔

ایک دفعہ شریفہ اپنے گھر میں تھی، حضرت والا بھی وہیں تھے، کہنے لگی: فتح محمد ہمارے گھر کا ارادہ کر رہا ہے، پھر اب راستہ میں کھڑا کسی سے بات کر رہا ہے، وہ خود دھوپ میں اور دوسرا آدمی سائے میں کھڑا ہے، اب اس نے تین نارنگیاں خریدی ہیں، دو اپنے دونوں بیٹوں کے لیے اور ایک حضرت والا کے لیے، پھر کہا: اب اس کی نیت بدل چکی ہے، دو حضرت والا کے لیے اور

ایک دونوں بیٹوں کے لیے نامزد کر دی ہے، پھر کہنے لگی: اب وہ دروازے پر کھڑا ہے، فتح محمد کے پہنچنے پر شریفہ کی ساری باتوں کی تصدیق ہو گئی۔

دل کی سیر

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شریفہ سے عجیب و غریب قصے سن رکھے ہیں، سناتی تھی: ایک دفعہ میں نے حضرت والا سے گزارش کی کہ میں آپ کا دل دیکھنا چاہتی ہوں، حضرت نے فرمایا: میرے سامنے بیٹھ کر میری طرف توجہ کرو، جب میں متوجہ ہوئی تو میں خود سے بے خبر ہو گئی، اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے حلق میں چلی گئی ہوں، میں نے دیکھا کہ حضرت کا دل آئینے کی طرحے جو لمبائی میں ایک ہاتھ اور چوڑائی میں بالشت ہے، اس آئینے میں اسم ذات ایسے رنگ سے ظاہر ہوا جو چراغ کی لوکا عکس آئینے پر پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔

روحانی امور منکشف ہونے کی وجہ سے میں اس شعلے کو منہ میں لے کر نکل گئی، اسی وقت حضرت والا بے قرار ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے، جب افاقہ ہوا تو فرمایا کہ جب تو نے میرے لطیفہ قلب کو اپنے حلق کے اندر لیا تو میں کم زور ہو گیا۔

صبر کا پھل

شیخ فقیر اللہ نے بتایا کہ حضرت والا کی والدہ جب فوت ہوئیں تو آپ نے بیحد غمگینی کے باوجود اظہار غم اور رونے دھونے سے اپنے آپ کو باز رکھا، اسی دوران ایک رات سوئے ہوئے تھے اور میں ان کے پاؤں داب رہا تھا، اس وقت میں نے ظاہری آنکھوں سے ایک نور دیکھا جسے محسوس کیا جاسکتا تھا، اس نے حضرت والا کا احاطہ کر لیا، خاص طور پر ان کے سینے، چہرے اور منہ کو گھیر لیا، جب آپ کی آنکھ کھلی تو میں نے یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا: یہ میرے صبر کا پھل تھا۔

خليفة محمد حضرت والا کے قدیمی دوستوں میں سے تھے، جب آپ کسی کتاب سے کوئی مسئلہ نکالنا

چاہتے اور مقام و صفحہ معلوم نہیں ہوتا تھا تو وہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھا دیتے، معمولی غور کے بعد وہ کتاب کھولتے تو مطلوبہ جگہ ایک صفحہ آگے یا پیچھے نکل آتی تھی۔

جمالِ مستور

محمد غوث پھلتی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت والا حجرے میں اکیلے سو رہے تھے کہ میں ان کی زیارت کے لیے آیا، بعض عقیدت مندوں نے مجھے روکا کہ آپ آرام میں ہیں، حجرے میں مت جاؤ، میں دروازے پر ٹھہر گیا، اسی اثنا میں حجرے سے رونے کی آواز میرے کان میں پہنچی، میں گھبرا کر بغیر اجازت کے حجرے کے اندر چلا گیا، اندر قدم رکھتے ہی بعض ازا کی باتیں مجھ پر منکشف ہوئیں، مثلاً یہ کہ فرہاد خان حسین پوری حضرت والا کی زیارت کو آ رہا ہے، جب حضرت والا کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پاؤں میری طرف بڑھا دیئے اور میں پاؤں دابنے میں مشغول ہو گیا، اسی حالت میں میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کہا جاتا ہے اولیاء اللہ کی ایک باطنی شکل و صورت ہوتی ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے مستور رہتی ہے، وہ باطنی جمال کیسا ہوگا؟ جب آنکھ اوپر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت والا کے مبارک چہرے سے ایک حجاب آہستہ آہستہ اٹھ رہا ہے، گویا بادل کا ٹکڑا چاند سے جدا ہو رہا ہے، جب ٹھوڑی تک پردہ اٹھ گیا تو ایسی شعاعیں چمکیں کہ میں قریب قریب بے ہوش ہو گیا، تب حضرت والا اٹھے اور وضو فرمایا، میں بھی آگے جا بیٹھا تا کہ یہ قصہ عرض کروں، اشارے سے فرمایا کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کچھ دیر بعد فرہاد خان نے بھی آ کر شرفِ قدم بوسی حاصل کیا۔

تاثير کی بخشش

حضرت والد ماجد جب بھی چاہتے تھے اور جس میں بھی چاہتے تھے ایسی تاثير پیدا فرما دیتے کہ اسے اپنی سدھ بدھ نہیں رہتی تھی، ایسے قصے اعداد و شمار سے زیادہ ہیں، بعض اوقات تو آپ

کی توجہ سے جماعتوں کی جماعتیں بے ہوش ہو گئیں اور بعض اوقات آپ کی توجہ سے لوگوں پر اس قدر بیہوشی طاری ہو جاتی تھی کہ ان کے انتقال کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا، آخری عمر میں آپ نے اس قسم کی توجہ سے ہاتھ روک لیا تھا اور اسے ناپسند فرماتے تھے، ایک دن قصبہ پرتاپ پور میں مستورات نے جمع ہو کر اس قسم کی تاثیر چاہی آپ نے اس فقیر کی والدہ کو ان مستورات پر توجہ کا حکم دیا اور یہ حکم دیتے وقت ایسی تاثیر پیدا کر دی کہ اس دن والدہ نے جس کو بھی چاہا عالم بیخودی میں پہنچا دیا کم و بیش بیس عورتوں پر والدہ محترمہ نے توجہ ڈالی۔ واللہ اعلم

دلوں کے بھید بتانے اور نادیدہ امور منکشف کرنے کے سلسلے میں حضرت والد ماجد کے اس قسم واقعات بے شمار ہیں، ان کے معتقدین اور مخلصین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اس قبیل کی پانچ چھ کرامات اپنے مشاہدے کی روشنی میں بیان نہ کرتا ہو، فقیر کی غرض حضرت والا کے سلسلے میں صرف اپنی سنی ہوئی روایات محفوظ کرنا ہے ورنہ ع

سفینہ چاہئے اس بحر سیکراں کیلئے

حضرت والد ماجد کے ملفوظات

آنکھوں کا فائدہ

فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار میں ایک مشہور بزرگ کی زیارت کو گیا۔ وہ کہنے لگے: عرصے سے دو باتوں کی الجھن میرے دل میں پائی جاتی ہے اور اطمینان حاصل نہیں ہو رہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جو علماء کہتے ہیں کہ اس دنیا میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال (ناممکن) ہے حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کو چشم ظاہر دیکھتے ہیں، علماء کے قول کی وجہ سے کھلی حقیقت کا انکار نہیں کرنا چاہئے اور معتقدین صوفیاء بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں:

دیدہ را فائدہ آنست کہ دلبر بیند

ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

آنکھوں سے تو یہی فائدہ ہے کہ محبوب کو دیکھیں اور اگر نہ دیکھ سکیں تو پھر بینائی سے کیا حاصل؟ میں نے کہا: معلوم نہیں کہ اس شعر کے کہنے والے نے جمال حقیقی مراد لیا ہے یا مجازی، پہلی صورت میں تاویل کا دروازہ کھلا ہے۔

البتہ یہ جو چشم ظاہر آپ نے اپنے دیکھنے کا ذکر کیا ہے تو یہ بصیرت اور بصرا کے فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، آپ اپنی آنکھیں مچھلیں، انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے پوچھا: کیا بند کرنے کی کیفیت کا ادراک باقی ہے؟

کہنے لگے: ہاں! باقی ہے، میں نے کہا: یہی تو اشتباہ کی علامت ہے۔ (۲)

۱ بصیرت، دل کی آنکھ، بصر و بصارت ظاہری آنکھ۔

۲ مطلب یہ ہے کہ جب تک آنکھ موندنے کی کیفیت کا احساس باقی ہے تب تک شبہ باقی ہے، اور جب تک شبہ باقی ہے تب تک ظاہری آنکھ سے رویت کا دعویٰ باطل ہے، لہذا یہ دعویٰ ہمیشہ باطل ہے۔

اس بزرگ نے کہا: دوسری الجھن یہ ہے کہ یہ جو نقشبندی کہتے ہیں کہ ہم جب سالک پر توجہ ڈالتے ہیں تو پہلی ہی صحبت میں بخودی اور خود فراموشی کی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے، یہ بات سچ ہے یا نہیں اور آپ نے ایسی کیفیت اپنی آنکھوں سے بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! یہ حقیقت ہے اور ایسی بہت سی باتیں میں نے دیکھی ہیں، مگر ایسی تاثیرات تو مجھ سے بھی بکثرت ظاہر ہوئی ہیں، کہنے لگے: تم نے سچ کہا ہے مگر میری تسلی نہیں ہوتی، میں نے اسی وقت ان کے عزیزوں میں سے ایک پر جو میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا نگاہ اٹھا کر توجہ ڈالی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا، وہ پریشان ہوئے کہ اس پر مرگی یا غشی کا دورہ پڑ گیا ہے، میں نے کہا: کچھ بھی نہیں، میری تاثیر سے بخود ہوا ہے، جب وہ آدمی ہوش میں آیا تو اس سے سوال کیا گیا کہ کس وجہ سے بے ہوش تھے؟ کہنے لگا: میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ ان حضرت میں سے ایک نور نکل کر مجھ میں جذب ہو گیا اور میرا ہوش جاتا رہا، یہ سن کر وہ بزرگ کہنے لگے کہ عین الیقین تو حاصل ہوا ہے مگر ابھی حق الیقین نہیں ہوا، میں نے کہا: چونکہ آپ صاحب ارشاد بزرگ ہیں، آپ کو بخوبی علم ہے کہ ہر سلسلہ طریقت میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے، سلسلہ نقشبندی کی یہ تاثیر بغیر ارتباط (بیعت) آپ کو سمجھنا مناسب نہیں۔

رویت و حجاب

کاتب الحروف کہتا ہے کہ مکہ معظمہ میں مسجد الحرام کے اندر میں شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ کی روحانی مجلس سے محظوظ ہوا، جو اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے حق سبحانہ تعالیٰ کی رویت کے قائل تھے، میں نے ایک موقع پر انہیں رویت باری سے متعلق اپنے نظریے سے آگاہ کیا، تو انہوں نے اعتراض کیا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ جہت و مکان کی قید سے پاک ہے تو پھر دیکھنے والے کی آنکھ کی پلکیں حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اور دیکھنے والے کی آنکھ کے ڈیلے کے درمیان ہرگز روک اور حجاب نہیں بن سکتیں، اس لیے ثابت ہوا کہ آنکھیں جھپکنے کے باوجود

دیدار کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور بصر و بصیرت میں کوئی فرق و امتیاز ثابت نہیں کیا جاسکتا، میں نے کہا: حقیقتِ رویت (کھلی آنکھوں سے دیکھنا) عام مفہوم یا عرف عام میں ایک کامل و اشکاف اور کھلی حقیقت کے دیکھنے کو کہتے ہیں، جو آنکھ مچولی اور چکاچوند میں نہیں بلکہ ہمیشہ آنکھیں کھولنے کے بعد والے نظارے کو کہا جاتا ہے، ملاجلال نے رویت معاویہ کی بحث میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دیدار جو آنکھیں بند کر کے اور کھولنے کے بعد ایک ہی طرح محسوس ہو اسے رویت نہیں کہہ سکتے۔ واللہ اعلم (۱)

نیت کا فرق

فرمایا کہ میرے ایک ہم سبق نے مجھ سے سوال کیا کہ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کو بھی اپنے بندوں کے وسیلے سے رزق پہنچاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ہی کی طرح کسی حیلے بہانے سے دیتا ہے، ہم سب کا اس پر ایمان ہے کہ رزاق حقیقی خداوند تعالیٰ ہے، لیکن آپ اور عام لوگوں کے درمیان کیا فرق رہا؟

میں نے کہا تم حصول رزق کے لیے مخلوق کی طرف توجہ رکھتے ہو لالچ میں ان کے آگے بچھے جاتے ہو مگر ہم رزاق حقیقی کی طرف توجہ رکھتے ہیں، اسی سے طلب کرتے اور جو کچھ آتا ہے اسی کی عطا سمجھتے ہیں، کہنے لگا: ابھی فرق واضح نہیں ہوا۔

حضرت والد ماجد فرماتے ہیں کہ میں نے تصرف سے کام لیا، تو خداوند تعالیٰ نے یہ کرشمہ ظاہر فرمایا کہ اس کے دل میں بغیر کسی دباؤ کے یہ بات آئی کہ مجھے کچھ نذرانہ پیش کرے، اس کی خواہش لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی یہاں تک کہ وہ بے اختیار ہو گیا، ادھر میں نے نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہ کافی دیر دھوپ میں کھڑا ہو کر گڑ گڑاتا اور عاجزی کرتا رہا اور کہنے لگا کہ میں

۱ یعنی آنکھ بند ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو کہ اجالے میں ہر حال میں رب کریم کا مشاہدہ کرتی رہے گی، اس کی ذات کے جہات اور مکان سے پاک ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ پلکوں کے اندر بھی وہ موجود ہے۔

بخوبی جانتا ہوں کہ نذرانہ قبول کرنے میں میری بھلائی اور ٹھکرانے میں میری بدبختی ہے، میں نے نذرانہ لینے کے لیے کچھ مشکل شرائط پیش کیں تو وہ بھی اس نے ہنسی خوشی پوری کیں، اس کے بعد میں نے اسے کہا کہ یہ نذرانہ میری چوکھٹ پر رکھ دو، اس نے ایسا ہی کیا، وہاں سے ایک بھکارن گزر رہی تھی، میں نے اشارہ کیا کہ یہ اٹھالو، پھر میں نے اسے کہا کہ اب کچھ معلوم ہوا کہ امیروں سے تیرے حاصل کرنے اور میرے لینے میں کیا فرق ہے؟ کہنے لگا: اب یہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو چکا ہے۔

کل کا وعدہ، اے دوست کس لئے؟

فرمایا: علماء و مشائخ کے اجتماع میں ایک آدمی نے کہا کہ یہ جو خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:

امروز چوں جمال پر تو بے پردہ ظاہر است

در حیرتم کہ وعدہ منردا برائے چست

اے محبوب ازل! تیرا جلوہ حسن تو ہم پر آج بھی بے نقاب ہے، میں حیران ہوں کہ پھر یہ مکمل کا وعدہ آخر کس لیے ہے؟“

اور عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس دنیا میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے، ان دونوں باتوں میں کیسے مطابقت پیدا کی جاسکے گی؟

اس مسئلے نے مناظرے کی کیفیت اختیار کر لی اور بات کافی بڑھ گئی، آخر سب نے تھک ہار کر مجھ سے رجوع کیا، فریقین کو خاموش کرا کے میں نے کہا کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حق تعالیٰ محجب (چھپا ہوا) ہے، محبوب (چھپایا ہوا) نہیں یعنی اپنے اختیاری حجاب کی آڑ میں ہے، کسی کے ڈالے ہوئے حجاب میں مستور نہیں۔

خواجہ حافظ نے تقاضائے شوق کے تحت فرمایا کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ کسی کے حجاب کی قید میں نہیں اور ہماری آنکھوں کی کمزوری کے علاوہ اور کوئی رکاوٹ بھی نہیں اور ان رکاوٹوں کا اٹھانا

بھی اسی کے ہاتھ میں ہے تو اس دنیا میں جمالِ جہاں آرا سے کیوں محروم رکھا جا رہا ہے؟ میری اس تشریح کو دونوں نے بغیر کسی تردد کے قبول کر لیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ مناظرہ اس بات پر تھا کہ صوفیا کے نزدیک حق سبحانہ و تعالیٰ کے بے پردہ ہونے سے مراد ایسا دیدار و انکشاف ہے جس سے اوپر کوئی انکشاف نہیں اور اولیاء اللہ کو اس دنیا میں انہی معنوں میں رویت باری حاصل ہوتی ہے، البتہ عوام کے لیے ایسا دیدار آخرت پر موقوف ہے، علما اس معنی سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت کے لیے کھلی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے۔

قلندر کی شان

بادشاہ اورنگ زیب کے مقربین میں سے ایک شخص حضرت والد ماجد کا معتقد تھا، ایک دن بادشاہ نے مراقبہ کیا اور وہ پنکھا جھلنے لگا، اس پر بھی شغل غالب آنے لگا اور وہ بخود ہو گیا، پنکھا اس کے ہاتھ سے گر پڑا، قریب تھا کہ بادشاہ کو تکلیف پہنچتی مگر پنکھا گرنے کی آواز سے بادشاہ مراقبہ سے چونکا اور پوچھا کیا بات ہے؟

اس نے اپنے بے خود ہونے اور حضرت والا سے اپنی نسبت کے بارے میں بادشاہ کو بتایا، بادشاہ کے دل میں حضرت والا سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا، بادشاہ نے کہا کہ حضرت کو میرے پاس لاؤ، اس نے کہا کہ وہ بادشاہوں اور دولت مندوں کے ہاں جانا مناسب نہیں سمجھتے۔

بادشاہ نے حضرت والا کے ایک مخلص شیخ پیر کو بلوایا اور اس کے ذریعہ شوق زیارت اور خواہش ملاقات کے بارے میں کہلا بھیجا، آپ نے یہ بات قبول نہ کی، شیخ پیر کا اصرار بھی بے سود نکلا، جب وہ مایوس ہوئے تو کہا کم از کم ایک خط ہی لکھ دیجئے تاکہ آپ کا نہ جانا میری کوتاہی پر محمول نہ کیا جائے، وہاں پر کاغذ کے ایک پھٹے پرانے ٹکڑے میں جوتے لپٹے ہوئے تھے، آپ نے وہ کاغذ لے لیا اور اس پر لکھا:

”اس بات پر اہل اللہ کا اجماع ہے، ”بئس الفقير على باب الأمير“ (امراء کے دروازوں پر فقراء کا جانا بدتر ہے) اور حق سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وما متاع الحيوۃ الدنيا إلا قليل“ (دنیا کی ناپائیدار زندگی کا سارا سا زوسامان کچھ بھی تو نہیں) اس قلیل میں سے بہت ہی تھوڑا حصہ آپ کو ملا ہے اگر بفرض محال آپ مجھے کچھ دینا بھی چاہیں تو وہ جزء لا یتجزی ہی ہو سکتا ہے (ایسا ذرہ جسے تقسیم نہ کیا جاسکے) اس معمولی مقدار کے لیے میں اپنا نام خدائے برتر کے دفتر سے آخر کیوں کٹا دوں؟ مشائخِ چشتیہ کے ملفوظات سے ثابت ہے کہ جو شخص بادشاہ کے دفتر میں اپنا نام لکھا دے حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کاٹ دیا جاتا ہے“

اس خط کی روایت بالمعنی (صرف مفہوم بیان کیا گیا) ہے، الفاظ محفوظ نہیں رہے، بہر حال اسی طرح کے الفاظ لکھ کر آپ نے بھجوا دیا، اس روایت کے ناقل نے بیان کیا کہ بادشاہ نے اس رقعہ کو اپنی جیب میں محفوظ رکھا، جب نیا لباس زیب تن کرتا تو اس کی جیب میں رکھ لیتا یہاں تک کہ مدتوں یہ خط محفوظ رہا، فرصت کے اوقات میں اس کا مطالعہ کر کے روتا تھا۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس قسم کا ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ آخری دنوں میں بہادر شاہ کے بیٹے عظیم الشان نے دعا کی درخواست اور عجز و انکساری سے بھرپور عریضہ لکھ کر زیارت کی خواہش کی اور کہا کہ اگر آپ خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے قصد سے تشریف لائیں اور اس بہانے سے ہماری ملاقات بھی ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا:

ان الله لا ينظر إلى صوركم وأعمالكم وإنما ينظر إلى قلوبكم ونياتكم (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتے ہیں نہ اعمال کو بلکہ تمہارے دل اور نیت کو دیکھتے ہیں۔

لہذا میں آپ کی چکنی چپڑی باتوں کے فریب میں نہیں آ سکتا۔

۱ صحیح مسلم - (حدیث ۴۶۵۱) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله لا ينظر إلى

صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم*

اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتے ہیں نہ مال کو بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔

جدید معارف

شیخ احمد سرہندی کی اولاد میں سے شیخ نقشبند نامی ایک بزرگ نے ایک دن مجمع میں کہا کہ اس زمانے کے درویش پرانے گھسے پٹے نکات کے سوا کچھ نہیں جانتے، جدید معارف کے عرفان کی ہوا بھی ان کو نہیں لگی، حضرت والا نے فرمایا: ایسا نہیں بلکہ اس طبقے کے بعض لوگ تو خاص طور پر ایسے جدید معارف کا سرمایہ رکھتے ہیں کہ اس میں وہ کسی کے مقلد نظر نہیں آتے۔

وہ کہنے لگے: اگر ایسا ہے تو پھر ان میں سے کچھ ہمیں بھی سنا دیجئے تاکہ آپ کی اس بات کی حقیقت ہم پر بھی واضح ہو جائے، آپ نے فرمایا ”کلموا الناس علی قدر عقولہم“^۱ (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو) حد مقرر ہو چکی ہے اس لئے عام مجلس میں ایسے رموز ظاہر نہیں کرنے چاہئیں، کہنے لگے کہ اس مجلس میں اکثریت اہل سلوک کی ہے۔

آپ نے فرمایا: معرفت کے بعض نکاتوں کے سلسلے میں اہل اللہ بھی عوام کا سادہ درجہ رکھتے ہیں، لیکن وہ نہ مانے اور اصرار کرتے رہے، حضرت والا نے فرمایا: شیخ بسطامی کا قول ہے:

”نہایۃ الصدیقین بدایۃ الأنبیاء“^۲ ()

جہاں صدیقین کا کمال ختم ہوتا ہے وہاں سے انبیاء کرام کا آغاز ہوتا ہے۔

اور اکثر اہل استقامت (۳) اسی راہ پر چل رہے ہیں مگر عرفان کچھ اور تقاضا کرتا ہے۔

جب حضرت والا کی بات یہاں تک پہنچی تو شیخ نقشبند کی پیشانی پر بل پڑ گئے، چہرے پر ناگواری کے اثرات محسوس ہونے لگے، حضرت والا نے خیال کیا کہ شاید شیخ نقشبند اس

^۱ أمرنا أن نكلم الناس علی قدر عقولہم (الدیلمی عن ابن عباس بسند ضعیف، جامع الاحادیث ۱/۵۴۲)

^۲ إيقاظ الهمم شرح متن الحكم - لابن عجبیه (1/273) فنہایۃ الأولیاء بدایۃ الأنبیاء و نہایۃ الأنبیاء بدایۃ الرسل

و بدایتہ علیہ السلام من نہایۃ الرسل * صلی اللہ علیہ وسلم

^۳ پوری عزیمت اور اٹل ارادے کے ساتھ راہ تصوف پر چلنے والے حضرات۔

دوسرے قول کو پسند کرتے ہیں کہ ”الولاية افضل من النبوة“ (۱) (ولایت نبوت پر فوقیت رکھتی ہے) تو آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ”نہایۃ الصدیقین بدایۃ الانبیاء“ والا مقام ایک برزخی حیثیت رکھتا ہے جسے نبی کے سوا کوئی طے نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد اپنے اسی مضمون کو دوبارہ ایسے انداز سے بیان فرمایا کہ تمام اہل مجلس نے بھی سمجھ کر قبول کیا اور شیخ نقشبند انتہائی مسرور و محفوظ ہو کر کہنے لگے کہ بایزید بسطامیؒ کی بات تو روشنائی سے لکھی گئی ہے مگر آپ کا یہ نکتہ معرفت تو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

ایہ قول حکیم ترمذی کا ہے، واضح ہو کہ یہ امام ترمذی صاحب السنن نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں محمد بن علی بن حسن بن بشر الترمذی المتوفی ۲۹۶ھ ان کی کتاب کا نام ختم الولاية ہے، اس کے بعد ان کے قول کو پھیلائے اور قبول کرنے والوں میں فصوص الحکم کے مصنف محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن حاتم طائی معروف بہ محی الدین ابن عربیؒ، متوفی ۶۳۸ھ، اور سعد الدین حموی متوفی ۹۸۷ھ ہیں، لیکن اہل علم حضرات نے پوری شدت کے ساتھ اس عقیدے کا بطلان کیا ہے اور اس کو بطلان عقیدہ کہا ہے، کتاب وسنت یا فقہاء و علماء امت کی تصریحات میں اس نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں، بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی کے پائیدان کو نہیں چھو سکتا، نبوت کا تو ذکر ہی بند کر دیجئے، نبی بصیرت پر قائم، براہین سے مزین، معجزات سے مؤید ہوتا ہے، جبکہ ولی کا دار و مدار مکمل طور پر نبی کی پیروی پر ہے، جہاں اپنے نبی کی اطاعت سے ذرا ادھر ادھر ہوا تمام کیا ادھر اغارت، سر پر دھراتاج ولایت ایک بوجھ، کراہتیں جادو اور استدراج کے زمرے میں داخل، راہنمائی کے بجائے خود گمراہی میں گرفتار، نبی کی جتنی زیادہ اطاعت اتنا ہی بڑا ولی، اسکے علاوہ جو کچھ ہے محض ظن ہے، قیاس ہے، اٹکل ہے، بلکہ بغاوت ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، کوئی گنجائش نہیں، یہاں بھی حضرت شیخ عبدالرحیمؒ نے اس کو غلط قرار دیا ہے، قیامت تک کے لئے اعلان ہو چکا: مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا* (النساء: ۸۰) جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یقیناً اس نے کر لی اطاعت اللہ کی، اور جس نے انحراف کیا تو آپ نہیں ان پر نگہبان۔

یہ تمام بحث اس وقت ہے جب کہ یہ قول اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے، ہمارا یقین ہے کہ اس سے ان کی مراد افضل فی الدرجات نہیں ہے، بلکہ مفید لوجہ ہے، یعنی ولایت ایک اعتبار سے نبوت سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ وہ قابل حصول ہے، ہم اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتے ہیں، حرص اور دعا بھی۔ (آگے)

وہ سمیع ہے ایسا

(۱) واضح ہو کہ حضرت والد ماجد اکثر مسائل میں حنفی مذہب کے مطابق عمل کرتے تھے مگر جہاں حنفی مسلک کے مقابلے میں حدیث رسول ﷺ یا وجدان سے دوسرے مسالک قابل ترجیح نظر آتے تو انہیں قبول کر لیتے مثلاً امام کے پیچھے اور جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ ایک دن اس بارے میں شیخ عبدالاحد نے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے نقل کیا کہ اگر کوئی جماعت بادشاہ کی بارگاہ میں اپنی ضرورت بیان کرنے کے لئے کھڑی ہو تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اپنا کوئی نمائندہ آگے کریں، نہ یہ کہ ہر شخص بولنے لگ جائے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، نماز کی حقیقی غرض تو دعا اور خشوع و خضوع کے ذریعے اصلاح نفس اور خدائے قدوس سے شرف ہمکلامی حاصل کرنا ہے جیسا کہ حدیث ”لا

(صفحہ ۱۹۰ کا بقیہ) لیکن نبوت چونکہ خالص وہی شے ہے اس لئے نہ اس کی کوشش جائز کہ یہ سعی لا حاصل و لغو ہوگی، نہ دعا جائز کہ یہ دعائے باطل ہوگی۔

ولایت میں کسب و محنت، عبادت و ریاضت کو دخل ہے اس لئے وہ اس معنی میں زیادہ مفید ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک ہی نبی کی پیروی میں الگ الگ لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نبی و پیغمبر سے بہت ہی کمتر لوگوں کو اس کے حصول کی امید طاعات پر ابھارتی رہتی ہے، بلکہ اللہ کے گناہ گار، ناکارہ، نکلے اور نالائق ترین بندے بھی اس فضل سے مایوس نہیں ہوتے، انہیں بھی مفت میں توقع رہتی ہے کہ جانے کب قطب بنا دیئے جاؤ۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دعویٰ کرے کہ چراغ سورج سے بہتر ہے، بھلا کہاں سورج کہ جس سے تمام جہان روشن ہے اور کہاں یہ حقیر دیا جو اپنی روشنی اپنے ہی نیچے پہنچانے سے قاصر ہے، لیکن اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ چراغ ہمارے لئے سورج کی نسبت اس وجہ سے اچھا ہے کہ چراغ کو ہم جب چاہیں روشن کر لیں، جب چاہیں گل کر دیں، جہاں چاہیں رکھ لیں، جہاں سے چاہیں اٹھادیں تو یہ دعویٰ بالکل درست ہے، کیونکہ چراغ کے ریو ائمہ میں سورج سے نہیں مل سکتے، غالب کا شعر مستعار لیتا ہوں جو انھوں نے اسی پیرائے میں کہا ہے:

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا ساغر جم سے مراجع سفال اچھا ہے

تو الولاية افضل من النبوة کے معنی ہونگے، انفع من النبوة عن وجه الحصول * واللہ اعلم

صلوة لمن لا يقراء بام الكتاب“ (جو ام الكتاب نہ پڑھے اس کی نماز نہیں) دلالت کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ تو ایسا سمیع ہے کہ اگر تمام جہان ایک میدان میں کھڑا ہو جائے اور ہر شخص اپنی اپنی بولی میں کچھ کہے، تو کسی کی مناجات دوسرے کی مناجات کے سننے میں خلل انداز نہیں ہو سکتی۔ بحث کے دوران ہم اس بات پر آگئے کہ بعض اوقات مقتدیوں کی قرأت امام کی قرأت میں خلل پیدا کر سکتی ہے لیکن اس زمانے کا حال تو یہ ہے کہ امام کی زبان پر لفظ الحمد ہوتا ہے اور حقیقت میں صلوة کے معنی کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی، اس لیے امام کی تشویش سے گھبرانا نہیں چاہئے۔

کاتب الحروف اس ضمن میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون* (الاعراف: ۲۰۴)

جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر خدا کی رحمت ہو۔
محض جہری نمازوں کے لئے ہے، اور اس کی تاویلات تفسیروں میں موجود ہیں۔

تعلق مع اللہ

ایک دن اولیاء اللہ کی دائمی حضوری پر بات چل نکلی، شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دائمی حضوری یعنی تعلق مع اللہ کی تعریف یہ ہے کہ ولی جس آن بھی حق کی حضوری کے لیے اپنے آپ میں توجہ کرے تو بغیر کسی کوشش کے دل میں حضور حق کی یادداشتیں آنا شروع ہو جائیں۔ حضرت والا نے فرمایا: یہ تو معمولی کوشش سے میسر آ سکتی ہے، میرے نزدیک دوام حضوری کی تعریف یہ ہے کہ ولی سے ان معنوں میں کبھی منقطع نہ ہو جسے بصیر (دیکھنے والے) سے بصارت (نظر) کسی لمحے جدا نہیں ہو سکتی۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ دائمی حضور ایسے آدمی کے لیے جو ابھی فنا کے مقام سے نہیں گزرا ایک قسم کا تکلف ہے، اور جو فانی فی اللہ ہو اسے اپنے زندہ جاوید نقطہ وجود یہ جو کہ حقیقت عالم میں

موجود ہے (روح) کی طرف ذرا سا التفات کرنے سے بھی حضور حق حاصل ہو جاتا ہے، اور فانی کو مطلق حضور حق، جو کہ ایک لحاظ سے نقطہ وجود یہ بھی ہے، یا التفات اجمالی ہمیشہ حاصل رہتا ہے، جیسا کہ آنکھ میں روشنی موجود رہتی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آنکھ کی روشنی کا ایک جگہ جم جانا ہو یا پتلیوں کی گردش سے اس کا بکھر جانا، آنکھ ان دونوں حالتوں کی جامع اور نقطہ اتحاد ہے، گویا بصارت آناً فاناً آتی بھی رہتی ہے اور جاتی بھی رہتی ہے، اس حقیقت سے دونوں مسئلوں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

دیکھا ہے کہ سنا ہے؟

شیخ عبدالاحد ایک دن کچھ بزرگوں کے تصرفات بیان کر رہے تھے، حاضرین نے سمجھا کہ اس قسم کی کرامات صرف انہیں بزرگوں سے ہوتی تھیں، حضرت نے قریب بیٹھے ہوئے دوستوں کو اشارہ کیا کہ فلاں فلاں قصہ بیان کرو، انہوں نے حضرت والا کے جو تصرفات اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے بیان کئے اور ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ (آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا برابر کہاں) کا سماں باندھ دیا، اس سے لوگوں کا شک مٹ گیا اور کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

شیخ فقیر اللہ

شیخ فقیر اللہ جن کا لقب زین العابدین تھا، حضرت شیخ احمد سرہندی کے پوتوں اور خواجہ کلاں ابن خواجہ محمد باقی باللہ کے نواسوں میں سے تھے، اپنے خاندان کے بزرگوں سے کافی فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد دہلی میں آ گئے تھے، وہاں ایک مدت تک حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کے مزار پر نور پر بیٹھ کر فیض حاصل کرتے رہے، ایک دن انکے دل میں آیا کہ یہ اویسین سبت جو حضرت خواجہ کی روح مبارک سے حاصل ہو رہی ہے جب تک ظاہری استفادے کی شکل اختیار نہیں کرے گی مضبوط نہیں ہوگی، اس خیال کے آتے ہی حضرت خواجہ

کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے استخارہ کیا کہ وہ ظاہری طور پر کس بزرگ سے اپنا ربط پیدا کریں؟ حضرت خواجہ نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اگر ہماری خاص نسبت کے طالب ہو تو حضرت والا (شاہ عبدالرحیمؒ) کی صحبت میں جاؤ اور ان سے استفادہ کرو۔

شیخ زادے فوراً حضرت کی خدمت میں پہنچے اور آپ کی خدمت میں ہی ان پر حضرت خواجہ کا لطف و کرم اور عجیب و غریب فیوض و برکات جلوہ گر ہوئے، چنانچہ انہوں نے ان حالات و کیفیات کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا ہے جو یہ ہے:

شیخ فقیر اللہ کا خط

حقیر ترین مخلوق، زین العابدین، فیاض زمان، قبلہ مہربان، کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے: عرض حال یہ ہے کہ آپ کی صحبت سرمایہ سعادت کا اشتیاق اس قدر ہے کہ قلم کی سرخ زبان اسے بیان نہیں کر سکتی، دیوانگی اور بے تابی سے دل میں اکثر یہ خیال آتا ہے کہ کچھ بھی ہو وہاں جا کر آستان بوسی کا شرف حاصل کروں، مگر کیا کیجئے کہ جسمانی کمزوریاں اور زادِ راہ میسر نہ ہو نے جیسی انسانی مجبوریاں منزل مقصود کے لئے رکاوٹ ہیں، آپ کے جمال مظہر کمال کے جلد میسر آنے کی دعا دیوانگی کے ساتھ خداوند قدوس سے دن رات کرتا ہوں ”انہ قریب مجیب“۔

خدا کا شکر و احسان ہے کہ باوجود اس ظاہری دوری کے یہ ناکارہ آپ کے فیوض و برکات سے لبریز ہے اور شب و روز دلی اطمینان کے ساتھ گزار رہا ہے، مصیبتیں اور سختیاں جتنی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہیں اسی قدر ترقی کی راہیں کثرت کے ساتھ کھلتی ہیں، محبوب کی ایذا رسانی جو اپنے اندر کچھ مصلحتیں اور مقاصد رکھتی ہے اہل محبت کی نظر میں خوب اور پسندیدہ ہے بلکہ انہیں تو نعمتوں سے بھی زیادہ لذت اسی میں ملتی ہے:

ہجرے کہ بود مراد محبوب از وصل ہزار بار خوشتر

عاشق کی دوری جسے محبوب پسند کرے، عشاق کے لئے وصل سے ہزار درجہ اچھی ہے۔

پہلے بھی یہ حقیقت فقیر پر روشن تھی مگر آپ کی صحبت کی برکت و تاثیر سے یہ دولت تمام و کمال حاصل ہوئی ہے اور اسی طرح دنیا اور اہل دنیا کی بے اعتباری، گھٹیا پن اور ان دنوں سے بے رغبتی بھی ان دنوں زیادہ ہو چکی ہے۔

دنیوی ترقی کی باتوں سے بھی دل کو خوشی نہیں ملتی، فقیرانہ وضع دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلق اور فقر کی بدولت پیدا ہونے والی بے سروسامانی خوب پسندیدہ اور اچھی نظر آتی ہے، جب کہ دولت کا چھنا اہل دولت کیلئے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔

دہلی میں قیام کے دوران احقر کو بھی دنیوی رہن سہن کے زوال کا احساس کسی قدر باقی تھا، مگر آپ کی صحبت بابرکت سے جو فیوض و برکات حاصل کرتا رہا وہ تحریر میں نہیں لاسکتا۔

ان دنوں آپ سے نسبت و تعلق نے بے اختیار مغلوب کیا ہوا ہے، اکثر و بیشتر آپ کی شکل مبارک سامنے رہتی ہے جسے دیکھ کر یہ ادنیٰ خادم بے خود اور بیقرار ہو جاتا ہے۔

آستاں بوسی کا شوق اس حد تک جا پہنچا ہے کہ نہ نیند میں چین اور اور نہ بیداری میں آرام، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تک کیسے پہنچوں سخت گرمی اور بارش کے سبب گھر سے نکلنے کی ہمت نہیں پڑتی، ایسے موسم میں احقر کا آنا ہلاکت کا باعث ہو سکتا ہے، اور دوسری ظاہری رکاوٹیں بھی مانع ہیں، برسات گزر جانے کے بعد اگر کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو امید ہے کہ آستاں بوسی کر کے اپنی استعداد کے مطابق فیض یاب ہوں گا۔

اگر آپ کی باطنی عنایات جو فوری طور پر پہنچ کر تسلی کرادیتی ہیں میسر نہ ہوتیں تو قریب تھا کہ درد عشق کی شدت بے جان ڈھانچہ بنا کر رکھ دیتی مگر چونکہ آپ کا فرمان تھا کہ ہم غائبانہ بھی تمہارے دل پر متوجہ رہیں گے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ غائبانہ توجہ سے تمہیں فیوض و برکات حاصل ہوں گی، اس فرمان سے ذرا دلی سکون حاصل ہے، مگر ساتھ ساتھ شرف صحبت کا ذوق و شوق بھی ہے، امید رکھتا ہوں غائبانہ توجہ کرامت سے پابوسی کا شرف بھی بخشیں گے۔

ہفتے میں آپ نے توجہ کے لیے جو جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا اس پر پیر کا دن بھی بڑھا دیجئے تاکہ آپ احقر کے حال پر ہفتے میں دو دن توجہ فرما سکیں اور روحانی ترقی حاصل ہوتی رہے، امید ہے کہ آپ یہ التجا قبول فرمائیں گے، جمعرات کے دن نماز عصر کے بعد فرمان عالی کے مطابق آنجناب کی طرف متوجہ رہتا ہوں ان لمحات میں بعض اوقات تو عجیب و غریب کیفیات نمودار ہوتی ہیں بالخصوص پندرہ صفر کو حسب دستور آپ کی روحانیت کی طرف متوجہ تھا کہ جذبہ روحانی کی نسبت شعاعوں کی شکل میں جلوہ گر ہوئی قریب تھا کہ نسبت باطنی کے غلبے کی وجہ سے مدہوش اور بیخود ہو کر گرتا کہ اسی دوران میں نماز مغرب کی اذان ہوئی اور نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ کیفیت قدرے ہلکی ہو گئی۔

اس طرح اکثر اوقات توجہ باطنی کے دوران مغلوب النسبت ہو جاتا ہوں پہلے یہ کیفیت کبھی کبھار ہوتی تھی، اب مستقل اور متواتر ہو گئی ہے، طبیعت گوشہ نشینی کو پسند کرتی ہے، علمی مشاغل اور تلاش روزگار کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو طبیعت ان سے متنفر ہو چکی ہے، دو سطریں پڑھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

رخصت کرتے وقت آپ کی زبان گوہر بار سے نکلا تھا کہ تمہیں اصل نسبت حاصل ہو چکی ہے، مداومت اور پابندی کرنے سے یہ روز بروز زیادہ ہوگی اور اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، سچ تو یہ ہے کہ آپ کا فرمان پورا ہوتا دیکھ رہا ہوں، دن بدن نسبت مضبوط ہو رہی ہے اور اس کے آثار خاصیت جلوہ گر ہو رہے ہیں، یہ سب کچھ آپ کے لطف و کرم کا ثمرہ جانتا ہوں۔

من آں حنا کم کہ ابرِ نو بہاری
کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر بر روید از تن صد زبانم
چوں سوسن شکر لطفش کے تو انم

میں وہ ناچیز مٹی ہوں جس پر بہارنو کا بادل اپنے لطف و کرم سے رحمت کا مینہ برسا رہا ہے، میرے بدن سے اگر سوز بانیں نکلیں تو گل سوسن کی طرح اس کے لطف و کرم کا شکر ادا نہیں کر سکتیں۔

میرے پاس اٹھ بیٹھ رکھنے والے بعض احباب میری اس نسبت کی خیر اور کیفیت بتلا دیا کرتے ہیں اور بعض تو مغلوب الحال ہو کر اپنے اندر ایک عظیم کیفیت مشاہدہ کرتے ہیں، برخوردار درویش احمد تو ان دنوں اس نسبت سے بھرپور ہے مگر تمنا یہ ہے کہ اس بخود دی اور مغلوب الحالی کی کیفیت تمام یاران طریقت میں ظاہر ہو، جو ابھی تک دیکھنے میں نہیں آ رہی البتہ آپ کی عنایات سے امید رکھتا ہوں کہ فقیر کے حسب منشا یہ بھی ہو جائے گا۔

علم باطنی کی ترقی کے سلسلے میں احقر امید رکھتا ہے کہ توجہ مبذول فرمائیں گے کیونکہ بعض ضروری امور اسی کے حصول پر موقوف ہیں، احقر اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ تمام امور باطنی کی عقدہ کشائی آپ ہی کی توجہ پر منحصر ہے:

سالہا در طلب روئے نکو در بدرم روئے بنما دخلا صم کن کہ ازیں در بدری
مدتوں سے رخ انور کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں ذرا سی جھلک دکھا کر مجھے اس کوچہ گردی
سے نجات دلا دیجئے۔

ان پر اللہ کی سلامتی ہو جو سیدھی راہ چلتے ہیں۔

شیخ فقیر اللہ کا دوسرا خط

ایک اور خط میں حضرت والد ماجد کو لکھا کہ:

قبلہ گا ہا! آپ کی نگرانی میں مکمل کئے ہوئے چلے میں جو فیوض و برکات ہوں، ان کی تفصیل کسی بیان میں نہیں سما سکتی، مختصراً یہ کہ آپ کی توجہ عالی کی برکت سے بہت سی ایسی فتوحات باطنی حاصل ہوئیں جن کا میں اہل نہیں تھا، اور نفس کے پلید و سوسوں سے نجات پا کر نسبت روحانی کے مختلف مقامات پر فائز ہوا۔

گر برتن من زباں شود ہر مو یک شکر تو از ہزار تنوا نم گفت
 ”میرے وجود کا ہر بال اگر زبان بن جائے تب بھی تیرے ہزاروں احسانات میں سے ایک
 کا بھی شکر ادا نہ کر سکوں“

دوسرے یہ کہ احقر آپ کے فرمان کے بموجب اب تک آغاز قلب کے جوف سے نکلنے
 والے نور کے مطالعہ و مشاہدہ میں مستغرق ہے، اس مشاہدہ و مطالعہ میں عجیب و غریب امور ظاہر
 ہوتے رہتے ہیں جیسے بیخودی، حضوری، ربودگی اور بعض کوئی امور کا کشف۔

اس مطالعہ و مشاہدہ کی مشق کے لیے جن مریدین کو اجازت دی تھی ان کے بقول انوار و تجلیات
 بھی اس مشاہدہ میں میسر آتے رہتے ہیں، اگر حکم ہو تو یہ مطالعہ جاری رکھا جائے یا پھر کوئی اور
 چیز مناسب حال ارشاد فرمادیں تاکہ اسے معمول بنا لیا جائے۔

قبلہ گا ہا! عجیب معاملہ ہے جب آپ کا اشتیاق غالب آتا ہے تو گویا آپ کی طرف سے ایک
 کھڑکی کھل جاتی ہے اور آپ کے فیوض باطنی اور برکات روحانی اس ادنیٰ خادم درگاہ پر موسلا
 دھار مینہ کی طرح برستی رہتی ہے، جس قدر شوق تیز ہوتا ہے اسی قدر یہ برسات شدت اختیار کرتی
 ہے، احقر کو یقین کامل ہے کہ میری تمام باطنی فتوحات آپ کی توجہ کی محتاج ہیں جناب والا کی
 ایک توجہ سو سالہ عبادت اور چلوں سے بہتر ہے۔

اگر از جانب معشوق نباشد کشتے کوششِ عاشق بیچارہ بہ جائے نہ رسد
 اگر محبوب کی طرف سے کشتش اور وصل کی رغبت شامل حال نہ ہو تو عاشق مسکین کبھی منزل مقصود
 تک نہ پہنچ پائے گا۔

جو ابی مکتوب

حضرت والد ماجد نے جو ابی مکتوب میں لکھا:

”ذات الہی میں گم ہونے اور عرفان و آگاہی میں پوری توجہ صرف کرنے سے قوت مشاہدہ

اور حق کی حضوری میں دوامی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کیفیت سے متاثر نہیں ہوتے، میرے مشفق! جب یہ نسبت دوامی کیفیت حاصل کر لے تو کیفیت اور کمیت ہر لحاظ سے لحظہ بلحظہ ترقی کرتی رہتی ہے اور تمام ہستی موہوم پس پردہ چلی جاتی ہے۔“

طالب کو وجود حقیقی عطا ہوتا ہے، اور عالم شہود میں مفروضہ وجود کے آثار کلی طور پر مٹ جاتے ہیں اور وجود حقانی کے انوار و آثار ظہور پذیر ہوتے ہیں، اور سالک قرب نوافل (غیر ضروری تقرب) کے مقام سے گزر کر قرب فرائض کے مقام میں جا پہنچتا ہے، انسان تو کیا جانور بھی اس نسبت سے متاثر ہوتے ہیں، چنانچہ محمد قلی، فقیر (شاہ عبدالرحیم) کا ایک مخلص جس وقت بھی جذبہ آگاہی کی نسبت سے متاثر ہوتا تھا تو اس کا گھوڑا چلنے سے رک جاتا تھا، جب وہ اس نسبت سے مغلوب ہوتا تو گھوڑا زمین پر گر جاتا تھا، جب اس سے بھی زیادہ مغلوب الحال ہوتا تو گھوڑے پر بیخودی طاری ہو جاتی، بعض اوقات کچھ حیوانات نے اس فقیر کی نسبت سے بھی متاثر ہو کر دانے پانی سے تین تین دن تک منہ پھیر لیا ہے، بلکہ بعض تو اس روحانی نشے کی تاب نہ لا کر مر بھی گئے، بزرگان طریقت کے ایسے قصے اور حیوانات کے متاثر ہونے کی باتیں حد تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور ایسے مشاہدات کثرت سے واقع ہوئے ہیں۔

مگر بعض اکابر سے کرامات وغیرہ اس وقت ظاہر ہوتی تھیں جب وہ مامور ہوتے تھے، یعنی ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا، بعض فقراء نسبت سے مغلوب ہو کر ایسے آثار دکھاتے تھے اور بعض کا ملین ایسے بھی گزرے ہیں جو جب چاہتے یہ تصرفات دکھا سکتے تھے۔

یہ عجیب بات بھی قابل ملاحظہ ہے کہ جوانی کے دنوں میں بعض احباب توجہ سے ایسے متاثر ہوئے کہ ان کا جسم ہوا میں اڑا اور پھر زمین پر لوٹا۔

امید کرتا ہوں کہ کچھ عرصہ اس نسبت کو دوام بخشنے کے لئے مجاہدات اور کوشش کریں گے تاکہ آپ کو اس میں پختگی حاصل ہو اور آپ کے تمام احباب طریقت پر بھی اس کا اثر ظاہر ہو۔

جوابی مکتوب میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

سو موافق کے دن بھی میری طرف متوجہ ہوا کرو، میرے مخدوم و مشفق! یہ خط لکھ کر جمعرات کے دن بعد نماز عصر آں عزیز کی طرف توجہ ڈالی جائے گی، انشاء اللہ آپ پر اس کے نیک اثرات کا ظہور ہوگا، نیز امید کرتا ہوں کہ آپ درس و تدریس اور کتابوں کے مطالعے کو فی الحال بند رکھیں گے اور وقت کو کامل توجہ کے ساتھ نسبت مذکورہ حاصل کرنے میں صرف کریں گے۔

حرف کو کاغذے سیاہ کند دل کہ تیرہ است کے چوماہ کند

جو حرف اچھے بھلے کاغذوں کو سیاہ کر دیتے ہیں وہ تاریک دل کو چاند جیسا کیسے بنا سکتے ہیں۔

حرف اور ان کے لہجوں کو دل میں مت لاؤ بلکہ جاگتے سوتے حصول نسبت پر دھیان رکھو، حق تو یہ ہے کہ نیند میں بیداری سے بھی زیادہ نسبت حاصل ہوتی ہے، جہری ذکر نسبت کے مطالعہ کو اسی طرح متاثر کرتا ہے جس طرح وسوسہ انسان کو ذکر خفی سے دور کر دیتا ہے، اس لئے نسبت کے حصول میں حضوری پیدا کرنے کیلئے ذکر ظاہری سے باز رہنا طریقت کے واجبات اور فرائض میں سے ہے، کیونکہ نسبت معنوی و نسبت آگاہی حقیقت ذکر کی حیثیت رکھتی ہے اور جہاں حقیقت حاصل ہو وہاں الفاظ و اقوال کے تجل کا کیا دخل؟

میرے مشفق! یہ فقیر جب بھی پیشوائے عارفاں حضرت خواجہ خورشید قدس سرہ کی خدمت میں جاتا تھا یہی نصیحت فرماتے تھے کہ اپنے آپ کو درس و تدریس غیر ضروری کہانیوں اور کتابوں کے مطالعے سے دور رکھو اور اپنی تمام تر توجہ اس نسبت پر مبذول رکھو جو تمام برگزیدہ بندوں کیلئے ضروری قرار دی گئی ہے، سچ تو یہ ہے کہ جب تک درس و تدریس اور کتابوں کے اسیر رہے اس نسبت کے عجیب و غریب آثار ہم پر ظاہر نہ ہو سکے، مگر جو نہی ان چیزوں سے ہاتھ اٹھایا جو چاہا وہی پایا اگر اپنے بزرگوں کی توجہات و تصرفات کے قصے لکھوں تو ان کے لئے دفتر چاہئیں۔

میرے مشفق! اس طریقے کے اکثر اکابر نسبت آگاہی اور مشاہدے کو اس لحاظ سے ذاتی تجلی

گمان کرتے ہیں کہ مشاہدہ کرنے والے یا حق آگاہ کا وجود درمیان سے اٹھ جاتا ہے، اے کاش! کہ تجلی ذاتی ابھی ہم سے کوسوں دور ہے کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے:

کیف الوصول إلى سعاد و دونها قیل الجبال و دونهن حتوف^۱

منزل عشقت مکان دیگر است مردایں رہرو نشان دیگر است

تیرے عشق کی منزل کا اوڑھی اور ہے، اس راہ کے متوالوں کے تو نشان ہی الگ ہیں۔

ہاں ہاں! نسبت آگاہی کی تجلی ذات کا آئینہ ہے اور یہ نسبت سطوتِ محبت اور غلبہٴ شوق کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے اور اس نسبت کا تعین صرف وہی علم کر سکتا ہے جو سالک کو باریک اور نازک تر مقامات تک پہنچا سکے

معشوق چوں نقاب زرخ بر نمیکشد ہر کس حکایتے بتصور چرا کند

محبوب جب اپنے رخ سے پردہ نہیں ہٹا رہا تو پھر ہر شخص اپنے دل میں تصویریں کیوں بنا رہا ہے؟ بلند ہمت ارباب سلوک نے اپنی تمام روحانی قوت اور توجہ اس بات پر مبذول رکھی ہے کہ لطیفہ مدرکہ کو بجز ایک حقیقت کے جسے حق کہتے ہیں اور کچھ معلوم نہ ہو سکے۔

آپ کی عقلمندی اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ اپنے لطیفہ مدرکہ کو بھی حقیقتِ باری کے علم کے سوا باقی تمام آلائشوں سے پاک، خالی، بیگانہ اور صاف و شفاف رکھنے کیلئے انتہائی اہتمام کریں تاکہ تمہیں استغراقِ کاملہ اور دائمی حضوری حاصل ہو جو تمام مقامات کی انتہاء ہے، آیت:

وان الی ربک المنتھی* (والنجم آیت ۴۱)

اسی مقام کی طرف اشارہ کر رہی ہے تاکہ اس حالتِ عظیم اور سعادتِ دائمی کے وسیلے سے سالک تجلی ذاتی کے اس بلند مرتبے پر فائز ہو سکے جہاں ظاہر و باطن اور قلب و روح میں حقیقتِ حق سبحانہ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا اور:

(دیوانِ امام الشافعی ۱/۱۶) تفصیل و ترجمہ صفحہ ۳۱۵ پر۔

کل شیء هالک الا وجهه* (العنکبوت آیت: ۸۷)

رخ انور کے سوا سب کچھ ہلاک ہو جاتا ہے۔

کے رموز و اسرار بھی سالک پر روز روشن کی طرح کھل جاتے ہیں، الحمد للہ! کہ حضرات خواجگان قدس اللہ اسرار ہما کے طریقہ میں برگزیدہ اور مقبول درویشوں کی یہ دولت آغاز سلوک ہی میں بغیر کسی ظاہری وسیلے کے یقین و اخلاص کی بدولت مکمل طور پر حاصل ہو جاتی ہے بے شک جس نے چاہا پایا جس نے شک کیا بے نصیب رہا۔ والسلام

صورت خیالیہ

حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ ایک بزرگ بتوفیق الہی دنیوی مشاغل سے کنارہ کش ہو گئے، اور اپنی تمام تر توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہونے اور درود پڑھنے میں صرف کر دی۔ کچھ دنوں میں اس پر نسبت اویسی ظاہر ہوئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پانے لگا اور اپنے آپ کو کمونی کے لقب سے مشہور کر دیا، اس وجہ سے کہ کمون کے معنی پردہ کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طریق اویسی (۱) کے ذریعے مخفی اسرار سے پردے اٹھائے تھے۔ والد ماجد نے فرمایا: مجھے بھی اس بزرگ سے ملاقات اور دوستی کا شرف تھا، ایک دن ان سے سنا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاؤں میں، دھرتی پر، بیٹھنے اٹھنے، بولنے چالنے اور کھانے پینے الغرض ہر حالت میں دیکھتا ہوں اور آنحضرت کی کوئی حالت مبارک بھی مجھ سے چھپی نہیں رہتی اور مجھ ناچیز پر حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ کرم خاص ہے۔

میں نے کہا: آپ کی انتہائی محبت کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کریمہ آپ کے شعورو خیالات میں رچ بس چکی ہے ورنہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت حقیقیہ نصیب نہیں۔

یہ سن کر وہ کہنے لگے: اس پر دلیل لائیے تاکہ مجھے تصدیق حاصل ہو!

اطریق اویسی اور اویسی نسبت سے مراد دورہ کر فیض حاصل کرنا، جیسا کہ حضرت اویس قرنی نے کیا۔

میں نے کہا کہ فلاں آیت کا معنی یا بدر واحد کا قصہ آنحضرت ﷺ سے معلوم کیجئے، اگر ایسا جواب ملے جو علما کے نزدیک یقینی اور تحقیقی ہے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو رؤیت حقیقیہ حاصل ہے اور اگر کچھ معلوم نہ ہو یا خلاف حقیقت ظاہر ہو تو پھر سمجھ لیجئے کہ آپ کے دماغ میں آن حضور ﷺ کی صورت خیالیہ بس رہی ہے، چنانچہ انہوں نے کچھ آیات و احادیث پڑھیں اور بزعم خویش آنحضرت ﷺ سے بار بار پوچھا مگر کچھ جواب نہ ملا۔

میں نے کہا: حقیقت واضح ہوگئی کہ فرط محبت کی وجہ سے آپ کے ذہن و خیال میں صورت خیالیہ کی کیفیت طاری رہتی ہے نہ کہ رؤیت حقیقیہ، حضرت والا کے ہم نشینوں میں ایک اور بزرگ پر یہی حالت طاری ہوئی تو آپ نے اسے بھی یہی کچھ فرمایا۔

فقیر اس مقام پر ایک تحقیق پیش کرتا ہے اور یہ کہ کبھی کبھی ایسے حضوری لوگوں کو حضور کی روح انوار سے کامل مناسبت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے میں خواب اور بیداری کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور ان حضرات کو بنا دقت ذرہ ذرہ میں صورت محمدی جلوہ گر نظر آتی ہے، اگر یہ کیفیت زندگی بھر طاری رہے تو بھی اسے رؤیت حقیقی کہا جائیگا، عالم خواب، انبیاء و صالحین کے مبشرات اور صوفیا کے اس حال میں کوئی فرق نہیں، مذکورہ بالا واقعہ میں شخص مذکور کا آیات و احادیث کے معانی حضور ﷺ سے دریافت نہ کر پانا کچھ وجوہات رکھتا ہے، مثلاً یہ کہ اس بزرگ کی نسبت اس پایہ کی نہیں تھی کہ براہ راست آنحضرت ﷺ سے علوم و اسرار کی گرہ کشائی کر سکے یا صاحب نسبت ابھی خام تھا، یا اس لئے کہ صاحب نسبت نے چند خاص امور میں حضور ﷺ سے مناسبت پیدا کی، نہ کہ یہ نسبت حضور ﷺ کے مخفی علوم کے حصول کی نیت سے پیدا کی گئی۔

فقیر کا گمان یہ ہے کہ مذکورہ بالا بزرگ کے مناسبت کے دعویٰ کو حضرت والد ماجد نے اس سبب سے رد نہیں فرمایا تھا کہ آپ حضور ﷺ کی جسمانی و حقیقی زیارت کو ناممکن سمجھتے تھے بلکہ وجوہات کچھ اور تھیں، ضمناً یہ بات بھی ان وجوہات میں شامل ہوگئی۔ واللہ اعلم

رکا وٹیں

حضرت والد ماجد اپنے ایک ہم عصر بزرگ کی ملاقات کو گئے جو نسبت اویسیہ میں مشہور اور حد درجہ خوش طبع تھے، طویل گفتگو کے بعد حضرت نے فرمایا کہ حضورؐ کی روح شریف سے فیضان حاصل کرنا نسبت کے بغیر ناممکن ہے اور نسبت کا تقاضا یہ ہے کہ صاحب نسبت (فیض حاصل کرنے والا) اور مرکز نسبت (جہاں سے فیض چاہتا ہے) کے درمیان تمام احوال و اعمال میں موافقت ہو، یہ تو صحیح ہے کہ آپ کو ایک قسم کی نسبت حاصل ہے، لیکن اگر آپ فضول اور بیہودہ کلام سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کو سیرت نبویؐ کا نمونہ بنائیں تو یقیناً آپ کی نسبت مضبوط تر ہو جائیگی اور فیض کا دروازہ بھی کھل جائیگا، کس قدر بری بات ہے کہ چند گھٹیا قسم کی رکا وٹیں آپ کو پاکیزہ مقاصد تک پہنچنے سے روکے ہوئے ہیں، سننے میں آیا ہے کہ حضرت والا کے یہ کلمات ان کے دل میں پیوست ہو گئے اور فضول گوئی سے قدرے رک گئے۔

فرمایا کہ شیخ میرٹھی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ جو نقشبندی حضرات کہتے ہیں کہ دوسرے سلسلوں کا جہاں آخری قدم ہوتا ہے نقشبندیوں کی وہاں سے شروعات ہوتی ہے، اسی طرح میں خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ کی باتوں سے بیزار ہوں جنکا دعویٰ ہے کہ حضرت بایزید کا آخری قدم ان کے پہلے قدم کو نہیں چھو سکتا، بھلا جو شخص پچاس یا ساٹھ سال تک مجاہدے کرتا رہا ہو وہ آج شروع کرنے والے مبتدی کے برابر کیسے ہو جائیگا؟

میں نے کہا: تم لوگ منازل سلوک کیسے طے کرتے ہو؟ کہنے لگا: پہلے اسم ذات دو ضربی پھر چار ضربی اور پھر شغل نفسی و اثبات کرتے ہیں۔ (۱)

اسم ذات لفظ اللہ کے ورد کے طریقے ہیں، یک ضربی، لگا تار اللہ اللہ کو اپنے بائیں پہلو کی جانب مقام قلب پر وارد کرنا، دو ضربی میں پہلی ضرب دائیں جانب اور دوسری بائیں جانب، سہ ضربی، پہلے بائیں ہلکے انداز میں، پھر دائیں اور پھر بائیں جانب سختی کے ساتھ، چہار ضربی میں پہلے بائیں پھر دائیں پھر بائیں اور پھر سامنے سینے پر وارد کرے۔

میں نے کہا: پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: شغلِ امہات اور اسمائے ملتفہ کا ورد کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا پھر؟ کہنے لگے: شغل کو بکو۔

پوچھا اس کے بعد کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: شغلِ بے مثال۔

میں نے پوچھا: پھر کیا کرتے ہو؟ کہنے لگا: اس کے بعد ہائے ہوت میں غرق ہو جاتے ہیں۔

میں نے کہا: نقشبندی سب سے پہلے ہائے ہوت میں غرق ہوتے ہیں اور شیخ نقشبند کے کلام کا

یہی مطلب ہے، نہ یہ کہ صوفیاء کے تمام احوال و آثار آغاز ہی میں ان پر طاری ہو جاتے ہیں۔

مختلف آثار

حضرت والد ماجد کے خاص معتقدین میں سے شیخ امان اللہ نے ایک سوال کیا کہ جب کوئی

سالک کسی طریق صوفیا کے اشغال و اوراد پورے کر کے جمعیت خاطر حاصل کر لے تو کسی

دوسرے طریقے میں داخل ہو کر اس کے اعمال و اشغال میں منہمک ہونا اس کے لیے مفید ہے

یا نہیں؟ اگر یہ بات اس کے لیے بہتر ہے تو اسے اس سے کیا فائدہ ملے گا؟

آپ نے فرمایا کہ ایک طریقے میں کمال حاصل کرنے کے بعد دوسرے طریقے سے فیض

حاصل کرنا مستحسن ہے، اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہے کہ اسے اس طریقے کی نسبت حاصل

ہوگی اور ہر طریقے کی نسبت اور اس کے آثار مختلف ہوتے ہیں۔

نسبتوں کی خصوصیات

واضح ہو کہ آپ کی زبان مبارک سے بار بار خلوت میں یہ سنا گیا کہ مجھے جو نسبت حضرت غوث

الاعظم سے ملی ہے، وہ بہت ہی صاف اور حد درجہ نازک ہے، اور جو نسبت خواجہ نقشبند سے ملی

ہے وہ غالب و مؤثر ہے، جمعیت قلب اور قبول عام اس میں بدرجہ اتم موجود ہے اور جو نسبت

خواجہ معین الدین سے پائی ہے وہ عشق کے قریب، تاثیر اسماء اور دل کی صفائی کی مظہر ہے۔

کاتب الحروف کو آپ کے الفاظ تو یاد نہیں رہے مگر مطلب تقریباً یہی تھا۔ واللہ اعلم
نیز آپ کی باتوں اور عمل سے اکثر و بیشتر یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کسی ایک طریقے کے بزرگ کو
دوسرے طریقے کے بزرگ پر فضیلت یا ترجیح دینے کو آپ ناپسند فرماتے تھے خاص طور پر
اس انداز سے کہ کسی کی تنقیص مقصود ہو۔

فقیر نے صلوٰۃ موسم کے متعلق صوفیا اور محدثین کے اختلاف پر سوال کیا تو فرمایا: صوفیاء کے کلام
سے ہٹ کر دیکھیں تو یہ نوافل میں داخل ہے پھر کیوں نہ اسے نفل کی نیت سے ہی ادا کیا جائے؟
یہی وجہ ہے کہ حضرت والار اتوں کو عبادت سے زندہ رکھا کرتے تھے اور نوافل میں تعداد کے
بجائے نشاطِ روح اور حضورِ قلب کا زیادہ خیال فرماتے تھے۔

فریبِ دل

بعض طالبانِ سلوک کی تربیت کے پیش نظر فرمایا کہ عدم (اپنے وجود کا احساس ختم کر دینا) اور
غیبت (دوسروں کی موجودگی سے بے خبری) کے واقع ہونے کے بارے میں ہمارے زمانے
کے اہل سلوک نے جن باتوں کو قابلِ اعتماد سمجھا ہے وہ حقیقت کے خلاف ہے، بلکہ ان کے
گمان میں غیبت یہ ہے کہ جب ان کے نام نہاد سالکین کے دماغوں پر معدہ کے بخارات
چڑھتے ہیں تو نیند کی ایک کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے آپ میں کھو جاتے ہیں،
اگرچہ اس کا آغاز حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف توجہ کرنے ہی سے کیوں نہ ہو۔

باقی رہا ان کا عدم تو بے تحاشہ کھانے کی وجہ سے جب ان پر بھول اور بیخودی کا دورہ پڑتا ہے تو
اس کے سبب انہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ ساری قوت یادداشت ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنے
وجود کی کوئی سدھ بدھ نہیں رہی۔

مجھے کچھ یاد آ رہا ہے کہ حضرت والا کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ ان دنوں
میرے دل میں ذکر جاری ہو چکا ہے، آپ نے ہنس کر فرمایا کہ اگر واقعی ذکر جاری ہو گیا ہے تو

مبارک ہو، بعد میں اس فقیر (شاہ ولی اللہ) سے فرمایا کہ لوگوں پر خفقان (جنون) کا دورہ پڑتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ لطیفہٴ قلب جاری ہو گیا ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ہر انسان کے دل بلکہ تمام اعضا میں ایک متحرک نبض موجود ہوتی ہے اور اس کے حرکت میں آنے یا نہ آنے سے انسان کے کمال میں کچھ فرق نہیں پڑتا، ہاں! البتہ اگر اس حرکت کو کوئی شخص اسم ذات خیال کرے، اور یہ خیال اس پر غالب آجائے تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اسم ذات اس کے دل پر نقش ہو کر رہ جائیگا، ایسی حالت میں اس کا ذمہ دار تخیل ہے نہ کہ حرکت۔ واللہ اعلم

درجات میں ترقی کا مطلب

فرمایا کہ موت کے بعد درجات میں ترقی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے مگر اس سلسلے میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جب آخرت میں ایک عام آدمی لگاتار ترقی کرتا رہے گا تو ایسا بھی ہوگا کہ ترقی کرتے ہوئے وہ مقامات پر مقامات طے کرتا جائے گا اس طرح تو وہ کچھ مدت بعد انبیاء و اولیاء کا ہمسر بن جائے گا نتیجۃً ان اولوالعزم ہستیوں اور اس عامی میں کوئی فرق نہ رہ جائیگا۔ یہ خیال آتے ہی کشفی طور پر جواب ملا کہ وہاں ہر شخص کی ترقی اپنے اپنے مقررہ مقام کے اندر ہوگی کیونکہ اس عالم کا ہر مقام اپنے اندر اتنے پہلو شاخیں مراتب اور درجات رکھتا ہے کہ جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، اسی مقام کے مختلف زینے مراتب اور درجات طے کرنے کو یہ سمجھنا خلاف حقیقت ہے کیونکہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر ترقی کر رہا ہے بلکہ اس کا یہ روحانی سفر اپنے ہی مقام کے آخری حد و تک جاری رہ سکے گا۔ (۱)

ایہ اشکال صرف اس صورت میں پیدا ہوتا ہے کہ ترقی کا معاملہ انبیاء کرام کے ساتھ نہ ہو، جبکہ ترقی کا یہ معاملہ انبیاء کے ساتھ بھی جاری رہے گا، بلکہ انکی ترقی اور بھی تیز ہوگی کیونکہ ان کی صلاحیت و نسبت دوسروں سے بڑھ کر قوی ہوتی ہے، لہذا ایسی صورت میں فاصلہ بجائے کم ہونے کے مزید بڑھتا جائیگا، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ واللہ اعلم۔

کاتب الحروف کے نزدیک موت کے بعد ترقی مدارج اس لیے نصیب ہوتی ہے کہ مادی وجود کے تمام اجزا گھل کر ختم ہو جاتے ہیں اور ملکوتی قوتیں ظاہر ہو جاتی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو خاص استعداد دے کر پیدا کیا ہے، فرمایا:

وما من الا لہ مقام معلوم* (الصفۃ: ۱۶۴)

ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے لیے ایک مقام معلوم مقرر نہ کیا گیا ہو۔

لہذا مرنے کے بعد جب انسان کے اندر چھپی ہوئیں حیوانی قوتیں اور مادی وجود کے فانی اجزا منتشر ہو جانے سے روح کی صفائی اور نوری رونق پیدا ہوتی ہے تو انسان اپنے اس مقام کو پا لیتا ہے جسے مقام معلوم کہا گیا ہے۔

نفاست طبع

فرمایا: جب میں زرق برق لباس پہنتا اور پان چباتا تو اپنے آپ میں ایک ترقی محسوس کرتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس قسم کے واقعات سے آپ کی طہارت و پاکیزگی اور نفاست طبع کا اندازہ ہوتا ہے۔

لا الہ الا اللہ سے توبہ

سلطان العارفين (۱) کا قول ہے:

توبة الناس عن ذنوبهم و توبتي عن قول لا إله إلا الله.

عوام کی توبہ تو اپنے گناہوں سے ہوتی ہے لیکن میری توبہ لا الہ الا اللہ سے ہے۔

حضرت والد ماجد اس قول کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ میں نفی و اثبات کا جھگڑا ہے جب، کل شئ ہالک إلا وجہہ* کا جلوہ نظر آیا تو پھر نفی کس کی کریں؟

۱ ابو یزید طیقو بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان بسطامی معروف بـ* بایزید بسطامی ملقب بـ* سلطان العارفين، متوفی

باوجود اس کے کہ خواص (عارفین) نفی کو حقیقت غیر ثابتہ سمجھتے ہیں، مگر کبھی کبھی جب غیر اللہ کی جانب سے بے اطمینانی اور خوف و خطر کی کیفیات دل میں کھٹکتی ہیں تو انہیں مٹانے کے لیے نفی و اثبات کا شغل اختیار کرنا پڑتا ہے۔ (۱)

مہرے

فرمایا کہ طالب علمی کے زمانے میں میرے ہم سبق لڑ کے شطرنج کا سامان اور ایک کتاب لائے مگر مطالعہ کے باوجود وہ کچھ نہ سمجھ سکے، مجھے دی تو میں نے کہا کہ میں تو مہروں کے نام اور ان کی چالوں سے بھی بیخبر ہوں، مجھے انہوں نے اس بارے میں کچھ باتیں بتلائیں پھر میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اس میں کھیل سے متعلق لمبی چوڑی باتیں درج تھیں مگر عبارت میں کچھ غلطیاں تھیں میں نے ان کی اصلاح کر دی اور پھر ہر روز اس کتاب کا ایک آدھ سبق اپنے ہم درسوں کو سمجھاتا جس سے وہ بہت خوش ہوتے اور اسی انداز سے شطرنج کھیلتے۔

انہی دنوں میں بیمار پڑ گیا، دل کا سکون جاتا رہا اور سخت پریشان ہو جا جب چھپرے کے کونوں پر نظر پڑتی تو مجھے شطرنج کے مہرے اور دوستوں کا کھیل یاد آ جاتا۔

حضرت حافظ سے بہت التجا کی کہ اس مصیبت سے نجات دلائیں، تو فرمایا کہ تم ہر حال میں حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام سے تربیت لینے کے عادی رہے ہو اس لیے کثرت سے درود پاک پڑھو اور اسی درگاہ میں التجا کرو، میں نے کثرت سے درود پڑھا اور بارگاہ نبوت سے التجا کی تو کافی تکلیف کے بعد اس مصیبت سے جان چھوٹی اور شطرنج کے مہروں کے نام اور کھیل کے طریقے میرے دل سے محو ہو گئے اس پر اللہ کا شکر ہے۔

یعنی میں محض زبانی نفی اثبات سے توبہ کرتا ہوں، بلکہ ایسے نفی اثبات کا قائل ہوں جو حقیقی اور عملی ہو، صرف زبان سے نفی اثبات کرنے والا عارفین کی نگاہ میں منافق ہے۔ واللہ اعلم

پدرانہ شفقت

فرمایا: لوگ سمجھتے ہیں کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا بہت ہی مشکل ہے کیونکہ حقیقت میں ان کے ساتھ جتنی بھی نیکی کی جائے وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں، لیکن میرے نزدیک یہ بہت ہی آسان ہے کیونکہ والدین تو معمولی دل جوئی سے بھی انتہائی مسرور ہو جاتے ہیں اور اولاد کے معمولی احسان کو بھی انتہائی پدرانہ شفقت کے سبب بہت بڑا احسان سمجھتے ہیں۔

کیفیت کو محفوظ رکھنے کا طریقہ

فرمایا: جب حق تعالیٰ کسی کو حالت و کیفیت عطا فرمائے تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو کسی دوسری چیز میں مشغول نہ کرے، اور اسے جس جگہ پر یہ کیفیت حاصل ہوئی ہے وہیں ٹکا رہے اور اگر ممکن ہو تو جس ہیئت میں بیٹھا ہوا ہے اس میں بھی تبدیلی پیدا نہ کرے اور جس کلام سے یہ کیفیت طاری ہوئی ہے بجز اس کے اور کوئی بات زبان پر نہ لائے، تاکہ یہ کیفیت محفوظ و باقی رہے۔

مشيخيت کا فن

حافظ شیرازی نے فرمایا ہے:

ايس جافنون شيخ نيرز دبنيم جو دل رابدست آرہميش مشرب است بس

اس دنيا میں مشيخيت کا فن وقعت نہیں رکھتا، کسی دل کو راضی کرو بس یہی صوفیاء کا مسلک ہے۔

اس شعر کی تشریح میں فرمایا: بعض خود ساختہ مشائخ کی زبانوں سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جن پر فراست یا کشف و کرامت کا گمان ہوتا ہے، اور یہ لوگ کچھ چیزوں سے بے رغبتی دکھلا کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ چیزیں انہوں نے حق سبحانہ و تعالیٰ کی خاطر چھوڑ رکھی ہیں، حالانکہ وہ چیزیں ان کی ضروریات زندگی سے زائد ہوتی ہیں، اور کبھی آپ یوں فرماتے تھے کہ اس شعر میں شیخ سے مراد شیخ حقیقی ہے جسے مقام ارشاد عطا ہوا ہے اور دل سے مراد وہ قلب سلیم ہے جو طلب غیر سے خالی اور محفوظ ہو اور فنون شیخ سے مراد تصرف اور کشف ہے۔

تمباکو کی نحوست

شیخ کی مجلس میں جب کبھی تمباکو نوشی کی بات چل پڑتی تو اس کی قباحتوں پر بہت سے دلائل اور شواہد پیش فرماتے تھے، بس قطعی حرمت نہیں فرماتے تھے، چنانچہ فرماتے کہ لاہور میں دو دوست رہتے تھے ان میں سے ایک فاضل، درویش اور جامع کمالات، تمباکو کا عادی تھا اور دوسرا عام فقیر جو تمباکو سے پرہیز کرتا تھا، دونوں نے عالم مثال میں ایک ہی رات، ایک ہی حالت میں حضور رسالت پناہ ﷺ کی زیارت کی، گویا یہ عامی آپ کی مجلس میں بیٹھا ہے، مگر اس فاضل کو بیٹھنے کی اجازت نہیں مل رہی، عامی فقیر نے اہل مجلس سے فاضل کو اجازت نہ ملنے کا سبب پوچھا تو جواب ملا کہ یہ شخص تمباکو نوشی کرتا ہے، اور حضور ﷺ سے ناپسند فرماتے ہیں۔ صبح اٹھتے ہی خیر خواہی سے ارادہ کیا کہ یہ بات اس فاضل تک پہنچائے، جب اس کے گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ سخت رنج و غم میں مبتلا ہے اور رو رہا ہے۔

سبب پوچھا تو اس نے وہی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری کی اجازت نہ ملنے کا قصہ سنایا، اس عامی درویش نے کہا: تمہیں مبارک ہو کہ میں نے اہل مجلس سے آنحضرت ﷺ کی ناراضگی کا سبب پوچھ لیا تھا، جو تمباکو نوشی ہے۔

اس فاضل نے اسی وقت حقہ کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور تمباکو نوشی سے پکی توبہ کر لی، دوسری رات دونوں نے ایک ہی منظر خواب میں دیکھا کہ گویا اس فاضل کو تمام اہل مجلس سے زیادہ قرب حاصل ہے، اور آنحضرت ﷺ اس پر سب سے زیادہ عنایات و التفات فرما رہے ہیں۔

وہ آئے تو، مگر

فرمایا کہ ہمارے ایک بزرگ دوست تمباکو نوشی نہیں کرتے تھے مگر مہمانوں کے لیے گھر میں حقے کا انتظام کر رکھا تھا، عالم مثال میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اس کے جھونپڑے میں

تشریف لائے ہیں اور اندر آنے کے بعد ناپسندیدگی سے واپس لوٹے، یہ شخص آپ کے پیچھے پیچھے دوڑا اور ناپسندیدگی کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ تمہارے گھر میں حقہ چلم اور نے موجود ہے جنہیں میں پسند نہیں کرتا۔

عجیب قصہ

فرمایا: ہمارے محلے میں ایک درزی رہتا تھا، ایک دن میں نے اسے بلوا بھیجا، بلانے والے نے دیکھا کہ وہ مردہ پڑا ہے اور اسکے ورثاء اس پر رو رہے ہیں، کفن دفن کا انتظام کیا جا رہا ہے، کچھ دن بعد میں جامع مسجد کو جا رہا تھا کہ اسے بازار میں دیکھا، متعجب ہو کر اس کا حال پوچھا۔ اس نے کہا: میرا قصہ بھی عجیب ہے، میں اس محلے کی گلیوں میں جا رہا تھا کہ دو ہیبت ناک مرد غضب ناک شکل میں میرے سامنے آئے، ان میں سے ایک نے مجھے تھپڑ مارا تو میں بیہوش ہو کر گر پڑا اور بظاہر مر گیا، لوگ مجھے اٹھا کر گھر لائے، کفن کا انتظام کیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ دونوں آدمی مجھے لیکر ایسی جگہ پہنچے جہاں سامنے بہت سے لوگ جمع تھے جن کی شکلیں انسانوں سے مختلف تھیں، مجھے اپنے سردار کے کے سامنے لے گئے۔

اس نے کہا: جسے ہم نے بلوایا تھا وہ یہ تو نہیں اسے جہاں سے لائے ہو وہیں پہنچا آؤ، جب وہ مجھے لیکر واپس ہونے لگے تو پیچھے سے آواز آئی کہ اسے ذرا ادھر لانا یہ تمباکو نوشی کرتا ہے، یہ کہہ کر انہوں نے لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے میری ران کو داغ دیا میری ران جل گئی اور میں اسی حالت میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ عزیز واقارب مجھے نہلا کر کفن پہنانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

خیر خواہی دلیل سے بہتر

ایک دن حضرت والد ماجد نے باتوں باتوں میں مجھ سے فرمایا کہ شیخ آدم بنوریؒ کے اکابر خلفاء میں سے سید علیم اللہ نے تمباکو نوشی کی حرمت میں ایک رسالہ لکھا اور آیت کریمہ:

تاتی السماء بدخان مبین* (الدخان آیت: ۹)

آسمان نے کثیف دھواں چھوڑا۔

اور ایسی آیات و امثال بطور دلیل پیش کیں، اور یہ رسالہ دو افغان مولویوں کے ہاتھ علمائے دہلی کے پاس بھیجا، یہ دونوں مولوی سب سے پہلے میرے پاس آئے، میں نے کہا کہ ان بیہودہ دلیلوں سے کچھ کام نہیں چلے گا، اور اس آیت کی تفسیر میں علمائے حق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے میں نے وہ بیان کیا اور اس سے متعلق احادیث اور روایات فقہی کا حقیقی مفہوم ان پر واضح کیا۔

اس سے وہ قدرے ناخوش ہوئے، اسکے بعد وہ دونوں شہر کے نامور فاضل یعقوب کے درس میں چلے گئے، دیکھا کہ وہ مجلس درس میں تمباکو نوشی کر رہا ہے، ان دونوں نے اعتراض کیا۔

ملا یعقوب نے کہا: کہ میں مجلس درس میں اس لیے تمباکو نوشی کر رہا ہوں کہ لوگوں پر اس کا مباح ہونا واضح ہو، اگر کسی کو اس مسئلے میں کوئی شک ہے تو وہ میرے سامنے پیش کرے۔

مولویوں نے اس رسالے میں سے بعض فقہی روایات اور احادیث بیان کیں تو ملا یعقوب بھڑک اٹھا اور معمولی توجہ سے ان کے دلائل رد کر دیئے۔

دونوں شکستہ دل اور غمگین ہو کر واپس لوٹ آئے اور صورت حال مجھے بتلائی، میں نے کہا: تم نے تمباکو کی حرمت کا دعویٰ کیا اور دلیلیں یہ پیش کیں تو کام کیسے چلتا، اب جاؤ اور اس آیت کریمہ کا شان نزول پوچھو: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ*** (التحریم آیت: ۱) (پیارے! اللہ نے جو آپ کے لئے حلال کیا ہے اسے حرام کیوں کر بیٹھے؟)

وہ کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینبؓ کے گھر میں شہد تناول فرماتے تھے جس سے باقی ازواج مطہرات کو رشک آیا، انھوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے دہن مبارک سے مغفیر کی بو آتی ہے، آپ نے فرمایا: میں نے مغفیر نہیں بلکہ شہد کھایا ہے، تو سب کہنے لگیں کہ ہو سکتا ہے کہ شہد کی مکھیوں ہی نے مغفیر کھایا ہو۔ (مغفیر بدبودار بیٹھا گوند ہے)

چنانچہ آپ ﷺ نے اس شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جب اتنا کہہ چکے تو پھر اس سے پوچھو کہ اس ناپسندیدگی کا سبب کیا تھا؟ تو غالباً یہی کہے گا کہ ناخوشگوار بو، پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ان دوسبزیوں (لہسن و پیاز) میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے اس میں منع کرنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

تو وہ کہے گا: ان کی بدبو، پھر اس سے پوچھنا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور خوشبو کو پسند اور بدبو سے نفرت فرماتے تھے یہ صحیح ہے یا غلط؟ ویکہے گا کہ صحیح ہے، تب کہنا کہ تمباکو میں بدبو ہے کہ نہیں؟ اگر کہے کہ نہیں تو کہنا کہ جنہوں نے کبھی تمباکو نوشی نہیں کی ان سے پوچھو کہ اسکی بو ان کو کتنی بری لگتی ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس میں بدبو ہے تو اہل احتیاط اور صاحبانِ ورع و تقویٰ کے لیے مناسب ہے کہ اسے ترک کر دیں، یہ دونوں پٹھان مولوی گئے اور اسی انداز سے سوالات کئے، ملا یعقوب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور مجلس درس سے چلم ہٹادی۔

دو قسم کا علم

کاتب الحروف کہتا ہے کہ حضرت شارع نے ہمیں دو قسم کا علم عطا فرمایا ہے: علم مصالِح اور علم شرائع، مصالِح سے ہماری مراد اس بات کا علم ہے کہ چار خصلتیں رضائے الہی کا سبب ہیں، طہارت، خشوع، سخاوت اور عدالت اور وہ تمام اعمال و افعال جو ان سے تعلق رکھتے ہیں نیز کلمہ حق کو بلند کرنے کے لیے ملأ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ کو پانے) کی کوشش و محنت اور اس راہ میں آنے والے تمام مقامات، اور وہ امور جو اس راہ سے تعلق رکھتے ہیں (ریاضت و عبادت، تقویٰ و طہارت وغیرہ) اور ان کے مخالف اعمال و عادات غضب الہی کا سبب ہیں۔

اسی طرح آقا ﷺ نے ہر قسم کے اخلاق تامہ فاضلہ مثلاً شجاعت وغیرہ کی دعوت دی یہ تمام امور عقلیات کے تحت آتے ہیں اور ہم ان کو بھی مصالِح میں شمار کرتے ہیں، شرائع سے ہماری مراد احوال و اعمال کے شرعی ضابطے، نظام الاوقات اور وہ امور ہیں جو ان سے تعلق رکھتے ہیں

اور یہ سب کے سب بندگی میں شمار ہوتے ہیں، اگرچہ عقل ان پیمانوں اور اصولوں کی خوبیوں اور خاصیتوں کو سمجھ سکتی ہے اور ان کے نازل ہونے کی وجوہات اور مصلحتوں کو جان سکتی ہے، مگر ان کے قائم کرنے اور ان پر کار بند ہونے کے نتیجے میں کیا ملے گا؟ عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی، ہم عقل سے نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کونسی چیز آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا سبب بنے گی اور کونسی غضب کا موجب؟ اسی طرح یہ بات بھی ہماری عقل میں نہیں سما سکتی کہ عالم بالا کی توجہ عبادت گزاروں کو نفع و فائدہ اور گنہ گاروں کو نقصان کیوں کر پہنچا سکتی ہے؟ مثلاً ہم سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا نجات کا ذریعہ ہے، مگر یہ کہ خدا کو کسی خاص طریقہ سے خاص اوقات میں یاد کرنے سے جو قبولیت اور ثواب مقرر ہے اس کا ادراک و احاطہ ہماری عقل نہیں کر سکتی، میرا مذہب یہ ہے کہ شرائع حکم شریعت کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے اور مصالح کو انسانی عقل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی سمجھتی رہی ہے۔ (۱)

اس لیے قیاس جلی اور نص (قرآن و حدیث) سے ثابت شدہ حکم کے مقابلے میں ایسے غیر قیاسی احکام کو جن کے ثبوت میں کوئی نص بھی نہ ہو حکم شرعی نہیں کہا جائیگا، شرائع کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب اور اسکے غضب کا خوف اصل ہے، مثلاً سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کا استعمال شریعت میں منع ہے، ہم جانتے ہیں کہ اس منع کی مصلحت یہ ہے کہ انکے استعمال سے انسان خود پسندی و اسراف کا شکار ہوتا ہے، لیکن اس نہی کا سبب مصلحت نہیں، بلکہ شریعت کا منع کرنا مانا جائیگا، لہذا خواہ کوئی اسراف و خود پسندی کا شکار ہو یا نہ ہو حرمت قائم رہے گی۔

اس کا لب لباب یہ ہے کہ مصالح سے مراد اخلاقِ حسنہ ہیں، جن کو انسان اپنے وجدان اور عقل سے سمجھ سکتا ہے کہ کیا اچھا ہے کیا برا؟ مصالح میں بہت کچھ کمی زیادتی وہ اپنی عقل سے کر سکتا ہے، وقت کی ضرورت کے مطابق ان میں پھیر بدل بھی کر سکتا ہے، اور شرائع سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں جیسے نماز روزہ حج وغیرہ عبادات، انہیں انسان اپنی عقل سے نہ جان سکتا ہے اور نہ ہی ان میں اپنی عقل سے کمی زیادتی کر سکتا ہے، نہ ان کے اوقات و کیفیات میں تبدیلی کا مجاز ہے۔

دیکھئے بھلے ہی یا قوت و زبرد اور قیمتی شالوں کے استعمال میں سونے چاندی سے بھی زیادہ خود پسندی اور تکبر کا اظہار ہوتا ہو مگر چونکہ شارع ﷺ نے ان کی قباحت کا کوئی اشارہ نہیں کیا اسلئے اگر کوئی شخص خود غرضی اور خود پسندی کی نیت سے انہیں استعمال کرے تو قباحت اور ضرر پایا جائیگا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو انکے استعمال میں کوئی حرج نہیں اس عقیدہ کو قبول کرنا چاہئے۔

نسبت کا حصول

فرمایا: خواجہ خورد نے مجھے وصیت کی تھی کہ درس و تدریس اور غیر ضروری کتابوں اور کہانیوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا، سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان چیزوں میں لگا رہا اس نسبت روحانی کے عجیب و غریب آثار مجھ پر ظاہر نہ ہوئے۔

کچھ کچھ یاد پڑتا ہے کہ کسی شخص نے حضرت والا سے سوال کیا کہ حضرت شیخ ابوالفتح اور شیخ مخدوم قدس اللہ اسرارہما کی نسبتوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا: شیخ ابوالفتح کو نسبت عشق حاصل تھی اور حضرت مخدوم نسبت شہود رکھتے تھے نیز فرمایا کہ شیخ ملک یار پران اہل بیت نبوی ﷺ کی نسبت کے ساتھ کامل مناسبت رکھتے تھے۔ (۱)

سلوک اور کیمیا

فرمایا: کہ ایک شیخ نے مخدومی اخوی شیخ ابوالرضا قدس سرہ کی خدمت میں خط لکھا جس میں راہ سلوک اور حقیقت کیمیا کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے جواب کے لیے خط مجھے دیا میں نے اسے لکھا:

إذ اتزوجت الأجساد وتجدت الأرواح حصل المقصود*

جب اجزائے مادی یکجان ہو جائیں اور ارواح وجود کی شکل اختیار کر لیں تو مقصود حاصل ہو جائیگا۔

۱ شیخ ملک یار پران کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، فارسی کے اچھے شاعر تھے، ۶۹۵ھ میں وفات پائی۔

کن فی الناس

حضرت والد ماجد کے کسی مخلص نے سوال کیا کہ لوگوں میں زندگی کیسے گزارنی چاہئے؟ تو آپ نے فرمایا: کن فی الناس کأ حد من الناس (لوگوں میں ان جیسا ہو کر رہ) پھر پوچھا: حق سبحانہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله“ (النور: ۲۷) (اللہ والے تو وہ ہیں جنکو نہیں روک پاتی تجارت اور بیچ کھوج اللہ ذکر سے۔)

تقویٰ کا تقاضہ

ایک دفعہ حضرت والد ماجد سفر میں تھے، آپ کے ساتھی بہلی پر باری باری سوار ہوتے تھے، دوران سفر بعض دوست اپنی باری سے زیادہ سوار ہوئے تو حضرت والا نے فرمایا: بہلی کے سواروں سے پوچھو کہ آیہ کریمہ: اعدوا هو اقرب للتقویٰ* (المائدہ آیت ۸) کون سے پارے میں ہے؟ ساتھیوں میں سے شیخ بدر الحق پھلتی نے اشارہ سمجھ لیا اور بہلی سے نیچے اتر کر کہنے لگے: حضرت یہ آیت پارہ یعتدرون میں ہے۔ (حالانکہ یہ آیت یعتدرون میں نہیں ہے بلکہ لایسب اللہ یعنی چھٹے پارے میں ہے)

تو چیزے دیگری

شیخ امان اللہ نے کابل جانے کا ارادہ کیا تو حضرت والا سے دعا کی خواہش کی آپ نے فرمایا: جہاں بھی جاؤ اہل اللہ کی تلاش کرتے رہو، جس سالک یا مجذوب میں بھی حقیقت کی خوشبو پاؤ بلا تاخیر اس کی صحبت اختیار کرو، یہ گئے اور آپ کے فرمان پر عمل کرتے رہے جب واپس لوٹے تو حضرت والا کے سامنے کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا:

آفاق چہاگردیدہ ام مہربتاں ورزیدہ ام بسیارخوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

آفاق چہان مارے ہزار ماہ رنوں سے پالا پڑا، بہتیرے دل ربا دیکھے، مگر تو تو چیز ہی اور ہے۔

مصلحت کوشی

حضرت والد ماجد شیخ محی الدین ابن عربی کی بہت تعظیم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو فصوص کو برسر منبر بیان کر کے اس کے تمام مسائل کے اثبات کے لیے آیات و احادیث سے دلائل پیش کروں اور اس انداز سے بیان کروں کہ کسی کو شک باقی نہ رہے، مگر اس کے باوجود آپ وحدت الوجود کے کھلم کھلا بیان سے احتراز فرماتے تھے کیونکہ اس دور کے اکثر لوگ اس کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور نا سمجھی کی بنا پر الحاد و زندقے کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں، اس احتیاط کے باوجود بھی آپ کی کئی تقریروں میں وحدة الوجود کا رنگ جھلکتا تھا، اور اس فقیر (حضرت شاہ صاحب) کو رسائل وحدة الوجود کے مطالعہ کی اکثر رغبت دلایا کرتے تھے۔

اس فقیر نے لوائح (مصنفہ جامی^۱) شرح رباعیات (مصنفہ باباطاہر^۲) اور مقدمہ شرح لمعات (مصنفہ عراقی^۳) پورے انہماک کیساتھ حضرت سے پڑھی ہیں اور بعض دوستوں نے ”نقد النصوص“ بھی حضرت سے پڑھی، انکے ساتھ کبھی کبھار فقیر بھی شامل ہو جاتا تھا۔

۱ جامی، نور الدین عبدالرحمن بن احمد بن محمد معروف بہ جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ)، نقد النصوص بھی انہیں کی ہے، جو ابن عربی کی کتاب نقش الفصوص کی شرح ہے۔

۲ باباطاہر ہمدانی المعروف بہ عریاں، ایرانی شاعر، صوفی اور نامور عارف تھے ان کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہوئیں حتیٰ کہ ان کی تاریخ وفات و پیدائش بھی حتمی طور پر معلوم نہیں، البتہ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۰۱۹ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے، ان کا کلام فارسی رباعیات میں اعلیٰ معیار کا حامل اور اپنی مثال آپ ہے، ہمدان میں ان کا نہایت حسین مقبرہ ہے، ایران نے اسے قومی ورثہ میں شامل کیا ہے، مقبرہ میں ان کا کلام پتھروں پر کندہ نصب ہے۔

۳ فخر الدین ہمدانی معروف بہ عراقی، مشہور صوفی و باکمال شاعر، شیخ بہاء الدین زکریا کے منسبین میں تھے ۶۸۸ھ، دمشق میں وصال فرمایا اور ابن عربی کے مزار کی پشت پر مدفون ہوئے۔

آپ مسائل کو بخوبی حل فرماتے تھے، حادث (تغیر پذیر، فنا ہونے والی ہستی) کا قدیم (ہمیشہ رہنے والی ذات) کے ساتھ ربط کی تحقیق کرتے ہوئے بارہا حضرت والا سے یہ تمثیل سنی، فرماتے تھے کہ جن معلوم شکلوں کو ہم دیکھتے ہیں خارج میں ان کا وجود و ثبوت کوئی بھی نہیں، محض ہماری قوت علمیہ کے سہارے موجود ہیں اور یہ سب کچھ ہمارا ہی علم ہے جو مختلف رنگوں اور شکلوں میں نمودار ہوتا ہے، بلاشبہ ان صورتوں کو ہم عین علم بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ضروری نہیں کہ جب علم ہو تو یہ صورتیں بھی ضرور ہی ہوں، اور انہیں علم سے جدا بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ان تغیر پذیر صورتوں اور ہیولوں کو خارج میں وجود و شکل دینے والا اور انہیں ایک حقیقت بنانے والا علم ہے، علم اگرچہ بے رنگ ہے مگر مختلف رنگ اس کی بیرنگی میں آڑے نہیں آسکتے۔ (۱)

آیۃ کریمہ ”وہو معکم“ (الحدید آیت: ۴)

کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساتھ محض علم کے سہارے نہیں بلکہ خارج اور حقیقت میں بھی موجود اور ثابت ہے اور اس سے کوئی الجھن پیدا نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ معیت، معیت کے ان معنوں میں نہیں جو مادہ کو مادہ کے ساتھ، عرض (ایجاد) کو عرض کے ساتھ یا مادہ کو عرض کے ساتھ حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ معیت حادث با قدیم ایک لطیف ترین معنی ہے جسے ان معنیوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

تم مرے ساتھ ہوتے ہو

فرمایا: ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق معیت کے مسئلے سے لطف اٹھاتا ہے، ایک گروہ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ سمع و بصر کی قدرت کے ساتھ ہمیں محیط ہے جیسے کہ فرمایا:

۱۔ علم کی زیادہ واضح اور مختصر لفظی مثال ہم روشنی سے دے سکتے ہیں، روشنی خود نظر نہیں آتی، نہ اس میں کوئی رنگ ہوتا ہے، لیکن دوسری تمام چیزیں اور تمام رنگ اس کے محتاج ہیں، وہ بنا اس کے دکھائی نہیں دے سکتے، لیکن اسی طرح اگر دوسری نظر آنے والی اشیا موجود نہ ہوں تو خود روشنی کے وجود کا علم نہیں ہو سکتا۔

مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ [المجادلة: 7]

تین سرگوشی کرنے والوں کے ساتھ چوتھا وہ ہوتا ہے

اور ایک گروہ نے کھلی آنکھوں سے دیکھ کر کہا کہ ہر فعل اور ہر حرکت اور صفت جو عالم میں ظاہر ہوتی ہے حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے ہے جیسا کہ فرمایا:

قل كل من عند الله* (النساء: ۸) وما بكم من نعمه فمن الله* (النحل: ۵۳)

فرمادیتے ہیں کہ سب کچھ اللہ سبحانہ کی جانب سے ہے* تمہیں جو بھی نعمت ملتی ہے اللہ سے ملتی ہے۔

ایک جماعت نے مشاہدہ کیا کہ جو کچھ بھی ہے وہی ہے غیر تو ہے ہی نہیں جیسا کہ فرمایا:

كل شيء هالك الا وجهه* (القصص: ۸۸) روئے باری کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جائیگی*

هو الأول والاخر والظاهر والباطن* (الحديد: ۲) اول و آخر ظاہر و باطن وہ ہی وہ ہے۔

بعض نے حق کو حق میں دیکھا اور اس مقام کی گہرائیاں اور تفصیلات بیان کرنے سے زبان و قلم قاصر ہیں۔

تعبیرات کا فرق

الفاظ و بیان کی بات چل نکلی تو آپ نے عجیب بیان فرمائی، مگر چونکہ میں اس وقت بہت کم سن تھا اس لیے اسی اسلوب سے وہ تقریر محفوظ نہیں رہی لیکن حاصل کلام یہ تھا کہ موجد اور موجود میں وہی تعلق ہے جو دائم اور اس کے دوام میں ہے کہ جب کوئی چیز عدم سے وجود میں آتی ہے تو اس کا نام ایجاد رکھتے ہیں، لیکن جب وہ موجود رہتی رہے تو اسے ابقا کا نام دیا جاتا ہے گویا ایک ہی حقیقت ہونے کے باوجود اسما کا اختلاف لحاظ کے اعتبار سے ہوتا ہے، جیسے سورج سے نکلنے والی روشنی سورج کے ساتھ تعلق ہمیشہ محتاج ہوتی ہے، لیکن ہم صبح میں اسکے پہلی بار آنے کو اشراق اور رفعِ ظلمت کا نام دیتے ہیں، اور دوسری حالت یعنی جب وہ پوری آب و تاب کو پہنچے تو اسے ابقاء نور کا نام دیا جاتا ہے، تجدید امثال (تعبیرات) کی حقیقت اسی مثال سے سمجھی جاسکتی ہے۔

فرمایا کہ صفات ان معنوں میں عین ذات ہوتی ہیں کہ وہ ذات محض، صفات زائدہ قائمہ

بالذات کا مدار و محور اور ذریعہ ہوتی ہیں۔ (۱)

فرمایا: جو کچھ اس عالم میں ہے حسن ذاتی (اپنے آپ میں اچھا) اور قبح نسبتی (دوسروں کی نسبت خراب) رکھتا ہے اس سلسلے میں بہت سی مثالیں پیش فرمایا کرتے تھے مثلاً تلوار کی تیزی فی نفسہ ایک خوبی ہے جو فولاد کے کمال کا اثر ہے مگر ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے تلوار کی یہ اچھائی برائی نظر آتی ہے اس طرح اور مثالیں بھی دیا کرتے تھے۔

ایک سچائی

فرمایا: مخلوق کو مسمیٰ (تشخص) کی حقیقت میں کوئی دخل نہیں اور کسی شخص کا فہم و عقل اور ادراک و اندیشہ وہاں پہنچ نہیں سکتا، پھر مسمیٰ کو اللہ کی حقیقت میں کچھ درک و دخل نہیں سوائے اس کے کہ وہ ان کا مسمیٰ ہے، (صفات اس کے اندر پائی جاتی ہیں) اور (وہ ان کا) موصوف ہے۔ (۲)

جیسے حرارت آگ کی صفت قائمہ بالذات ہے، حرارت خود عین ذات یعنی آگ تو نہیں ہے لیکن ان معنوں میں عین ذات ہے کہ آگ سے حرارت کی جدائی ممکن نہیں، آگ کا کام ہی حرارت اور اسکی علامات کا اظہار ہے، لہذا حرارت کا انکار آگ کا ہی انکار کہلائیگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات قائمہ بالذات ہیں کہ وہ عین ذات نہیں لیکن ذات کیساتھ اس طرح پیوست ہیں کہ ذات سے ان کا انتزاع ناممکن ہے، جیسے علم سمع و بصر وغیرہ

۲۔ جب ہم کوئی نام لیتے ہیں تو اس چیز کا ایک تصور ہمارے ذہن میں ابھرتا ہے، جیسے ہم نے بولا 'قلم' تو ہمارے ذہن میں قلم کی ایک شکل نمودار ہوئی، یہ شکل قلم کا مسمیٰ ہے، اور وہ قلم جس سے ہم لکھتے ہیں قلم کی ذات ہے، ضروری نہیں کہ قلم سے جو شکل ہمارے ذہن میں آئی تھی ہو بہو وہی شکل ہو جس سے ہم لکھ رہے ہیں، لیکن اس کا کچھ نہ کچھ میل اس شکل سے ضرور ہوگا، یہ میل مسمیٰ کی حقیقت کہلاتا ہے، بحث کا مطلب یہ ہوا اللہ تعالیٰ کے معاملے میں نہ تو اسم کا کوئی مسمیٰ یعنی شکل ہے، اور نہ ہی مسمیٰ کا ذات سے کوئی تعلق، لہذا مخلوق کو مسمیٰ کا بھی علم صحیح حاصل نہیں، جیسے سمیع کا مسمیٰ وہ ہستی ہے جو سننے والی ہو، مخلوق سننے کی حقیقت تک بھی پہنچ نہیں سکتی، پھر مسمیٰ کا تعلق ذات کی حقیقت سے صرف یہ ہے کہ اسماء و صفات اسکے لئے بولے جا رہے ہیں اور اس ذات کو ان سے مراد لیا جا رہا ہے، اب دیکھئے کہ مخلوق، ذات کی حقیقت سے کتنی دور ہے، مخلوق مسمیٰ تک رسائی نہیں پاسکتی اور مسمیٰ ذات تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ جلوہ گاہ کے پردے ہیں جلوہ گاہ نہیں۔ واللہ اعلم

رحیم! پیا سوں یوں ملے

جب جیونہ تھا تب پیونہ تھا اب پیو ہے جیونہ تھا رحیم پیا سوں یوں ملے جوں بوند سمندر نا تھا
جب جیا نہ تھا تب (ہمارے لئے) پیا بھی نہ تھا اب پیا بھی ہے جیا بھی، تو پیا سے اس طرح مل جانا
چاہئے جیسے بوند سمندر کے ساتھ مل جاتی ہے۔

اس فقیر نے ہندی کا یہ دوہا حضرت والا کے مجموعہ میں انکے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا، آپ چونکہ
ایسی باتیں بہت کم بیان کرتے تھے تو مجھے تعجب ہوا اور حضرت والا سے پوچھا کہ یہ دوہا حضرت
نے نظم فرمایا ہے یا کسی اور نے؟ تو فرمایا کہ یہ شعر میرا ہے اور میرے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

لطائف ستہ

ایک دن یہ ذکر چلا کہ لطائف ستہ (۱) کیا ہیں؟ اور متاخرین صوفیاء نے ان کی کونسی جگہیں بیان کی
ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ، جب میں لایا تو آپ نے ایک دائرہ بنا
کر فرمایا: یہ قلب ہے پھر اس دائرے کے بیچ میں ایک اور دائرہ بنا کر فرمایا: یہ روح ہے، اس

الطائف ستہ انسانی جسم و روح کے وہ درتچے ہیں جو اسے الہیت کے دیدار و عشق سے سرفراز کرتے ہیں، یہ تصوف کے
علم النفس (PSYCHOLOGY) سے تعلق رکھتا ہے، اسے سمجھنے کیلئے تصوف کے کائناتی علم (COSMO
LOGY) کا جاننا ضروری ہے، اور وہ یہ ہے: عالم ہا ہوت، کائنات کی ابتداء سے پہلے ذات حق کے لئے جس عالم کا
تصور کیا گیا ہے وہ ہا ہوت کہلاتا ہے، اسی کو مقام احدیت بھی کہتے ہیں، عالم لاہوت، جو ذات حق کی تجلیات کی دنیا،
غیب کی آخری حالت اور مقام وحدانیت ہے، عالم جبروت یا عالم ارواح، جہاں ذات حق کے اقتدار کا تسلط اور جبر
کا اظہار ہوتا ہے، عالم ملکوت یا عالم مثال، جہاں مخلوقات کے ابتدائی اور انفرادی وجود و خاکہ کی تشکیل ہوتی ہے، عالم
ناسوت، عالم اجسام، عالم امکان اور عالم مادی، انسانی مشاہدے میں آنے والی مادی، جسمانی اور حسی دنیا، صوفی یا
سالمک عالم ناسوت سے دوسرے عالموں کی جانب سفر کرتا ہے جسے تصوف کی دنیا میں سیر یا سلوک کے نام سے یاد
کرتے ہیں، جس کی جتنی زیادہ محنت و ریاضت ہوتی ہے اس کا سفر اتنا ہی تیز گام اور صحیح ہوتا ہے اور وہ منزل پر اتنی ہی
جلدی پہنچتا ہے۔ باقی تفصیل اگلے صفحہ پر

طرح دائرہ در دائرہ بناتے رہے یہاں تک کہ مقام انا تک پہنچے تو فرمایا کہ لطائف کی صورت میں سب سے زیادہ یہ پسند ہے باقی سب مختلف رخ اور اعتبارات ہیں اور پھر خواجہ نقشبندؒ کے مندرجہ ذیل قول کو اس مسئلے کے ساتھ خوب مطابقت دی۔

آئینہ مارا شش جہت است (ہمارا شیشہ چھ پہل ہے) (۱)

الطائف ستہ، شش جہت آئینہ، یا چھ درتپے، پہلا لطیفہ نفس ہے، اس کا مقام زیر ناف اور اس کے نور کارنگ زرد ہے، یہ انسان کا سب سے اسفل لطیفہ ہے، جو عالم ناسوت سے متعلق ہے انسان کے جذبات و حیوانی خصوصیات کی نمائندگی کرتا ہے، اس کے تین احوال ہیں نفس امارہ جو انسان کو برائی پر ابھارتا ہے، نفس لواہمہ جو برائی پر تنبیہ و ملامت کرتا ہے، نفس مطمئنہ جو ذات حق کی یاد و ذکر سے مطمئن ہوتا ہے، سلوک اس کا تزکیہ کر کے اسے مطیع و فرمانبردار بناتا اور اس کی اصلاح کر کے اسے فانی اللہ کے درجے پر فائز کر دیتا ہے، دوسرا لطیفہ قلب ہے، واضح ہو کہ اس سے گوشت پوست کا دل مراد نہیں، اس کا مقام بایاں پہلو، نور کارنگ سرخ ہے، علم و حکمت، عشق و محبت اور شوق و معرفت کا گہوارہ یہی ہے، خیر و شر کی جنگ یہیں ہوتی ہے، یہیں انسان کی روحانی اور حیوانی قوتوں کے درمیان غلبہ کے لئے زور آزمائی رہتی ہے، قلب و نفس مل کر حیوانی روح کی تشکیل کرتے ہیں، تیسرا لطیفہ روح، نور کارنگ سفید، مقام دایاں پہلو ہے، یہ لطیفہ عالم جبروت سے متعلق، ذات حق سے جڑا ہوا، غیر فانی ہے اسکی بیداری کے بعد عالم ارواح کے اسرار کھل جاتے ہیں، چوتھا لطیفہ سر ہے جو عالم ملکوت سے متعلق اور لوح محفوظ و باری تعالیٰ کے فیضان کا مہبط و ریکارڈ ہے اس کا مقام سینے کا وسط، نور کارنگ ہرا، سر اور روح مل کر روح انسانی کی تشکیل کرتے ہیں، پانچواں لطیفہ خفی ہے جو وجدان کا مخرج اور عالم لاہوت سے متعلق ہے، مقام پیشانی کا وسط اور نور نیلگوں ہے، چھٹا لطیفہ اخفی ہے، مقام سر کا درمیانی حصہ، نور کارنگ سیاہ ہے، یہ تمام لطائف میں سب سے زیادہ گہرائی، گیرائی اور لطافت کا حامل ہے، اسکا تعلق باہوت سے ہے، الہی الہامات کا منظر یہی ہے، اسکی بیداری سے تمام کائنات کے اسرار و علوم معلوم ہو جاتے ہیں، اس لطیفہ کی بیداری کو ہی صوفیاء کرام وصول یا تکمیل کا نام دیتے ہیں، ان لطائف کو ہم روحانی حواس بھی کہہ سکتے ہیں، جس طرح جسم میں حواس خمسہ ہوتے ہیں جو بیدار و صحت مند ہوں تو چیزوں کی حقیقت، ماہیت اور رنگ و ذائقہ اور خوشبو وغیرہ کا پتہ کر لیتے ہیں اسی طرح یہ حواس ستہ بیدار ہو کر روحانی امور اور روح کی صحت و بیماری، غذا و دوا کی عمدگی یا خرابی پر مطلع ہو جاتے ہیں، جس طرح صحت مند جسم انسان کو کھڑا کئے رہتا ہے، کام پر اکساتا ہے اسی طرح یہ روحانی حواس جب تنومند و بیدار ہوتے ہیں تو انسان کو طاعات و عبادات پر کمر بستہ کرتے ہیں، رذائل سے نفرت پیدا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ملکوئی نام

اس فقیر نے بعض دوستوں سے سنا کہ حضرت والا کا نام نامی عالم ملکوت میں ابو الفیض ہے، اس بارے میں میں نے آپ سے خلوت میں پوچھا تو ہنس کر فرمایا کہ ہاں! ایسا ہی ہے اور تمہارا نام عالم ملکوت میں ابو الفیاض ہے۔

رکن اعظم

ایک بار حضرت والا نماز ظہر کے بعد اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ رباعی پڑھی:

گر راہ حق بخو، ہی اے پسر خاطر کس را منجاں الحذر

در طریقت رکن اعظم رحم است ایں چنین فرمود آں خیر البشر

اے بیٹے اگر تو راہ حق کا طالب ہے تو کسی کا دل نہ دکھانا، طریقت میں رحم رکن اعظم ہے، یہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

پھر فرمایا کہ قلم دوات لا کر لکھ لو کیونکہ حق تعالیٰ نے یہ شعر اچانک میرے دل پر القاء فرمائے ہیں تاکہ تجھے انکے ذریعہ وصیت کروں، پھر اشارہ کیا کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر لازم ہے۔ یہ رباعی بھی حضرت کے پاکیزہ خیال کا مرقع ہے۔

اے کہ نعمتہائے تواز حد فزوں شکر نعمت ہائے تواز حد بروں

عجز از شکر تو باشد شکر ما گر فضل تو مارا رہنموں

اے کہ جسکی نعمتیں بے اوڑ اور شکر ناممکن ہے، ہاں آپکی راہ نمائی ہو تو ہماری عاجزی ہی شکر ہے۔

چند نصیحتیں

اس فقیر کو اپنی مجلس اور صحبت میں معاملات دنیوی کے طریقے اور حکمت عملی خوب سکھلاتے تھے ان میں سے جو کچھ حافظے میں باقی رہ گیا ہے اس میں سے چند جو اہر پارے یہ ہیں:

* فرماتے تھے: مجلس میں کسی بھی قوم کی تنقیص مت بیان کرو، یہ نہ کہو کہ پوربی ایسے ہیں یا پنجابی ایسے، افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے، ہو سکتا ہے اس مجلس میں اس قوم کا کوئی مرد میدان بیٹھا ہو یا اس علاقے کا کوئی باحمیت آدمی، وہ اسے برا سمجھے اور اہل مجلس کا مزہ کر کر اہو جائے۔

* عوام کے خلاف ہرگز کوئی بات زبان پر نہیں لانی چاہئے چاہے کتنی ہی سچی اور صحیح کیوں نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ سب پھر جائیں اور مجلس بد مزہ ہو جائے۔

* اگر کسی سے کوئی کام ہو تو حاجت پیش کرنے سے پہلے خوبصورت تمہید باندھو اور پھر تدریجاً اپنی حاجت پیش کرو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ضرورت کی بات اسکے سامنے پتھر کی طرح دے مارو۔
* مجلس عام میں کسی شخص کی بھی کھلم کھلا تردید ہرگز نہ کرو۔

* آدمی کو ایسا لباس اختیار کرنا چاہئے جس سے اس کی صفت کمال کا اظہار ہوتا ہو مثلاً دانش مند کو دانش مندوں کا سال لباس پہننا چاہئے اور ان کی جیسی زندگی گزارنی چاہئے اور فقیر کو فقیرانہ لباس پہننا اور طریق فقر اختیار کرنا چاہئے۔

* بزرگوں سے بات کرتے وقت پیچیدہ اور گنگنک الفاظ استعمال کرنا اور بہت ہی آہستگی سے بات کرنا مناسب نہیں۔

* اگر تم سے شجاعت، سخاوت یا جواں مردی کی کوئی بات ظاہر ہو تو ایسا اہتمام کرنا چاہئے کہ لوگ تمہارے اس کمال سے باخبر ہو سکیں۔

* بیمار پرسی کا سب سے بڑا مقصد بیمار کی خوشنودی ہے نہ کہ صرف اس کے مزاج کی کیفیت سے اطلاع پانا، اسی طرح تعزیت، سفارش اور اسی قسم کی دوسری باتیں، پس جو شخصان سب کاموں کو انجام تو دیتا ہے لیکن صاحب معاملہ کو اس سے مطلع نہیں کرتا تو سمجھ لیجئے اس کی ساری محنت ضائع ہوگئی، اور ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی مصلحت یا لوگوں کے درمیان الفت و محبت پیدا کرنا یا صلح جوئی ہو اسی قبیل میں شمار ہوگا۔

* دوسروں کو رخصت کرتے وقت یا انہیں وصیت کرتے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است بادوستاں تملطف بادشمنناں مدارا
دونوں جہان کی آسائش و آرام دو حرفوں کی تفسیر ہے، دوستوں کے ساتھ مہربانی، دشمنوں کو بخشش۔
* اگر تم سے کمتر درجے کے لوگ تمہیں سلام کرنے میں پہل کریں تو اس بات کو انعام الہی میں
سے ایک نعمت سمجھو اور شکر بجالاؤ ایسے لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آؤ اور ان کی خیر و عافیت
پوچھو، اس بات کا قوی امکان ہے کہ تمہاری معمولی توجہ انہیں بہت بڑی خوبی نظر آئے اور وہ
اس پر ایسے مرٹیں کہ دوبارہ اگر ایسی توجہ نہ پائیں تو دل شکستہ ہو جائیں۔

صد ملک دل بہ نیم نگاہ مے تو اوں خرید خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند
سینکڑوں دلوں کی حکومت محبت کی اک نگاہ کے بدلے میں حاصل کی جاسکتی ہے، عقلمند کبھی اس
معاملے میں کوتاہی نہیں کرتا۔

* بعض لوگوں کی یہ حماقت ہے کہ لباس یا کسی خاص عادت کو ایک علامت بنا لیتے ہیں یا کوئی تکیہ
کلام مقرر کر لیتے ہیں یا کسی ایک کھانے سے بناؤ بیفرت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر لوگ ان
عادات کی بنا پر انہیں اپنی مزاح و ظرافت کا نشانہ بناتے ہیں۔

* بعض دوست تجھ سے ذاتی محبت رکھتے ہیں یعنی تیری محبت آہستہ آہستہ انکے دل میں بس
جائے تو پھر کسی حالت میں بھی ان کے دل سے نہیں نکل سکتی نہ خوشی و مسرت کے عالم میں اور نہ
رنج و غم کے حالات میں ایسے دوست کو غنیمت جان کر اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھنا چاہئے۔

* بعض دوستوں کی محبت کا سبب ان پر تیری فضیلت اور تجھ سے ان کی ضروریات کی وابستگی
میں چھپا ہوتا ہے اس لئے ہر دوست کی حیثیت پہچانی چاہئے اور سب کو ایک مقام نہیں دینا
چاہئے اور کسی دوست پر اس کی حیثیت سے زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

* اہل عقل و ارباب حکمت کے مطابق انسان کو ضروریات زندگی کے استعمال میں صرف لذت

اندوزی مقصود نہ ہونی چاہئے، بلکہ زندگی کی سب نعمتیں دفع حاجت حصول فضیلت اور ادائے سنت کے ارادے سے حاصل کرنی چاہئیں۔

* بول چال، سیر و سفر اور نشست و برخاست میں ضعف و نقاہت (کمزوری) کے باوجود اولو العزم (جواں مردوں، و تندرستوں) کی سی طرز و عادت کو اختیار کرنا چاہئے اور اگر سوء اتفاق سے کوئی عیب یا مکروہ فعل یا بخل تجھ سے صادر ہو تو اسے چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور اس سے شرمندگی محسوس کرنی چاہئے اور اس عیب کے مد مقابل صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وہ عیب یا بری عادت جڑ نہ پکڑ جائے۔

* جب آداب سفر پر گفتگو ہوتی تو آپ چوروں اور ٹھگلوں سے بچنے کی بہت تاکید فرماتے اور اس قسم کے جو واقعات سفر اکبر آباد میں پیش آئے تھے وہ بھی سنایا کرتے تھے۔

شاہ عبدالرحیم ایک نظر میں

حضرت والا شجاعت، فراست اور غیرت و حمیت جیسے اعلیٰ اخلاق کے جامع تھے، اخروی زندگی کے تقاضوں کو بھی سمجھتے تھے اور دنیاوی معاملات کی بھی مکمل سوجھ بوجھ اور لیاقت رکھتے تھے، ہر کام میں درمیانی راہ کو پسند فرماتے تھے، نہ تو خشک زاہد ہی تھے کہ رہبانیت تک پہنچ جاتے اور نہ ہی عبادات میں سستی اور کاہلی کا شکار، آپ کے لباس اور وضع قطع سے بے تکلفی ٹپکتی تھی، موٹا جھوٹا سخت و نرم جیسا ملتا پہن لیتے، یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنا کوشش و طلب کے ہمیشہ اعلیٰ لباس عنایت فرمایا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب سے دنیا پہ لات ماری ہے تب سے اپنے لئے بازار سے لباس بھی نہیں خریدا، جوتے نہ دستانے، بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ کثرت سے دیتا رہتا ہے، ایک دن آپ نے قیمتی لباس پہن رکھا تھا، ایک خشک صوفی نے اس بارے میں بحث شروع کر دی، آپ نے فرمایا: میرے لباس کی ہر تار جو شمال در شمال ہے، محبت الہی کی کمند و جال ہے، کیونکہ یہ اس

کارسازِ حقیقی نے مجھے میری کوشش کے بغیر عطا فرمایا ہے، اور تیرے لباس کی ہر تار اگرچہ موٹے کھدر کے دھاگوں سے بنی ہوئی ہے مگر وہ تیرے لئے اڑ رہا ہے، کیونکہ تو نے اسے اپنی سعی و کوشش سے حاصل کیا ہے۔ (یہاں سعی اور کوشش سے مراد غالباً عوام الناس یا امراء کے سامنے دست سوال دراز کرنا ہے۔)

حضرت والد ماجد امراء کے گھر نہیں جاتے تھے، یہ دروازہ آپ نے اپنے اوپر بند کر رکھا تھا، لیکن امراء جب آپ کی زیارت کے واسطے آتے تو آپ ان سے اخلاق سے ملتے اور سردارانِ قوم کا خاص اکرام و اعزاز فرماتے، اگر یہ لوگ نصیحت کی درخواست کرتے تو آپ نرمی و مہربانی کے ساتھ یہ فرض انجام دیتے، امراء آپ کی ایسی نصیحتوں کو بھی بخوشی قبول کیا کرتے تھے جو قرآن و حدیث سے ماخوذ نہ ہوتیں، بلکہ فقہاء و صلحا کے قیاس و ظن سے ثابت ہوتی تھیں، علم اور علماء کی تعظیم، جہل اور جہلا سے نفرت ہمیشہ آپ کا دستور رہا، ہر حال میں اتباعِ نبوی آپ کا مشن تھا، آپ کی مستقل مزاجی کا یہ عالم تھا کہ شرعی عذر کے بنا پوری زندگی میں نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کی، بزرگوں کا قول ہے: الاستقامة فوق الكرامة (اتباعِ نبی پر) استقامت کرامت سے بلند ہے۔

آپ نے اپنے بچپن یا شباب بلکہ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں غیر شرعی امور کی جانب رغبت نہیں کی، گویا طریقِ محمدی ﷺ کی پیروی آپ کی فطرت میں داخل تھی، ضروری کاموں کے لئے خرید و فروخت بھی آپ خود فرمایا کرتے تھے، لباس و عمامہ کے بارے میں آپ نہ تو غلط فقہاء کا رویہ اختیار کرتے تھے اور نہ رسوم و قیود سے آزاد فقیروں کا طرز، بلکہ مشائخ و صوفیاء کا لباس اختیار فرماتے تھے، کل ملا کر بے تکلفانہ زندگی گزارا کرتے، انتہائی سخت ضرورت کے علاوہ قرض لینا پسند نہ فرماتے تھے، ایسے لوگوں سے ناراضگی کا اظہار فرماتے جو مختلف قسم کے کھانوں اور زبان کے چٹھارے کے لئے مقروض رہتے تھے۔

معمولات

آپ کو ہر فن میں وافر علم حاصل تھا، آپ کی طبیعت کسی بھی فن کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تھی، طب میں تو آپ کامل تھے، آپ کا طریقہ تھا کہ تہجد کی نماز میں رکعتوں کی تعداد نہ گنتے، نشاط و رغبت کے ساتھ جتنی پڑھ پاتے پڑھتے جاتے، اشراق اور چاشت کے علاوہ مغرب کے بعد والدین اور بڑے بھائی کی ارواح کو ایصالِ ثواب کی نیت سے بھی دو رکعت پڑھتے تھے۔

اگر کوئی معذوری نہ ہوتی تو ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے، قرآن کریم کو خوش آواز اور تجوید و قواعد کی رعایت کے ساتھ پڑھتے، تلاوت کے علاوہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ بھی ایک دو رکوع کا مطالعہ اکثر ہر روز کیا کرتے تھے، ایک ہزار مرتبہ درود پاک، ایک ہزار نفی اثبات، کبھی نماز فجر سے پہلے کبھی بعد، کبھی جہراً اور کبھی آہستہ، بارہ ہزار اسمِ ذات، ہمیشہ بلا ناغہ پڑھتے، ضعیفی اور بڑھاپے کے باوجود اس معمول کو ہمیشہ جاری رکھتے، سوائے ان اوقات کے جب آپ پر روحانی بے خودی طاری ہو جاتی اور کبھی کبھی یہ حالت طویل ہو جایا کرتی تھی۔

سیدنا و محدومنا شیخ ابوالرضا محمد کی وفات کے بعد بعض احباب کی درخواست پر آپ نے پہلے انداز پر وعظوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا، اکثر مشکوٰۃ شریف، تنبیہ الغافلین، اور غنیۃ الطالبین کا درس دیتے تھے، اور آخر میں تفسیر قرآن بھی شروع کر دی تھی، جب ان کتابوں کے درس سے فارغ ہوئے تو ضعف غالب آچکا تھا جس کی وجہ سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

اس فقیر نے آپ کی زبان سے بارہا سنا کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے درود شریف اور خالص توجہ کی بدولت پایا ہے، ظاہری غنا کے لئے آپ روزانہ سومرتبہ سورۃ منزل اور گیارہ سومرتبہ یا معنی پڑھا کرتے تھے، جس کی بدولت ہر حالت میں کسی ظاہری سبب کے بغیر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپ کی خدمت پر مائل رکھتا تھا، آخری عمر میں جب رمضان کا چاند نظر آیا تو حسب معمول صیام و قیام میں مشغول ہو گئے، حالانکہ ضعف و نقاہت کی وجہ سے آپ میں اس کی سہار نہ تھی، اور شرعاً بھی

معذور تھے، یہ فقیر اور دوسرے اہل و عیال جب آپ سے معلوم کرتے کہ شرعی رخصت کے باوجود اتنی تکلیف کیوں اٹھارہے ہیں تو فرماتے کہ کمزوری کی بنا پر زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ بے ہوش ہو جاؤں گا؟ اس کی تو عادت میں نے پہلے ہی ڈال رکھی ہے، (اس سے آپ کی مراد غیبت کی عادت تھی)

آ گیا وصل کا ہنگام.....

جب سوال کا چاند نظر آیا تو بھوک بالکل ختم ہو گئی اور کمزوری بڑھنے لگی، جس سے ہیضہ ہو گیا، چنانچہ زندگی کی امید ختم ہو گئی اور مردوں کی طرح گر پڑے یہ فقیر حاضر تھا، آپ کی زبان پر استغفار جاری تھا، کچھ دیر بعد افاقہ ہونے لگا اور مرض کی شدت گھٹتی چلی گئی یہاں تک کہ ماہ صفر کے شروع میں مرض کا دوبارہ حملہ ہوا اور صبح صادق سے پہلے موت کے آثار ظاہر ہونے لگے، آپ کا ارادہ یہ تھا کہ نماز فجر قضا نہ ہو، بار بار معلوم کرتے تھے کہ صبح ہوئی یا نہیں؟ حاضرین کہتے کہ ابھی نہیں، جب موت قریب ہوئی تو جواب دینے والوں کو جھڑک کر کہا کہ تمہاری نماز کا وقت نہیں ہوا مگر ہماری نماز کا وقت ہو چکا ہے، پھر فرمایا: مجھے قبلہ رو کر دو!

حاضرین نے تعمیل کی، آپ نے اشارے سے نماز ادا فرمائی، نماز کے بعد زیر لب اسم ذات کا ورد کرتے ہوئے زندگی کی امانت مالک حقیقی کے سپرد کر دی، یہ الم ناک واقعہ بادشاہ فرخ سیر کے آخری عہد میں ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ بروز بدھ پیش آیا، حضرت والا کے انتقال سے تقریباً ایک ماہ بیس دن بعد فرخ سیر قید ہوا اور سخت حادثات رونما ہوئے۔

اس وقت آپ کی عمر شریف ۷۷ ستر سال تھی چتوڑ کی فتح اور جامع مسجد شاہ جہان آباد کی تعمیر آپ کو یاد تھی۔

ہم نے اپنے سردار و مخدوم حضرت شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کے مناقب میں سے جو لکھنے کا ارادہ کیا تھا وہ مکمل، ہوا اب ہم سیدنا و مخدومنا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے مناقب ذکر کریں گے۔

امام طریقت کاشف اسرار مخدومنا شیخ ابوالرضا محمدؒ

ایک توضیح

اگرچہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اس حصہ کو پہلے پیش کیا جاتا، مگر سند اور صحت کی بنا پر اس حصہ کو دوسرے نمبر پر رکھا گیا ہے، کیونکہ حصہ اول کی اکثر روایات فقیر نے بنا واسطہ کے خود دیکھی یا سنی ہیں اور اس دوسرے حصہ کی اکثر روایات فقیر کو ایک یا دو واسطوں سے پہنچی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعریف ہے اس اللہ کی جس نے اپنے بندوں میں سے ایک جماعت کو مقامِ ولایت پر فائز فرمایا، اور انوار و برکات کے حقیقی لباس میں ملبوس کر کے ان پر اپنی نعمتوں کی راہیں کھولیں اور ان کی زبانوں پر علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے، اور دین متین کا قیام اور اللہ کی خوشنودی کو ان کا مقصد بنا دیا، جس کی وجہ سے وہ ہادی، مہدی اور متقین کے امام بن گئے، انہیں خاص بندوں کو اس نے زمین و آسمان میں قرار و ثبات عطا فرمایا، پاک ہے اس کی بابرکت ذات جس نے یہ سب انعامات کئے، بے شک وہ تنہا معبود برحق ہے، جس کا کوئی ہم سر نہیں اور جس کے حکم اور فیصلے سے کوئی منہ نہیں پھیر سکتا، اور بے شک سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور بندے ہیں، جن کی چمک دمک نور و ضیاء تمام انبیاء سے زیادہ کامل اور روشنی بخشنے والی ہے، ان پر اور ان کی آل و اولاد اور اصحاب پر اللہ کی رحمتیں ہمیشہ ہوتی رہیں۔

اس تمہید کے بعد فقیر پر تقصیر ولی اللہ حفظہ اللہ و وعاء کہتا ہے کہ بزرگوار چچا اہل ذوق و وجدان کے امام اہل معرفت کے قائد، اہل کمال کے منظور نظر، اللہ والے سیدنا و مولانا شیخ ابوالرضا محمد نور اللہ مرقدہ کے علم و عرفان سے چنے ہوئے یہ چند کلمات ہیں جن کے مجموعے کا نام شوارق المعرفۃ تجویز کیا گیا ہے۔

ابتدائی احوال

حضرت شیخ نے بچپن میں ظاہری علوم حافظ بصیر سے حاصل کئے تھے جو شاہ جہاں کے زمانے میں ایک بلند مقام رکھتے تھے، ان کے علاوہ خواجہ خورد سے بھی پڑھتے رہے، حقیقت میں آپ کو تمام علوم منجانب اللہ حاصل تھے، ظاہری تعلیم حاصل کرنے میں آپ کا مقصد سنت الہی کی پیروی تھی، کہ دنیا دار الاسباب ہے، علم حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنے والد کے مشورے سے ایک امیر کے دربار میں آنا جانا شروع کر دیا، تاکہ ظاہری نفع حاصل کریں۔

آپ کی اصلی استعداد اچانک ظاہر ہونے لگی، اور آپ نے گوشہ نشینی کا شعار، مکمل توکل، اتباع سنت اور صوفیا کا طریقہ اس انداز سے اختیار کر لیا کہ اس سے زیادہ کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ صحیح روایات سے معلوم ہوا ہے کہ جب تمام تعلقات سے ہاتھ کھینچ لیا تو اپنی اہلیہ سے فرمایا ہم نے یہ راستہ تکالیف اور مصیبتوں کے باوجود خود پسند کیا ہے، اور کسی بھی طرح اس راہ سے پیچھے نہیں ہٹیں گے، اگر ان تمام مشکلات کو میری طرح پسند کر کے لذیذ کھانوں، خوشنما لباس اور عزیز واقارب کے میل جول سے ہاتھ اٹھا سکو تو میری ساتھی ہو ورنہ تمہیں جدا ہونے کا پورا اختیار ہے، اہلیہ نے ہمت سے کام لیا زیورات اور مہنگے کپڑے اتار پھینکے اور معمولی نیلے رنگ کے کپڑے پہن لئے، حضرت نے اپنا گھر بھی چھوڑ دیا اور مسجد فیروز آباد کے قریب ایک حجرہ بنا کر رہنے لگے، ان دنوں اکثر دو دو تین تین دن کا فاقہ گذرتا تھا، اگر کچھ ملتا تو وہ جو کی روٹی کے چند ٹکڑے اور دہی ہوتی، جو محمد جان طباطبائی اور ان جیسے دوسرے نیاز مند لاتے، یہ کھانا بھی تمام فقرا میں تقسیم کیا جاتا اور آپ بہت ہی تھوڑے کھانے پر اکتفا فرماتے۔

آپ کے گھر میں نہ کوئی دیگی تھی، نہ چولہا، نہ چکی نہ دوسرا اسباب، آپ اسی طرح بسر کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خوب برکت عطا فرمائی، اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی طرف مائل کر دیا، ایک وسیع حویلی اور بڑا لنگر خانہ عنایت فرمایا۔

غوثِ اعظمؒ سے استفادہ

اپنے ابتدائی دنوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ خواجہ خورد کے پاس ایک درویش آیا جو خواجہ محمد باقی کا خاص خلیفہ اور شیخ تاج سنبھلی کی صحبت اٹھا چکا تھا، تجرید کے مقام اور بے سامانی کی آخری منزل پر فائز تھا، اس پر غیبت کی نسبت حد درجہ غالب تھی، حضرت خواجہ اس سے جب بھی کچھ پوچھتے تکلف اور مشکل سے جواب دیتا حضرت خواجہ خورد نے فرمایا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا خواہش مند ہو وہ اس درویش سے مردانہ وار تعلق قائم کرے۔

جب میں نے یہ بات سنی تو میرے دل میں اس کی بیعت کی خواہش اور طریقت میں اس سے راہ لینے کا خیال پیدا ہوا، میں نے استخارہ کیا اور حضرت غوثِ الاعظمؒ کی روح پر فتوح کی جانب متوجہ ہوا تو خواب میں دیکھا کہ گویا آپ کشتی پر سوار ہیں اور دریا کی سیر کر رہے ہیں، اور میں دریا کے کنارے ان کی طرف متوجہ کھڑا ہوں، آپ میری طرف متوجہ ہوئے، آپ کے ہر ہر بال سے سورج کی طرح نور اگتا معلوم ہو رہا ہے، آپ نے مجھے نام لیکر بلایا، اس مشاہدے میں مجھ پر ایسے راز ظاہر ہوئے کہ اس درویش کی محبت سے دل ٹھنڈا پڑ گیا اور حضرت غوثِ اعظمؒ کی بارگاہ سے استفادہ کا دروازہ کھل گیا، فرمایا کہا ایک مرتبہ میں نے غوثِ اعظمؒ کو بیداری کی حالت میں دیکھا، اس موقع پر آپ نے مجھے عظیم اسرار و رموز تعلیم فرمائے۔

تیسرے آسمان پر نماز

فرمایا: میں نے حقیقت کی آنکھ سے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اولیاء کرام کے درمیان تشریف لائے جبکہ اولیاء مربع شکل میں صف بہ صف بیٹھے ہوئے تھے، ہر صف میں ایک ہزار ولی تھے، ہر ایک کے ہاتھ میں مور چھل تھا، یہ تمام حضرات سیر روحانی میں مشغول تھے، میں جماعت سے باہر ایک کونے میں کھڑا تھا، میرے دل میں خیال گذرا جس پر آنحضرت ﷺ مطلع

ہوئے اور اپنے دست مبارک کا مورچھل عنایت فرما کر مجھے ان صفوں میں سے ایک میں داخل کر دیا، اس کے بعد آپ مجھے لیکر ہوا میں اڑنے لگے، باقی لوگ اسی مکان میں ٹھہرے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے آسمان کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔

مردِ حق سے بیعت

فرمایا: دوسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دیکھا تو۔

میں نے عرض کیا: میرے آقا! میری خواہش ہے کسی ایسے مردِ حق سے بیعت کروں جس نے آپ کے طریقہِ عالیہ سے فیض حاصل کیا ہو، تاکہ ان اسرار و حقائق تفصیلاً معلوم کر سکوں جو آپ سے حاصل ہوئے ہیں، مجھے کسی ایسے مردِ حق کا پتہ دیجئے جو اس قابل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تیری بیعت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوگی۔

کچھ دنوں بعد دیکھا کہ گویا راستے میں چلا جا رہا ہوں، آس پاس کوئی آدمی تو نظر نہیں آ رہا ہے لیکن راستے پر پیروں کے نشان موجود ہیں، تھوڑی دور چلا تو دیکھا کہ ایک شخص راستے کے بیچ بیٹھا ہوا ہے، میں نے اس سے راستہ معلوم کیا تو اس نے قریب آنے کا اشارہ کیا، اس کے بلانے سے مجھے دلی راحت حاصل ہوئی، اس مرد نے کہا: اے سست رفتار! میں علی ہوں، اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تجھے ان کی بارگاہ میں لے چلوں۔

میں ان کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ ہم بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ گئے، حضرت امیر علیہ السلام نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے رکھا اور اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیکر کہا: یا رسول اللہ! ہذا ید ابی الرضا محمد۔

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیرؑ کی بیعت لی، اس موقع پر میرے دل میں ایک بات کھٹکی، حضرت امیرؑ اس پر مطلع ہوئے اور فرمایا کہ میں اولیاء اللہ کے حق میں اسی طرح بیعت کا وسیلہ رہتا ہوں، ورنہ حقیقت میں تو تمام سلسلوں کا مرجع اور بیعت کا مرکز آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ہی ہوتا ہے، اس کے بعد مجھے اشغال، اوراد و اذکار تلقین فرمائی اور علوم و اسرار سے نوازا، لہذا ان سب کا حصول مجھ پر آسان ہو گیا، اس واقعہ سے پہلے میں ذکرِ قلبی وہی میں مشغول تھا۔

قرب کی انتہا

فرمایا: حضرت پیغمبر کو میں نے خواب میں دیکھا گویا مجھے اپنی ذات مبارک کے ساتھ ایسا قرب عطا فرمایا کہ جیسے ہم ایک ہی جسم بن گئے ہوں، میں نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عین پایا، کسی نے اس وقت آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ نے میری جانب اشارہ کیا، میں نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا، بعد میں آپ مجھ سے جدا ہو گئے، اس سے پہلے مجھے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا بہت شوق رہتا تھا، جب اتحاد و قرب کی یہ دولت نصیب ہوئی تو وہ شوق پورا ہو گیا، اور ایسی بھرپور لذت و کیفیت حاصل ہوئی کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہی۔

آپ کی پاکیزہ زندگی، تصرفات، اور غیبی امور پر اطلاع کا بیان

شیخ ابوالرضا محمد کے معمولات

آپ کے معتقدین کی ایک جماعت کی روایت ہے کہ بادشاہ عالم گیر نے کئی بار حضرت کی زیارت کی خواہش کی، مگر آپ نے انکار کیا، حکام اور سرمایہ دار لوگوں کو آپ ہمیشہ حقیر و نیچ سمجھتے تھے، کبھی ان کی ذات یا پیش کش کی جانب متوجہ نہ ہوتے تھے، اگر کوئی امیر زیادہ ہی اصرار کرتا تو کبھی کبھار نذرانہ قبول فرما لیتے تھے، البتہ غریب، مفلس، موچی، کنجڑا، باورچی وغیرہ چار پیسے پانچ پیسے نذرانہ دیتے جسے آپ بخوشی قبول فرما لیتے۔

معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے کہ آپ زبردست عالم، انتہائی متقی، علوم و معرفت کے ماہر، دراز قد، سفید نورانی چہرے اور چھدری داڑھی والے خوش گفتار انسان تھے، جمعہ کی نماز کے

بعد ہمیشہ وعظ کہنے کا معمول تھا، وعظ میں تین حدیثیں صحت الفاظی کے ساتھ زبانی پڑھا کرتے تھے، پھر ان احادیث کا ترجمہ فرماتے، پہلے فارسی میں پھر ہندوستانی میں، تقریر میں مبالغہ نام کو نہ ہوتا، لوگ بڑے ذوق و شوق سے آپ کی تقریر سننے کو جمع ہوتے تھے۔

شروع شروع میں آپ مختلف علوم کا درس دیا کرتے تھے، لیکن بعد میں یہ درس تفسیر بیضاوی اور مشکوٰۃ شریف تک محدود ہو گیا تھا، باقی وقت ذکر اللہ اور خاص لوگوں کے ساتھ حکمت و معرفت کی باتوں میں گذرتا تھا، وحدۃ الوجود کے قائل اور اس موضوع پر ایک محقق کی حیثیت رکھتے تھے، اپنی مجلسوں میں آپ نے صوفیاء کے کلام کے بہت سے مشکل مقامات حل فرمائے۔

فتح کی خبر

شیخ معظم علی پھلتی بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کے شروع شروع کے زمانے میں ملک کے ایک حصہ پر ستنامی ہندوؤں نے قبضہ کر لیا، بادشاہ نے ان کی سرکوبی کے لئے افواج روانہ کیں، مگر وہ ان کو مغلوب نہ کر سکیں، اور مقابلہ نے ایسا طول پکڑا کہ بادشاہ اور اس کے ارکان پریشان ہو گئے، حضرت کے بعض معتقدین نے حضرت سے دعا کی درخواست کی، آپ نے دعا کی جو فوراً قبول ہو گئی، چنانچہ آپ نے جلد ہی یہ خوشخبری لوگوں کو سنادی کہ مسلم فوج کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرما دیا ہے اور کفار ذلیل ہو کر پسپا ہو گئے ہیں۔

معتقدین نے یہ خبر پورے شہر میں پھیلا دی، رفتہ رفتہ بادشاہ تک بھی یہ خبر پہنچ گئی، اسے تعجب ہوا کہ ابھی تک اس کے ہر کارے تو کوئی خبر نہیں لائے، پھر یہ افواہ کہاں سے اور کس طرح پھیلی؟ تحقیق کرنے پر جب صحیح صورت حال کا پتہ چلا تو بادشاہ نے حضرت کی خدمت میں آدمی بھیج کر معلوم کیا، آپ نے پوری تفصیل کے ساتھ جنگ کی صورت حال بتلا دی، کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کے ہر کارے بھی آپہنچے، انہوں نے بھی وہی واقعات اور تفصیل بیان کی۔

خرچ بدمہ مالک

کہتے ہیں کہ ایک بار آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ کپڑا ایسا موٹا پہننا چاہئے جو سال دو سال تک چلے، کیونکہ یہ تقویٰ حاصل کرنے اور وساوس دور کرنے میں مفید ہے۔

ایک کشمیری کو آپ نے ایسا کپڑا لانے کو کہا، وہ انتہائی سخت اور موٹا پشمینہ لایا، آپ نے اسے ایک یوم پہنا، اگلے دن چاشت کی نماز کے بعد بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے، راوی نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ حق سبحانہ نے الہام کے ذریعہ پیغام بھیجا ہے کہ کیا ہمارے خزانے میں کمی ہوئی تھی جو یہ کپڑے پہنے ہیں؟ تمہارا سارا خرچ ہمارے ذمہ ہے، اور ہم چاہتے ہیں کہ تم کو ناز و نعمت سے رکھیں، یہ پشمینہ اتار دو، ہم ابھی ابھی ایک لباس بھیج رہے ہیں جو تمہارے لائق ہوگا، اپنے وہ لباس اتار دیا اور الہام میں کئے گئے وعدے کے مطابق انتظار میں بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک بڑھیا دروازے پر آئی اور اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ نے راوی کو باہر بھیجا کہ اگر دوہری بنائی والا ایسے رنگ ڈھنگ کا کپڑا ہو تو لے لینا اور کہہ دینا کہ قبول ہو گیا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو واپس کر دینا، وہ کپڑا آپ کے فرمان کے مطابق نکلا اسی وقت اس کو پہنا اور شکر بجالائے۔

تنبیہ

اس واقعہ کے بعد آپ بنا کوشش و ارادہ کے ہمیشہ عمدہ لباس پہنتے رہے، عمدہ کھانے آپ کو میسر آتے رہے، شروع شروع میں دو تین روز فاقہ بھی رہا، انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک مخلص آیا اور عرض کیا کہ میرے گھر میں کھانا تیار ہے قدم رنجہ فرمائیے، آپ اٹھ کر چل دیئے، جب اس مخلص کے گھر پہنچے تو وہ اندر جا کر مستورات کو ایک طرف کرنے لگا، اس آدمی نے دروازے کے ساتھ چار پائی کھڑی کر رکھی تھی، جس کے گرنے سے حضرت شیخؒ کو سخت چوٹ لگی اور بے

ہوش ہو گئے، ہوش آنے پر جلدی گھر لوٹے اور فرمایا: یہ اللہ کی طرف سے مجھے تنبیہ ہوئی ہے کہ آئندہ روزی حاصل کرنے کے لئے بھاگ دوڑ نہ کرنی چاہئے، بلکہ اللہ پر بھروسہ کر کے اس کی نعمتوں کا منتظر رہنا چاہئے، اس واقعہ کے بعد انتہائی ضرورت کے علاوہ آپ کسی کے گھر دعوت میں بھی نہیں جاتے تھے۔

جنہیں وہ پاک رکھتا ہے

حضرت شیخؒ ابتدائی ایام میں ایک دن صبح کا مراقبہ کرنے کے بعد اٹھے اور بھنگ نوشوں کے تکیہ میں جا کر گم صم بیٹھ گئے، کہ دیکھیں حق سبحانہ و تقدس اپنے بندوں کی عفت و پاک دامن اور تقویٰ و طہارت کو کیسے سلامت رکھتا ہے؟

جب بھنگ فروش نے بھرا ہوا پیالہ آپؒ کی طرف بڑھایا تو ایک شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ انہیں مت دو، دو چار مرتبہ یہ صورت حال پیدا ہوئی کہ نماز کا وقت آ گیا، تو آپؒ کے دل میں اضطراب اٹھا مگر ضبط کر کے بیٹھے رہے، اس محلے کی مسجد کا امام بھی وہاں موجود تھا، جو خود بھی بھنگ نوش تھا، فوراً اٹھا اور آپؒ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا، آپؒ نے بہت چھڑانا چاہا مگر اس نے نہ چھوڑا، کسی طرح مسجد میں لے گیا اور وضو کرا کے آپؒ کو امامت کے لئے کھڑا کر دیا، اس واقعہ سے آپؒ کا دل مطمئن ہوا، کہ عفت و تقویٰ جسکی تقدیر میں لکھ دیا جائے وہ طوعاً و کرہاً (چاہے نہ چاہے) عفت و تقویٰ پر برقرار رہے گا۔

بادشاہ حقیقی کی بارگاہ

سننے میں آیا ہے کہ رستم اور اسد اللہ نے جب پھلت والوں کو تکلیفیں پہنچانی شروع کیں، تو انہوں نے ان کی تباہ کاریوں کی کچھ باتیں حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیں اور چاہا کہ آپ عاقل خاں کو ان کی مدد کے لئے رقعہ لکھ دیں۔

ایک دن نماز اشراق کے بعد آپؐ کی حالت بدل گئی اور جوش میں آ کر کہنے لگے کہ تم چاہتے ہو کہ تمہاری تکلیفیں عاقل خاں تک پہنچاؤں، میں تمہاری حالت زار بادشاہ حقیقی کی بارگاہ میں کیوں نہ عرض کروں؟

یہ کہہ کر آپ نے توجہ فرمائی اور ان دونوں شخصوں کی ہلاکت کا مژدہ سنایا، راوی دکن میں بادشاہ سے ملا تو ان کو قید کر کے بادشاہ نے لشکر کے حوالے کیا ہوا تھا، کچھ دنوں بعد وہ دونوں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوئے، پہلے رستم بیمار ہو کر مرا، اور پھر اسد اللہ بھی بیمار ہو گیا، لشکر خاں نام کے ایک مشہور آدمی نے راوی سے کہا کہ اسکے حق میں دعاء کرو، راوی نے کہا کہ مجھے تو دونوں کے دفن کرنے کا حکم ملا ہوا ہے، کچھ دنوں بعد دوسرا بھی انتقال کر گیا۔

یوں بھی بلایا جاتا ہے

فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مظفر رہتلی سے سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مجھ پر غم و اندوہ کی کیفیت طاری ہوئی، میں روتا اور آہیں بھرتا تھا۔

حضرت والا نے فرمایا: کہ خدا کے چاہنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کو اللہ فرحت و شادمانی کی راہ سے اپنی طرف بلاتا ہے، اور دوسرے وہ جن کو آزمائشوں کی راہ سے گزار کر اپنا قرب بخشتا ہے، گویا غم و اندوہ ازلی دین ہے، حضرت شیخ پر غم و اندوہ اور رونے دھونے کی کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی، ہمیشہ خوش و خرم رہتے تھے۔

ان سے یہ بھی سنا کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ کسی سالک کے باطن پر اپنی صفات کی تجلیات کا ظہور ڈانٹ ڈپٹ کی صورت میں فرمائیں، اور چھوٹے بڑے ہر معاملہ میں پکڑ کرنے لگے، اور صبر و برداشت کی قوت اس میں باقی نہ رہے، تو اسے چاہئے کہ دنیوی امور اور معاش کی تلاش میں مشغول ہو جائے اس سے عتاب ختم ہو جائے گا۔

شریعت کا مدار ظاہر پر

شیخ مظفر رہتکی نے یہ بھی فرمایا: میں شروع شروع میں جب آپ کی خدمت میں جاتا تھا تو بطور تحفہ کے ترکاری بھی آپ کی خدمت میں پیش کرتا تھا جسے آپ قبول نہیں فرماتے تھے، کہتے تھے کہ دیہاتوں اور قصابات کی خرید و فروخت اور ناپ تول شرعی قانون کے مطابق نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے یہ تحفہ لانا چھوڑ دیا، البتہ آپ کے بچوں کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ تھما دیتا تھا، اور تھوڑی سی ترکاری بھی ہدیہ کی رسم پوری کرنے کیلئے ان بچوں کو دیا کرتا تھا، آخر کار ایک مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو ترکاری کے دو مرتبان حضرت والا کے بچوں کو دیئے، وہ آپ کی خدمت میں لے گئے، آپ نے اس میں سے کچھ نکال کر تناول فرمائی۔

اسکے بعد ایک دن مجھے فرمانے لگے: ہم نے تمہاری ترکاریاں کھائی ہیں، ہاتھ اٹھا کر جھٹکے، گویا اپنی پچھلی عادت سے برأت کا اظہار فرمایا، اس سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم تو روع اور تقویٰ کی ایسی راہوں سے گزر چکے ہیں جن کا تصور بھی انسانی ذہن نہیں کر سکتا، اب ہم شریعت کے ظاہر پر عمل کریں گے اور اس کے اپنانے میں کوئی عار محسوس نہیں کریں گے۔

دیہاتی لٹیروں

یہی راوی بیان کرتے ہیں جب روگ داس (۱) کے واقعہ سے روہتک کے اطراف میں ویرانی پھیل گئی، تو میں کئی خاندانوں کو لیکر دہلی کی طرف چل پڑا، ان دنوں تمام دیہاتی لوگ درندے بن چکے تھے، میرے قافلے میں بہت سارے خاندان، عورتوں اور مال و متاع کے ساتھ شامل تھے، لیکن سوائے میرے اور کوئی مضبوط آدمی نہیں تھا، امید کے خلاف ہمارا سارا سفر آرام سے گزرا، ہاں البتہ! ایک مقام پر دیہاتی لٹیروں نے جمع ہو کر ہم پر حملہ کرنا چاہا، تو میں

نے کمان کا چلہ چڑھا کر ان پر حملہ کر دیا وہ شکست کھا کر خیموں یا چھپروں میں چھپ گئے، جب میں حضرت والا کی خدمت میں پہنچا تو خندہ پیشانی سے ملے اور فرمایا کہ ہم بھی اس سفر میں تمہا رے ساتھ تھے تمہاری حفاظت اور مدد کرتے رہے، دیکھا نہیں تھا کہ جب دیہاتیوں نے حملہ کرنا چاہا، اس وقت تم اکیلے تھے اور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، میں نے فلاں آفت کو ان کے منہ میں دیا جس سے وہ ڈر کر اپنے چھپروں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔

کیا جواب دوں؟

یہی رہتکی معتقد یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اکثر اوقات لوگ عام مسائل کے بارے میں بھی پوچھا کرتے تھے، ایسے میں حضرت والا اپنی آنکھیں بند کر کے سوچنے لگ جاتے، اور کچھ دیر کے بعد جواب بیان فرماتے، کسی شخص نے اس کا راز پوچھا تو فرمایا: جب یہ لوگ سوال کرتے ہیں تو بہت سارے جوابات میرے سامنے پیش ہو جاتے ہیں، اس وقت میں اسی سوچ میں ڈوب جاتا ہوں کہ کونسا جواب مسائل کی سمجھ کے مطابق ہو سکتا ہے۔

اتباع سنت

یہی راوی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ جب مسجد میں داخل ہونا چاہتے تو مسجد کے قریب کھڑے ہو کر اپنا بائیں قدم نکال کر جوتے پر رکھ لیتے، پھر دایاں قدم نکال کر مسجد میں رکھتے، کاتب الحروف کہتا ہے اس سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، پہلی حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اليمنى اولهما تنعل و آخرهما تنزع* (۱)

جوتا پہنتے وقت دایاں پاؤں پہلے داخل کیا جائے اور اتار تے وقت پہلے بائیں پاؤں نکالا جائے۔

دوسری حدیث یہ ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يحب التيامن في شانه كله* (۱)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف سے آغاز کرنے کو پسند فرماتے تھے۔
حضرت شیخ کا یہ عمل سنت نبوی کی رعایت اور احتیاط کا ایک عجیب منظر پیش کرتا ہے۔

نسبت کی برکتیں

یہی راوی بیان کرتے ہیں، کہ جب میں آپ کے بلند پایہ سلسلے سے منسلک ہو گیا اور مجھ پر توجہ فرمانے لگے، تو مجھ پر توحید کے اسرار کھلنے لگے، انہی ایام میں کم و بیش تین روز میرا علم بظاہر اللہ تعالیٰ کے علم سے جڑ گیا، حضرت شیخ نے شیخ عبدالحفیظ سے فرمایا کہ مجھے حجرے میں بند رکھ کر میری حالت کی نگرانی کریں، میں ان ایام میں کہا کرتا تھا، کہ میں چاہوں تو بارش برسا دوں، چاہوں تو مار دوں، چاہوں تو زندہ کر دوں، حضرت شیخ اس عالم میں انتہائی ادب و انکساری کا مظاہرہ فرماتے تھے، اور کہتے جن لوگوں پر یہ حالت طاری ہو ان کا یوں ہی ادب کرنا چاہئے، جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو حضرت والا نے مثال کے طور پر ہندی دوہا پڑھا:

کنتھارن موں تہیہ کہ کھاندہ باہ نسنکھ با بچہ چہرہ ہی زندا پانا نچہ چڑھ کلند

حلوہ روٹی

یہی شیخ مظفر رہتکی کہتے ہیں کہ رہتک والوں کا ایک گروہ کسی تقریب سے دہلی آیا تو ایک دن ارادہ کیا کہ سب لوگ حضرت کی زیارت کو جائیں، راستہ میں ایک شخص نے آپ کی کرامتوں کا ذکر چھیڑ دیا دوسرے نے کہا ایسی کرامتیں تو بہت سے لوگ سنایا کرتے ہیں، لیکن جب تک آنکھ سے نہ دیکھیں تصدیق نہیں کر سکتے، اور مثال میں یہ ہندی دوہا پڑھا:

اعن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب التيامن في طهوره ونعله وفي ترحله* (مسند أحمد،

جب لک نہ دیکھوں اپنی پننا تب لک نہ بچوں کر کے بنیا
جب تک محبوب دنواز کو دیکھ نہ لوں تب تک کیسے جان کی بازی لگا دوں۔

اور کہا کہ میں تو جب مانوں کہ آج مجھے نان و حلوہ دیں، جب یہ لوگ پہنچے اور آپ سے ملاقات کی تو آپ ہر ایک سے لطف و مہربانی کے ساتھ پیش آئے، اور پھر گھر سے حلوہ روٹی منگوائی، اور اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ خاص اسی کا حصہ ہے اور وہی دوہا پڑھا۔

دل کو بھاگئی

فقیر نے سید عمر حصاری سے سنا ہے کہ ایک دن آپ خوبصورت سی پرکشش چادر اوڑھے ہوئے ہرن کی خوشنما کھال پر تشریف فرما تھے، وہ چادر اور کھال میرے دل کو بھاگئی، ویسی ہی چادر اور کھال کی تلاش کا شوق دل پر چھا گیا اس خیال کو جس قدر جھٹکتا اتنا ہی سوار ہوتا۔

حضرت والا جب مجلس سے اٹھے تو مجھے فرمایا بیٹھو تم سے ایک کام ہے، اس کھال پر شیرینی کے دھبے لگے ہوئے تھے، تو انہیں اپنے ہاتھ سے دھویا اور ہرن کی کھال کو تہہ کر کے اپنے ہاتھ سے مجھے عنایت فرمائی اور فرمایا اولیاء کی مجلسوں میں ایسے خیالات دل میں نہیں لانے چاہئیں۔

ایسا دل کس کام کا

یہی راوی کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ، شیخ عبدالاحد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اس موقع پر شیخ عبدالاحد نے پوچھا کہ فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے اس آدمی کے بارے میں فرشتہ کو جھگڑتے دیکھا ہے، ایک کہہ رہا تھا کہ فلاں صاف اور پاکیزہ دل رکھتا ہے، اور دوسرا کہتا تھا شریعت کا پابند نہیں، ایسا دل کس کام کا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے یہ شخص ایک بزرگ تھا جو اپنے زمانے کے بہت سے بزرگوں سے محبت کرتا تھا، مگر اس کی باتوں میں پھکڑ پن زیادہ ہوتا تھا۔

رسوانہ ہو خدا کے لئے

فقیر نے اپنے زمانے کے شاعر گلشن (سعد اللہ گلشن دہلوی) سے سنا ہے، کہ سلوک کے ابتدائی ایام میں ایک دن میں اپنا منہ کالا کر کے کوچہ و بازار میں پھرنے لگا، جب محلہ فیروز آباد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت شیخ تشریف فرما ہیں انکی خدمت میں حاضر ہوا اور جوتیوں میں جا بیٹھا۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس طرح رسوائی کے خطرات مول لیتے ہیں اور لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ خدا کیلئے کر رہے ہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ اولیا کی مجلس میں آتے ہوئے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان زندہ دل لوگوں پر ان کے سارے بھید آشکارا ہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: فوراً چلے جاؤ! یہ سن کر میں بہت شرمندہ ہوا اور اپنے دل کے خیالات کی قباحت بھی محسوس کی۔

چند تصرفات

سننے میں آیا ہے کہ حضرت شیخ کو بچپن میں جب پالنے میں سلاتے تھے تو بغیر ہلائے آپ کا پالنے ہلتا رہتا تھا، یہ دیکھ کر لوگ تعجب کرتے تھے، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ عبداللہ نامی ایک جن آپ سے علم و معرفت کی تعلیم حاصل کرتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا ہے اس کے تمام احوال و افعال مجھ پر روشن کر دیئے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک منکر میرے پاس آیا اور مشائخ کا انکار کرنے لگا، میں نے اس سے کہا کہ اے کتے! تو انہیں کیا جانے؟ اس نے غصہ میں اپنی تلوار نکالی اور مجھ پر حملہ کرنا چاہا، میں نے اس پر اپنے قہر و غضب کا تصرف ڈالا تو اسکو آگ نظر آئی وہ جل کر راکھ ہونے ہی والا تھا کہ اس نے توبہ کی اور میں نے اسے ہلاکت سے بچالیا۔

یہ بھی سنا ہے کہ مسجد میں نماز کیلئے ایک عورت کا جنازہ لایا گیا، تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کی

روح ابھی بدن سے جدا نہیں ہوئی، ایسی صورت میں اس پر نماز جائز نہیں، وارثوں نے اصرار کیا کہ یہ مرچکی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ نہیں مری، بالآخر اس کا منہ کھول کر دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ زندگی کے آثار باقی تھے، اسے واپس لے گئے، وہ دوسرے دن فوت ہوئی۔

سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک خادم کسی بری عادت میں مبتلا تھا، آپ نے اسے کئی بار اشاروں کنایوں میں تنبیہ فرمائی، مگر وہ نہ چونکا نہ اس عادت سے باز آیا، بالآخر حضرت نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا کہ تجھے بار بار اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہ کی، شاید تو سمجھتا ہے کہ تیرے کرتوتوں سے ہم بے خبر ہیں، قسم بخدا! اگر زمین کے نچلے حصہ میں رہنے والی کسی چیونٹی کے دل میں سو خیالات آئیں تو ان میں سے ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں، اور حق سبحانہ و تعالیٰ اسکے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے، یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کی۔

اللہ مجھے کھلاتا ہے

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن میں روزہ سے تھا کہ بھوک اور پیاس نے مجھے سخت تنگ کیا، اسی حالت میں ذکر کرتے ہوئے میں عالم مثال میں پہنچ گیا، میں نے وہاں دیکھا کہ ایک آدمی نے مجھے دودھ کا پیالہ دیا، اور میں نے وہ پی لیا، جب ہوش آیا تو اپنے منہ سے دودھ کے قطرے ٹپکتے ہوئے محسوس کئے، یہ دیکھ کر روزہ ٹوٹنے کا خوف پیدا ہوا تو دل میں الہام ہوا کہ یہ غذا تیرے اختیار کے بغیر محض اللہ کے ارادہ سے ملی تھی، اور یہ عالم شہادت (موجودہ دنیا) کی نہیں بلکہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

علم کا غرور

حافظ عنایت اللہ نے بیان کیا کہ ایک فارغ التحصیل عالم بحث و تکرار اور مذاکرے سے بہت دلچسپی رکھتا تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگا کہ میں اس شہر کے تمام بڑے بڑے علماء کو مغلوب کر

چکا ہوں، میں نے کہا کہ کبھی حضرت شیخ ابوالرضا محمد کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا ہے؟ کہنے لگا سنا ہے وہ عوام کو تفسیر حسینی پڑھ کر سناتے ہیں، اور اسی سے وعظ کہتے ہیں، وہ کوئی فضیلت والے نہیں ہیں، میں نے کہا ایسا مت کہو بلکہ ان کی زیارت کرو تا کہ ان کے علم کا کمال اور سیرت تم پر واضح ہو سکے، اگلے جمعہ کو وہ مجلس وعظ میں آیا اور اسکے دل میں یہ خیال گزرا کہ مناظرہ کرے، حضرت شیخ اس کے خیالات سے مطلع ہو گئے، اور تاثیر کے ذریعہ اس کا علم چھین لیا، یہاں تک کہ دوسرے علوم تو کیا خود صرف ونحو کا کوئی قاعدہ بھی اس کے حافظہ میں نہ رہا، اور آپ کا کلام سمجھنے سے بے بس ہو گیا، فوراً سمجھ گیا کہ یہ حالت حضرت شیخ کے تصرف سے واقع ہوئی ہے، شرمندہ ہوا توبہ کی اور خلوص کے ساتھ حضرت کی خدمت میں آہ وزاری کی، حضرت نے اسے سارا علم واپس کر دیا، اس نے نیاز مندی کا اظہار کیا۔

آپ نے فرمایا: میں عالم نہیں، تفسیر حسینی سے عوام کو نصیحت کرتا ہوں، یہ سن کر وہ اور عاجزی کرنے لگا کہ اپنی بات اور عقیدہ سے توبہ کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ سے بیعت ہو جاؤں، حضرت والا نے اسے بیعت میں قبول نہ فرمایا، کہ لکھی ہوئی تختیاں کسی کام نہیں آسکتیں۔

وہ اور تھے

رحمت اللہ کفش دوز نے بیان کیا کہ ایک موقع پر حضرت شیخ مسجد میں بیٹھے تھے اور میں ان کے سامنے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، آپ کی خدمت میں ایک شخص نے کہا کہ حضرت بائزید بسطامی بعض اوقات کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تو آپ کی نگاہ کی گرمی سے اسکی روح پرواز کر جاتی تھی، آج کل ہم مشائخ کا شور سنتے ہیں، مگر کسی کی باطنی قوت میں یہ تاثیر نہیں دیکھی۔

یہ سن کر حضرت شیخ نے جوش میں فرمایا: کہ بائزید رو حیں نکال تو لیتے تھے، مگر جسم میں واپس نہیں لوٹا سکتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کو اپنے قلب اطہر کے زیر سایہ ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ جب چاہوں کسی کی روح کھینچ لوں، اور جب چاہوں واپس لوٹا دوں۔

اسی وقت شیخ نے مجھ پر نظر کر کے میری روح کھینچ لی، میں اسی وقت زمین پر گر کر مر گیا، اور مجھے اس دنیا کا کوئی احساس نہیں رہا، ایسا لگا کہ میں بہت بڑے دریا میں ڈوب رہا ہوں، آپ نے سائل سے کہا کہ اسے دیکھو مردہ ہے یا زندہ، اس نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ مردہ ہے، فرمایا اسے مردہ ہی چھوڑ دوں یا زندہ کر دوں، کہنے لگا اگر زندہ ہو جائے تو یہ انتہائی رحمت ہوگی، آپ نے مجھ پر دوبارہ توجہ ڈالی تو میں زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔

لب ہلانے کی حاجت نہیں

حضرت شیخ کے معتقدین کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ آپ کی مجلسوں میں ہم لوگ تصوف و عرفان کے بارے میں زیادہ سوالات نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے سوالات دلوں میں لے کر بیٹھ جاتے تھے، جب بھی کسی کے دل میں کوئی سوال یا خیال پیدا ہوتا تو اس سے مطلع ہو کر فوراً جواب دیتے، اگر شک باقی رہتا تو دوبارہ جواب دیتے، یہاں تک کہ سائل مطمئن ہو جاتا۔

بھول گئے سب ابجد ہوز

سننے میں آیا ہے کہ محمد عاشق (۱) نے ملا یعقوب اور حضرت شیخ دونوں سے استفادہ کیا تھا، اور وہ مسئلہ توحید کے بارے میں مطمئن نہیں تھا، اس بارے میں ملا یعقوب کی باتیں آپ تک پہنچتا، اور آپ کی باتیں ملا یعقوب تک، جب یہ سلسلہ کافی دن تک چلا تو ایک دن ملا یعقوب نے کہا کہ میں ابھی جاتا ہوں اور آمنے سامنے گفتگو کر کے مسئلہ توحید کے بارے میں آپ کے نظریات کو باطل ثابت کرتا ہوں، لیکن وہ حضرت شیخ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا، لوگوں نے خاموشی کا سبب پوچھا، تو کہنے لگا جب میں آپ کی مجلس میں پہنچا تو میرے تمام علوم سلب ہو گئے، یہاں تک کہ میں اب پ بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔

ا واضح ہو کہ یہ محمد عاشق پھلتی یا میرٹھی نہیں، بلکہ کوئی غیر معروف شخص ہیں۔

حضرت شیخ ابوالرضا کے ملفوظات

زیارت نبی ﷺ

* فرمایا کہ میں ایک مرتبہ ذکر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں، جب میں نے آنکھ کھولی تو کچھ محسوس نہ ہوا، محسوس نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مجھے یہ دیدار عالم مثال میں کرایا گیا، اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا عالم شہادت سے تعلق رکھتا ہے۔

* فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت دیکھنے والوں کے اعتقاد و اعمال کے اعتبار سے کئی شکلوں میں ہوتی ہے، اگر کسی کا عقیدہ و عمل درست ہوتا ہے تو وہ آپ کو اچھی حالت میں دیکھتا ہے، ورنہ بری حالت میں، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک آئینہ کی طرح ہیں، ہر شخص کو اس میں اپنی شکل نظر آتی ہے، مثلاً بدعتی آنحضرت ﷺ کو ایک مریض کی شکل میں دیکھتا ہے، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ آپ ﷺ بدعتیوں کو دیکھ کر تکلیف محسوس کرتے ہیں، جبکہ صحیح مؤمن آپ کو جواں صورت اور انتہائی خوش و خرم شکل میں دیکھتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح اللہ رب العزت کو جب کوئی شخص حقیقت یا خواب میں دیکھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ شیشہ شکل و صورت کی قید میں آ گیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، چونکہ حق سبحانہ و تعالیٰ ہر قید سے پاک ہے، نہ اس کی کوئی صورت ہے، نہ ہیئت، بلکہ وہ تو جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ شکل و صورت دیکھنے والے کی خود پیدا کردہ ہیں۔

شیخ اکبر کی زیارت

فرمایا کہ شیخ اکبر محی الدین محمد بن عربی قدس سرہ کو ان چار راتوں میں مسلسل خواب میں دیکھتا رہا ہوں، اور ان کے عجیب مقامات اور ان کے پسندیدہ معارف کے نکتوں سے مطلع ہوتا رہا ہوں،

میں نے ان صحبتوں میں ان سے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا اسم کہتا رہی ہے جو اس کی ذات کے رعب و دبدبہ پر دلالت کرتا ہے، آپ نے فرمایا میں نے اس سے پہلے یہ اسم کہیں بھی نہیں سنا تھا۔

کاتب الحروف کے نزدیک ”کہر“ اپنے عربی معانوں میں استعمال کیا گیا ہے، ایک قرأت میں ”اما الیتیم فلا تقهر“ کی جگہ ”فلا تکهر“^۱ بھی پڑھا جاتا ہے، اور حدیث میں آتا ہے

:فوالله ما كهرني ولا ضر بني* (۲) خدا کی قسم اللہ کے رسول نے مجھ پر نہ غصہ کیا، اور نہ مارا۔

لفظ قہر کا مطلب ہے اپنی تمام مدد و اعانت سے ہاتھ کھینچ لینا، اور تباہی کے گہرے غاروں میں گرا دینا، لہذا اس تحقیق کی بنا پر کہر ہی مناسب رہیگا، کہ رعب و تصرف حق تعالیٰ کی ذات کا لازمی خاصہ ہے، لہذا اسم کہار کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر صحیح ہوگا، اور کہارۃ کا صیغہ اس اعتبار سے استعمال کیا جائیگا کہ اسے اختیار و تصرف کے معنی میں لیا جائے۔ واللہ اعلم

نورانی پہریدار

فرمایا: ایک دفعہ میں دعائیں مشغول تھا، کہ اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ میری طرف پیٹھ کر کے دروازہ پر کھڑا ہے، میں یہ دیکھ کر حیران ہوا، تو میرے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ فرشتہ ہے، جو اس دعاء کو پڑھنے میں تیری حفاظت کرتا ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ فرشتہ نے آپ کی طرف پیٹھ اس لئے کی ہوئی تھی کہ عالم ملکوت کا دروازہ دوسری طرف اور عالم ناسوت کا دروازہ دوسری جانب۔
فرمایا: میں نے لوح محفوظ میں لکھا ہوا دیکھا کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حسنات الابرا رسيات المقربين*

نیک لوگوں کی نیکیاں اللہ کے خاص بندوں کے حق میں گناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔

^۱ اغرائب القرآن و رغائب الفرقان - نظام الدین نیساپوری، تفسیر سورة الضحیٰ -

^۲ صحیح مسلم - (حدیث ۸۳۶) معاویہ بن حکم سلمیٰ کا بیان۔

فقیر (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے: اگرچہ جمہور علمائے محدثین نے اس حدیث کو سلف کا قول قرار دیا ہے، مگر حقیقت میں یہ حدیث صحیح ہے۔^۱

ایمان کی حدود

فرمایا: ایمان کی بھی ایک حد مقرر ہے، یعنی مؤمن جب اس حد تک پہنچتا ہے تو اس کا ایمان ہرگز سلب نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح اعمال کی بھی ایک حد مقرر ہے، جب اعمال اس حد تک پہنچتے ہیں تو وہ مردود قرار نہیں دیئے جاسکتے، اور ایمان کی کم سے کم حد یہ ہے کہ مؤمن اپنے سینہ میں ایمان کے نور کو بظاہر محسوس کرے، پھر فرمایا کہ ایک رات میں نے اپنے سینہ میں نور دیکھا، جو چراغ کی طرح چمک رہا تھا اسی نور کی روشنی میں میں نے اپنے گھر کا ساز و سامان اچھی طرح دیکھا، اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے الہام کیا کہ ایمان کا وہ کم سے کم درجہ جو میرے نزدیک مقبول ہے یہی ہے، اسے میں سلب نہیں کرتا، اس لئے کہ کفر و نفاق کے کچھ موٹے موٹے پردے اس قدر ایمان کے نور سے اٹھ جاتے ہیں۔

فقیر کے نزدیک ایمان کا نور طہارت کاملہ اور سچی اطاعت و فرمانبرداری کے نور سے عبارت ہے۔

خودی و بخودی کے بیچ

فرمایا: ایک دفعہ میں نے حقیقت میں دیکھا کہ میرا دایاں پاؤں شیخ بایزید بسطامی کے پاؤں سے اور میرا بایاں پاؤں پیروں کے پیر جنید بغدادی کے پاؤں سے باندھ دیا گیا ہے، اسی عالم میں میں نے دیکھا کہ شیخ بایزید بسطامی رحمہ اللہ تو غیبت کاملہ (فنائی اللہ) کے مقام پر ہیں، اور شیخ جنید رحمۃ اللہ علیہ ہوش و حواس کے ساتھ زمان و مکان پر حکمرانی کی حالت میں ہیں، اور میں نے اپنی حالت ان دونوں کے درمیان غیبت و حضور سے معمور پائی۔

^۱ یہ قول حضرت جنید بغدادی کا ہے، دیکھئے تفسیر بغوی۔

کاتب الحروف کے نزدیک یہ واقعہ ہر دو بزرگوں کے جذب و سلوک کے منازل پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ حضرت شیخ بسطامی اہل سکر (مدہوشی و بے خودی) سے تھے، اور شیخ جنید اہل صحو (باہوش) سے سکر کو جذبہ کے ساتھ اور صحو کو سلوک کے ساتھ قریبی تعلق ہے۔

اللہ کے نام

فرمایا: ایک مرتبہ میں اپنے اسماء و صفات کی طرف متوجہ ہوا تو ننانوے ناموں سے بھی زیادہ پائے، کچھ اور توجہ کی تو چار ہزار سے زیادہ پائے، پھر اور غور کیا تو اپنے اسماء و صفات کی کوئی حد نہ پائی، جب اس مقام پر پہنچا تو اس حالت میں اپنی ذات کو دیکھا کہ میں کائنات کو پیدا بھی کر رہا ہوں، اور مار بھی رہا ہوں، ولایت کبریٰ کے حامل لوگوں پر ایسی حالتیں اکثر گزرتی ہیں۔

کاتب الحروف کے نزدیک اسکا سبب یہ ہے کہ انسان کے وجود میں ہر صلاحیت موجود ہے، جسکے اندر اللہ تعالیٰ کا استحضار ہمہ وقت رہے، اور کائنات کی ہر نقل و حرکت پر اسکی گہری نظر ہو، نیز ذکر اللہ کی صفت بھی اس میں ہو، تو اسکی زبان سے اللہ رب العزت کے علوم و معارف ظاہر ہوتے رہیں گے، اور وہ اس استحضار کی بنا پر پوری کائنات کے پوشیدہ گوشوں کو دیکھتا رہے گا۔

اللہ والوں کی نیند

■ فرمایا میں بیس سال سے نہیں سویا، لیٹ جاتا ہوں چادر اوپر تان لیتا ہوں، لوگ سمجھتے ہیں میں سو رہا ہوں، کاتب الحروف کے نزدیک اس بات کا مطلب یہ ہے کہ نیند کے معنی غفلت اور ذہنی تعطل کے ہیں، اور آپ سے یہ دونوں چیزیں دور کر دی گئی تھیں۔

فرمایا کہ آدمی کی نجات بشرطیکہ عقیدہ درست ہو، انبیاء علیہم السلام کی تقلید و پیروی میں ہے، جیسا کہ معتدین اہل سنت کا مذہب ہے، علاوہ اس آدمی کے جسے کوئی صاحب کشف بعض عقائد و اعمال کی تفصیل اور تحقیق سے متنہ کر دے۔

صوفیاء اور فلاسفہ

فرمایا: صاحب تحقیق متکلمین یعنی فلاسفہ حقیقت ممکن اور حقیقت واجب کے درمیان فرق سے ایک ایسا معنی مراد لیتے ہیں جسے قبول کر لینے سے صوفیاء کی تحقیقات پر کوئی آنچ نہیں آتی، اور اگر اس پر خوب غور کیا جائے تو صوفیاء کرام اور فلاسفہ کے درمیان بہت ہی معمولی اختلاف ہے، فلاسفہ قدیم کے کلام کو صوفیاء کے حقائق پر محمول کرنا ممکن ہے۔

کاتب الحروف کے نزدیک صوفیاء کے علوم جمع و فرق کی باریکیوں پر مشتمل ہیں، جبکہ متکلمین و فلاسفہ کے علوم کا موضوع صرف فرق ہے، لہذا اسکو ہم اختلاف کا نام نہیں دے سکتے، بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ نے صرف چند چیزوں پر اکتفاء کیا اور بعض سے چشم پوشی کی۔

توحید کا عقیدہ

فرمایا: کہ عقیدہ توحید ایک ایسا عقیدہ ہے کہ انسان کا انگ اور کائنات کی ہر شے اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتی ہے، لہذا وہم و گمان میں گرفتار اور شکی لوگوں کی نا سمجھی اور بے غوری کے سبب عقیدہ توحید سے پھرنا نہیں چاہئے۔

مقام معلوم

فرمایا: کہ اگر انسان بری عادتوں سے بچے، اور اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کرے، تو یقیناً وہ فرشتہ بن جاتا ہے، لیکن کمال ولایت پر وہ فائز نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ”وما منا الا له مقام معلوم“ (الصفات ۱۶۴) (ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک درجہ مقرر ہے) اچھی عادات و اخلاق والا آدمی اللہ کی عنایات کا مستحق بن سکتا ہے، اور کرامات کا ظہور اس کی ذات سے ہو سکتا ہے، کیونکہ کرامات بری عادتوں سے بچنے اور اللہ کی اطاعت اختیار کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں، مگر ایسی کرامت والا شخص حقیقی ولایت سے

بہت دور ہے، کیونکہ یہ ابھی اپنے آپ میں مشغول ہے، اور ایسا آدمی جو صرف اپنے اوپر نظر رکھے، سالکین میں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟

کاتب الحروف کے نزدیک اس آیت کریمہ کی رو سے مقامات و مدارج محدود اور مقرر ہیں، لیکن ولایت خاصہ کے حامل کا مقام لامحدود ہے۔

بہترین مجاہدہ

فرمایا: کہ بہترین مجاہدہ و ریاضت یہ ہے کہ کھانے پینے میں اعتدال قائم رکھے، اور مستقل اللہ کی طرف متوجہ رہے، یہاں تک کہ یہ عمل عادت بن جائے۔

فرمایا: کہ جب دل کی حضوری (اللہ کا استحضار) حاصل ہو تو لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے یہ نعمت ختم نہیں ہوتی، ہاں البتہ تعلیم و تعلم اور باریک علوم میں مشغول ہو جائے تو دل کی حضوری میں ہلکی سی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

فرمایا: کہ جسے دل کی حضوری اتنی حاصل ہو جیسے آنکھ میں بصارت، تو اسے علوم و فنون سے کتنی ہی دل چسپی پیدا ہو جائے اس کے دل کی حضوری پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

شیخ عرشی

فرمایا: شیخ یاقوت حبشی کے عرشی کہلانے کی وجہ شاید یہ ہے کہ انہوں نے زمین و آسمان اور حدود و امکان سے گزر کر عرش وحدت (مقام وحدت) سے مستقل وابستگی حاصل کر لی تھی، ورنہ دل کا مستقل طور پر ہی سہی عرش کی طرف متوجہ ہونا کوئی کمال نہیں، کیونکہ اہل تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ اللہ اور عرش کے علاوہ تمام خیالات سے گزر جائے۔

کاتب الحروف کے نزدیک یہ بھی ہے کہ شیخ یاقوت کی نسبت عرش کی جانب اس وجہ سے نہیں کہ ان کے علم کی چاروں حدیں اللہ کا عرش ہے، کیونکہ یہ بات بھی ان کے کمال کی نفی کرتی

ہے، بلکہ آپ عرشی اس لئے کہلاتے ہیں کہ اللہ کی تجلی سے مشرف ہونے کے بعد وہ اور عرش ایک ہو کر رہ گئے، یعنی عرش بریں کی طرح ان کا وجود بھی اللہ کی انوار و تجلیات کا مظہر بن گیا۔

پاس انفاس

آپ اس مشہور شعر کے معنی میں فرمایا کرتے تھے:

اگر تو پاس داری پاس انفاس بسلطانی رسانندازیں پاس (۱)

اے سالک اگر تو پاس انفاس کی حفاظت کرے تو تجھے اسکی بدولت سلطنت حقیقی پر فائز کیا جائیگا۔ یعنی سالک کو چاہئے کہ ہر سانس میں اپنی توجہ جناب احدیت اور بارگاہ وحدہ لا شریک لہ کی ہی طرف رکھے، اور یہ مقام اس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سالک توحید کے بارے میں خوب غور و فکر کرے، یہاں تک کہ عالم امکان کے حجابات اتار کر حق سبحانہ کی ذات کا وہ قرب حاصل کر لے کہ مقام بقا پر فائز ہو اور بادشاہ کہلائے، نفی سے مقصود دوائی کے وہم کو دور کرنا ہے، اور یہ نعمت سالک کو وحدت کے سمندر میں ڈوب کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ کی رفاقت کا مشاہدہ

فرمایا کرتے تھے کہ بعض مشائخ کے نزدیک سلوک کی راہ میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ سالک ہر لمحہ اور حالت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کا مشاہدہ کائنات کی ہر چیز میں کرے، یعنی وہ یہ تصور کرے کہ اللہ رب العزت کے وجود کی شکلیں جو مختلف صورتوں میں دکھائی جا رہی ہیں، وہ سچ مچ نہیں بلکہ خیالی ہیں، کیونکہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ سالک تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھ کر احدیت کے مقام پر پہنچ جائے، اسی مقام سے سالک پر ذات باری تعالیٰ کے تمام راز ظاہر ہونے لگتے ہیں، ہاں اگر اس مقام پر سالک مایوسی اور رنج و غم کے آثار محسوس کرے گا تو یہ

۱ پاس انفاس ہر سانس اللہ کے ذکر کا ایک مخصوص طریقہ ہے، اس میں لا الہ کہتے ہوئے سانس خارج کرتے ہیں اور اللہ کہتے ہوئے اندر لوٹاتے ہیں، آہستہ آہستہ یہ ایک عادت اور غیر ارادی فعل بن جاتا ہے۔

کیفیت باقی نہ رہے گی، تاہم کائنات کی چیزوں میں اللہ کی رفاقت کا مطالعہ اس انداز سے کرتا رہے کہ ایک پھیلا ہوا نور نظر آ رہا ہے، جو ہر چیز سے اول ہے، اور مثالی صورتوں اور خیالی شکلوں سے تجاوز کر کے وہ نور ثابت شدہ حقیقت کی شکل میں نظر آ رہا ہے۔

کاتب الحروف کے نزدیک انا کے پردے (۱) میں احدیت کے سورج کا نظارہ دراصل جذب کے مقامات کی روح اور جان ہے، اور کائنات کی چیزوں میں اللہ کی رفاقت کا مشاہدہ سلوک کے مقامات کی نسبتوں میں سے ایک نسبت ہے۔

اپنی اپنی خصوصیات

فرمایا: لڑائی، جھگڑا، صلح پسندی، غصہ، اور اس قسم کی تمام انسانی خاصیتیں مختلف قوتوں کے آپس میں ملاپ سے پیدا ہوتی ہیں، سلوک اور ولایت کے مراتب انہی قوتوں کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتے ہیں، انسانی مزاج کی انہی طرح طرح کی قوتوں سے کام لینے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیج کر انسانوں کو شرعی قوانین کا پابند بنایا گیا، اس کے ثبوت میں کہا جاسکتا ہے کہ عارف بعض اوقات کڑوی، اور بدبودار چیزوں کو بھی خوب لذت اور خوشی سے استعمال کر لیتا ہے، اس وجہ سے کہ اس وقت وہ اپنے بعض انسانی قوی سے محروم ہو چکا ہوتا ہے۔

کاتب الحروف کے نزدیک قوی سے مراد طرح طرح کی مخلوق اور انسانوں کی استعداد اور کارکردگی کی قوتیں ہیں، مثلاً انسان کی صورت نوعی کے اندر بولنے، اونچے قد، اور خوب صورت چہرہ کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں، جب کہ گھوڑے کی صورت نوعی کے اندر ہنہانے، جھکے ہوئے قد، اور بالدار چہرے مہرے کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

اظہار لوگ سمجھتے ہیں کہ سالک خود کو معبود قرار دے رہا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ خود اور تمام کائنات کے نہ ہونے کا اعلان کر رہا ہے، اس کے نزدیک صرف ایک ذات باقی ہے، اسے وہ انا کہے، انت کہے یا ہو، ہے وہی ایک ذات۔

خدا شناسی

فرمایا: کہ خدا شناسی کی منزل کا پہلا قدم یہ ہے، کہ امکان کی دنیا کی تمام رکاوٹوں اور تمام قوتوں سے چھٹکارا پالیں، الصوفی ہو اللہ کا مطلب یہ ہے کہ جب ممکن اپنے وجود و امکان سے گرد و غبار جھاڑ دے گا تو حق تعالیٰ شانہ کے علاوہ اس میں کچھ باقی نہیں رہیگا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا وجود ہر چیز میں اس کی استعداد کے مطابق ظاہر ہوتا ہے، اور جو کچھ بھی سننے، دیکھنے اور ان جیسی دوسری تمام صفات سے ظاہر ہوتا ہے، وہ انکی صلاحیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے مقام پر جب کوئی مبتدی خود کو علیحدہ سمجھتے ہوئے نگاہ ڈالتا ہے تو وحدت میں شک کرنے لگتا ہے، اور جیسے ہی اسماء و صفات کے سایوں سے خود کو نکال لیتا ہے، تو تمام اعتراضات و خیالات دور ہو جاتے ہیں، حجابات کی قید سے آزاد شخص بغیر کسی صلاحیت کے باری تعالیٰ کی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔

بصارت و بصیرت میں فرق

فرمایا کہ بصارت (ظاہری بینائی) دراصل بصیرت روح (حقیقی بینائی کا اثر ہے) مگر بصارت مخصوص فاصلے اور جہتوں میں قید ہے، یہ فاصلہ نہ تو بہت زیادہ ہے، اور نہ بہت کم، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص ہرے رنگ کا چشمہ لگا لے تو اسے ہر دیکھنے والی چیز ہری نظر آئیگی، لیکن جب وہ بصیرت کا استعمال کرے گا تو یہی بصارت، بصیرت کے تابع ہو جائیگی، اور تمام قیود مسافت سے بری ہو جائیگی۔

لفظی جھگڑا

فرمایا: کہ معتزلہ اور شیعہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا دیدار ممکن نہیں، اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دیدار جہت کا تقاضہ کرتا ہے، جب کہ مکمل انکشاف حجابات کے اٹھنے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے،

اور اہل سنت بغیر کیفیت اور جہت کے دیدار کے قائل ہیں، اور اسی کو عین انکشاف مانتے ہیں، نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں میں لفظی نزاع کے علاوہ کوئی اختلاف نہیں۔ (۱)

رویت باری کی کیفیت

فرمایا کہ اہل اللہ کو دنیا میں وہ کچھ حاصل ہوتا ہے جو کہ دوسروں کو قیامت میں حاصل ہوگا، وہ ذات باری کو دنیا ہی میں کھلم کھلا اور تمام شکلوں سے پاک اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے قیامت کے دن دوسرے لوگ دیکھیں گے، یعنی اچکتی ہوئی بجلی کی صورت میں، اور ان میں سے بعض اس سے بھی زیادہ، اور کچھ تو مسلسل اللہ کا دیدار کرتے ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ”لم اعبد رباً لم ارہ“* (۲) میں اس معبود کی پرستش نہیں کرتا جسے دیکھتا نہ ہوں۔

بیعت کا مقصد

فرمایا: اللہ کے اولیاء کے سلسلے میں داخل ہونے کا مقصد یہ ہے، کہ عمل اور تسلیم کی عادت اس میں پیدا ہو جائے، جب تک کوئی ان کے مجاہدوں اور طور طریقوں کو نہ اپنائیگا، اولیاء کے سلسلے میں داخل نہیں ہوگا، ظاہراً چاہے کتنا بھی تعلق پیدا کر لے۔

اعتزله کے مطابق ظاہری بینائی محدود و مقید ہے، اور اللہ کا دیدار حدود و قیود کے اٹھنے پر ہی ہو سکتا ہے، بینائی کی حدود و قیود کا اٹھنا محال ہے، لہذا رویت باری بھی محال ہے۔

اہل سنت کا قول حقیقت کے زیادہ قریب ہے، روشنی کا دیدار اس کی واضح مثال ہے کہ روشنی بطور جسم کے تو دکھائی نہیں دیتی، لیکن بطور موجود ہونے کے وہ ہر صاحب بصارت کو نظر آتی ہے، اور اس کا یہ دکھائی دینا نہ جہت کا تقاضہ کرتا ہے نہ احاطہ کا، دیکھنے سورج کو دیکھنے کے لئے جہت اور احاطہ دونوں چاہئیں لیکن دھوپ کو بنا جہت اور احاطہ کے دیکھا جاتا ہے، حالانکہ وہ جسم سے پاک ہونے کی وجہ سے اس طرح نظر نہیں آتی کہ اس کا رنگ بتایا جاسکے یا وہ آنکھ کے سامنے دوسری چیزوں کے دیکھنے سے حجاب بن جائے، تمام حیوانات روشنی کی مدد سے دوسری چیزوں کو دیکھتے ہیں، فرق یہ ہے کہ وہ مادی روشنی کا احساس کرتے ہیں جبکہ ولی نور الہی کا ادراک کرتا ہے، اسی کا نام اس نے رویت باری رکھا ہے۔

۲ الانصاف، للباقلانی ۱/۳۷، روح البیان، لاسماعیل حقی، سورة المائدة۔

اللہ کی تجلی

فرمایا: کہ ہمارے زمانے کے عارفوں کا یہ حال ہے کہ انہیں باری تعالیٰ کی تجلی کی دولت حاصل نہیں، ورنہ وہ کبھی اپنی یا آل و اولاد کی خاطر سلاطین و امراء کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ کاتب الحروف یہ سمجھتا ہے کہ کبھی کبھی اللہ کی تجلی کا اطلاق اس کی ذات پر نہیں بلکہ اس کی دوسری صفات پر بھی ہوتا ہے، لہذا اس جگہ اللہ کی تجلی سے مراد باری تعالیٰ کے تصرفات سے واقف ہونا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ جب چاہے اور جس چیز کو جہاں چاہے ظاہر فرما سکتا ہے، اس سے عارف کو توکل علی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

سدراہ

فرمایا: راہ وصول کی سب سے بڑی رکاوٹ تعصب ہے، صوفیاء کا قول ہے کہ ”جب تک توجہ کا مرکز ایک نہ ہو تب تک نہ مرید فائدہ اٹھا سکتا ہے نہ شیخ فائدہ پہنچا سکتا ہے“ حضرت شیخ اس قول کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ توجہ کا مرکز ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یکسو ہو کر ایک ہی شیخ سے استفادہ کرے، کسی دوسرے شیخ کی طرف مائل نہ ہو، چاہے وہ غوث و قطب ہی کیوں نہ ہو، اور نہ ہی اس کو سب سے افضل جانے۔

فرمایا: کہ یہ بات عارف کے شایان شان نہیں کہ دوسرے عارف کے مرید کو اپنی طرف پھیر لے، اور اس کی توجہ اسکے اپنے شیخ سے ہٹا دے، اگر کوئی مرید خوب اصرار بھی کرے تب بھی اسے اس کے شیخ کے حوالہ کر دے، لیکن اگر اس کا شیخ کسی دوسرے شہر چلا جائے یا وفات پا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔

فرمایا: صحابہ کرام کا انکار یا ان کو برا کہنا ائمہ اہل بیت سے ثابت نہیں، بلکہ یہ ان پر افترا ہے۔ ابن عبد البر کا قول ہے کہ ”بعض تابعین اور تبع تابعین کی بعض صحابہ پر فضیلت جائز ہے“ اس

قول کی توجیہ میں فرماتے تھے: کہ روحانی صحبت کا اثر، جسمانی صحبت سے بڑھ کر ہوتا ہے۔
کاتب الحروف کہتا ہے کہ ابن عمامہ بھی صحابہ میں سے ہیں، اور انکی صحبت روحانی و مؤثر ہے۔

الفاظکے پجاری

فرمایا: میں نے عارفین و علماء کی ایک بہت بڑی محفل میں وحدت الوجود کا مسئلہ ثابت کر دکھایا،
متکلمین کے عقائد پر مبنی عبارات کے حوالے پیش کئے، اور عقلی و نقلی دلائل دیئے، مگر اس تمام
بحث کے دوران لفظ وحدت الوجود نہ بولا، انہوں نے یہ تمام دلیلیں قبول کر لی، گویا خلاصہ یہ نکلا
کہ الفاظ کے پجاری علماء کا تعصب زیادہ تر لفظوں سے ہوتا ہے۔

بے کمان کا تیر

فرمایا: کہ توحید کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ بغیر مجاہدہ اور ریاضت کے فائدہ نہیں
دیتا، کیونکہ کتابوں کا مطالعہ عملی مشق کے بغیر ایسا ہے جیسے تیر کو بغیر کمان کے چلایا جائے، بعض
اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان مسائل سے مطلوب کی تائید بھی ہو جاتی ہے۔

زمانے سے تیز گام

فرمایا کہ تمام زمانے میرے نزدیک لمحہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔
فرمایا کہ ایک روز میں نے وضو کرنا چاہا کہ اسی دوران مدہوشی طاری ہوئی، بعد میں میرے دل
میں یہ الہام ہوا کہ مدہوشی کی یہ مدت نو سو ہزار برس کے برابر تھی۔
کاتب الحروف کہتا ہے کہ طویل تر زمانوں کو ایک پل کی صورت میں پانے کا مطلب یہ ہے کہ
فنائیت حقیقت میں مل گئی، کیونکہ زمانہ فنا ہے، اور حقیقت اس سے الگ چیز ہے، اور ایک
ساعت کو طویل تر زمانوں کی صورت میں پانے کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ حرکت کی مقدار کو کہتے
ہیں، اور عالم مثال میں کوئی ایک ایسی حرکت موجود ہے، جو اس زمانے کی حرکت سے نہایت تیز

ہے، اگرچہ یہ حرکت ظاہر نہیں ہوتی، مگر بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے، اور عام حرکات سے تیز مقدار اس وقت ظاہر ہوتی ہے، جب لمبا زمانہ گزرے۔

فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی برا کام کرتے دیکھو تو جان لو کہ وہ جان بوجھ کر نہیں کر رہا ہے، لہذا اسے نصیحت کرو کیونکہ ”فان الذکرى تنفع المؤمنین* (یقیناً نصیحت مؤمنوں کیلئے نفع بخش ہوتی ہے) اور مؤمنوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں ایمان کا بلند مقام حاصل ہوتا ہے، شاید کہ نصیحت ان سو میں سے کسی ایک کو نفع پہنچائے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی پچی گم ہو جائے اور وہ اس کی تلاش میں ہر گلی اور بازار میں پکارتا پھرے، حالانکہ اس کی پچی ہر گلی اور ہر بازار میں نہیں ہے، اور اس کی خبر رکھنے والا ہزاروں میں سے کوئی ایک ہوگا۔ (۱)

کاتب الحروف کہتا ہے کہ پوری دنیا تقدیر کی رسی میں جکڑی ہوئی ہے، اگر کوئی فاسق ہے تو اس کا فسق اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے، نیک ہے تو اس کی نیکی اس کی تقدیر تھی، اور واجب بالآخر (خود بخود نہ ہونے والے ضروری امر) کی تکمیل کے لئے سبب کی ضرورت ہے، چونکہ مرشد کینصیحت اکثر لوگوں کی ہدایت کا سبب بنتی ہے، اس لئے معاشرے کی اصلاحی ضرورت رسولوں کی بعثت اور آسمانی کتابوں کا تقاضہ کرتی ہے، تاکہ عوام الناس راہ ہدایت پر آجائیں۔

مشاہدہ کی چاشنی

فرمایا کہ جب کسی کو مشاہدہ کا ذوق حاصل ہو جائے تو کوئی گناہ اس کے زوال کا سبب نہیں بن سکتا، کیونکہ لذت نیک و بدکار دونوں کو محبوب ہے، جبکہ گناہوں سے حفاظت اللہ تعالیٰ کی عنایت پر مبنی ہے۔ (بدکاری لذت کی رغبت کو ختم نہیں کرے گی، تو وہ اسے پانے کیلئے تائب ہو جائیگا۔)

اجب وہ آواز لگائیگا تو ہزاروں میں سے جو جانتا ہوگا سامنے آجائیگا، اسی طرح لوگوں کو نصیحت اور بھلائی کی بات بتانی چاہئے، جس میں بھی صلاحیت و استعداد ہوگی اس سے فائدہ حاصل کر لے گا۔

فریبِ نظر

فرمایا: کہ بایزید (حضرت کے ایک ہم عصر بزرگ) نے مجھ سے کہا کہ میں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوں، میں نے کہا: اے شیخ اسے دیکھنے والے تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: تو کیا دوست کو دوست سے احترام کرنا چاہئے؟ میں نے کہا: تو اس کا دشمن کون ہے؟ اس پر ان کا غصہ ختم ہو گیا کیونکہ وہ انصاف پسند تھے۔

جس سے جہنم لرزا ٹھے

فرمایا کہ ولی اس دنیا میں روحانی عناصر کے غلبہ کی وجہ سے آگ میں جلا یا جاتا ہے اور تلوار سے کاٹا جاتا ہے، مگر قیامت کے روز معاملہ اس کے برعکس ہوگا، کہ آگ بزبان حال پکارے گی:

جز یامؤمن فان نورک یطفئ لہبی^{۱*} ()

اے مؤمن جلدی گزر جا کہ تیرا نور میرے شعلوں کو ٹھنڈا کر رہا ہے *
مگر یہ مقام ان اہل کمال کا ہے، جن کے سامنے سے امکان کے پردے اٹھے ہوئے ہیں۔

صوفیاء کی مشقتیں

فرمایا کہ ایک عالم نے ایک اللہ والے سے سوال کیا کہ صوفی لوگ اتنے زبردست مجاہدے اور ریاضتیں کیوں کرتے ہیں؟ اللہ والے نے کہا: اگر تمہیں کہا جائے کہ ایسے مشقت کرو جس کے بدلے میں تمہیں سلطنت دی جائیگی یا بادشاہ تمہارا تابع و فرمانبردار ہو جائیگا، تو وہ تمام مشقتیں اور مشکلات تمہیں گوارا ہونگی کہ نہیں؟ اس نے کہا کہ ہر شخص بخوشی کرے گا۔

اللہ والے نے کہا اسی طرح ان مشقتوں اور مجاہدوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ذات دل کے اندر اپنی شان الوہیت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

^۱ تقول النار للمؤمن من یوم القیامة جز یامؤمن فقد أطفأ نورک لہبی، جامع الاحادیث ۲۰۹۲-۶۱۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اللہ والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوہ گر ہونے سے مراد صورت الہیہ کا دل میں قائم ہو جانا ہے، جس کی حقیقت اس وجود بابرکت کے نور کی تجلی اور جلوہ گری ہے، جو سالک کے نفس کا ہی ایک حصہ ہے۔

ہشیار باش

عین القضاة ہمدانی کا قول ہے جو بظاہر غیر شرعی ہے، کہ

اے پسر لا الہ الا اللہ خود از شرک خفی است آئندہ دار

چست شرک جلی رسول اللہ خویشتن را ازیں دو شرک بر آر

صاحبزادے، لا الہ الا اللہ تو خود شرک خفی ہے اور محمد رسول اللہ شرک جلی، اپنے آپ کو ان دونوں شرکوں سے بچا! (۱) حضرت شیخؒ نے اس شعر کی تاویل میں فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اور معبود کے لئے عابد کا ہونا ضروری ہے، لہذا اس میں دوئی کا تصور موجود ہے، جو کہ حقیقی شرک ہے، اور شرک خفی اس لئے کہا کہ عابد کا ذکر نہیں، اور محمد رسول اللہ کا معنی اس میں یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا ہے، بیشک رسول اللہ کا غیر ہے، تو یہ شرک جلی ہے، اور جب تجھے وحدت کی حقیقت معلوم ہو جائیگی اور اللہ کے غیر کو فرضی سمجھتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ کا مظہر سمجھے گا تو شرک کی تمام قسموں سے نجات پالے گا۔ (وحدت الوجود کے قائل حضرات حق تعالیٰ کے کسی کے وجود کو موجود نہیں مانتے۔)

لا الہ کا مطلب غیر کی نفی ہے، ہمدانی کہنا چاہتے ہیں کہ جب غیر ہے ہی نہیں تو نفی کا کیا کام، یعنی ان کی نگاہ میں غیر اللہ کو اتنی لفٹ بھی نہیں ملنی چاہئے کہ ان کی نفی کی جائے، سرے سے خارج ہیں، ذکر ہی نہ ہونا چاہئے، اور محمد رسول اللہ میں معنی ظاہر ہیں کہ آقا ﷺ کو بھی الوہیت میں دخیل نہیں سمجھنا چاہئے ورنہ یہ بھی شرک ہے، انکے نزدیک اللہ کے غیر کو موجود جانا ہی شرک ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ان ہی لوگوں کو زیبا ہے جو احدیت کے اس مقام پر فائز ہوں، عوام کو اس میں موشگافی نہ چاہئے، آگے واجب الوجود کی بحث میں یہ معاملہ مزید کھل جائے گا۔

عالم اور واجب الوجود

فرمایا کہ اگر عالم کا وجود مان لیا جائے تو حق تعالیٰ شانہ کا وجود کا عدم ماننا پڑیگا، اس لئے کہ عالم کے وجود کی صورت میں اگر یہ مانا جائے کہ باری تعالیٰ کا وجود عالم کے وجود سے خارج ہے، تو وہ محدود ہو گیا، جبکہ باری تعالیٰ محدود نہیں لامحدود ہے، اور اگر باری تعالیٰ کا وجود عالم کے وجود میں داخل مانا جائے تو حلول لازم آتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات حلول سے پاک ہے، اور اسی طرح ضروری ہے کہ ہر طرح سے عدم ممکنات کو باطل قرار دیا جائے، لہذا ثابت ہو گیا کہ علم فرضی چیزوں سے عبارت ہے، اور حقیقت وجود اور دوسرے لفظوں میں یوں کہئے وہ معدوم ہے، جو خود اپنی ذات میں قائم ہے۔

نہ کوئی اس میں نہ وہ کسی میں

فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۶۱ میں شیخ اکبر کے اس قول ”لا من العالم من اللہ“ کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ عالم کا وجود وہم کے درجہ میں ہے، جبکہ باری تعالیٰ کا وجود حقیقت ہے، ایک عارف کا قول ہے: الوجود فی الكل ساری والتعینات امور اعتباریة* باری تعالیٰ کا وجود تمام چیزوں میں جاری و ساری ہے، اور دکھنے والی چیزیں فرضی ہیں۔

لہذا عالم اللہ تعالیٰ سے دور کی چیز ہے، کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور عالم میں باہم تضاد ہے، ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جو ان دونوں میں مشترک ہو، اسکی مثال اس سراب کی سی ہے جو بھڑکتی دھوپ میں دور سے دریا دکھائی دیتا ہے، مگر پاس جانے پر اس کا نام و نشان نہیں ملتا، اسی طرح اللہ بزرگ و برتر کی یکتائی کا سورج عالم پر چمک رہا ہے، جس کے نتیجہ میں عالم وجود میں آیا، جسے حق تعالیٰ شانہ کی ذات کے ساتھ ایک مناسبت تو پیدا ہو گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ عالم خود اپنے آپ میں معدوم محض ہے سراب کی طرح۔

شیخ اکبر کا قول ہے: ما فی احد من اللہ شیئا“ (کسی میں اللہ کا وجود نہیں) حضرت شیخ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اکابرین طریقت کے نزدیک مسلم ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز موجود نہیں۔

کجا غیر کو غیر کو نفس غیر سوا اللہ واللہ مافی الوجود

کہاں غیر، کیسا غیر اور کیسا نفس غیر؟ اللہ کی قسم، اللہ کے سوا وجود میں کچھ ہے ہی نہیں۔ یہاں لفظ فی حلول پر دلالت کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی ذات ظاہر و باہر ہے، اور اس کی صفات کے مظاہر بھی، پس اس کی ذات و صفات کس طرح غیر میں حلول کرتی یا غیر سے متعلق ہو سکتی ہیں؟ جبکہ یہ دونی کو لازم ہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ میں اللہ نہیں، جیسا کہ اس کے سوا اس میں کوئی چیز نہیں، چنانچہ صوفیاء کا قول ہے:

”لیس فی ذاته سواہ ولا ذاته فی سواہ“

اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں، اور وہ نہ خود اپنے غیر میں موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں عبارتیں وحدت وجود کے بارے میں ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتی۔

پوشیدہ معانی

فرمایا: کہ کسی اللہ والے نے کہا کہ میرے لئے قرآن مجید سمندر اور آیات موجوں کی صورت میں ظاہر ہوئیں، میں ایک آیت پر غور کرنے لگا تو بے انتہا پوشیدہ معانی ظاہر ہوئے، میرے دل میں آیا کہ یہ ہے وہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا تھا، اس طرح میں نے عظمت قرآن کو جان لیا، جب کوئی ولی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے کسی دوسرے کے لئے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو اسے ایک دو آیت اسکی طلب کے حساب سے الہام کی جاتی ہیں۔

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کا وجود امکانی (۱) (مادی) صورتوں میں ظاہر ہوا تو اس کی لازمی صفات مادی پردوں میں گم ہو گئیں، جیسا کہ نشہ استعمال نہ کرنے والا کاریگر اچانک نشہ آور چیز استعمال کرنے سے اپنی کاریگری کی صفات سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

کاتب الحروف (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) کہتا ہے کہ جب ممکنہ صورتوں میں وجود ظاہر ہوتا ہے تو صفات کاملہ ظاہر نہیں ہوتیں۔ (۲)

آخری مقام

ایک صوفی کا قول ہے: ما بعد المقام الذی وصلناہ مقام* (یعنی جس مقام تک ہم پہنچے ہیں اس کے بعد کوئی مقام نہیں)، اور ایک دوسرے اللہ والے کا قول ہے: فوق کل مقام مقام مالا یتناہی* (ہر مقام کے اوپر ایک غیر متناہی مقام ہے)، حضرت شیخ دونوں قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پہلا قول اہل شہود کے لئے درست ہے، (جو تمام مراتب طے کرنے کے بعد ذات باری تعالیٰ کے حقیقی دیدار سے مشرف ہوں) جیسے شیخ بسطامی نے فرمایا:

اذلیس وراء عباد قریة والی ربک المنتھی*

جس طرح بندوں کے بعد کوئی بستی نہیں، اسی طرح تمہارے رب سے آگے کوئی مقام نہیں۔ اور دوسرے کی مراد اگر مظاہر اسماء کی سیر ہے جیسے ملائکہ، عالم مثال و ارواح، تو درست ہے، لیکن یہ کمال نہیں کیونکہ عارف ذات باری تعالیٰ تک رسائی کے بعد ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے، نام کے لئے ان چیزوں پر مقام کا لفظ بولا جاسکتا ہے، لیکن اگر عارف یہ سمجھتا

مادی دنیا کو امکان کہا گیا، اور اسکے موجودات کو ممکن، امکانی صورت سے مراد دکھائی دینے والی مادی چیزوں کی شکل میں ذات باری تعالیٰ کے وجود کا موجود ہونا ہے، جسے دوسرے لفظوں میں اس کی قدرت کے نام سے جانا جاتا ہے۔

۲ حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں صفات کاملہ کے اظہار کی حاجت ہی نہیں، کیونکہ یہاں تو صرف سالک کا دل رکھنا مقصود ہوتا ہے، جو صفات کے کامل مظاہرہ سے نہ صرف تعلق نہیں رکھتا بلکہ انسان اس کا متحمل بھی نہیں۔

ہے کہ ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کے بعد بھی غیر متناہی مقامات واقعی موجود ہوتے ہیں تو یہ اس کی بہت بڑی غلطی ہے۔ (۱)

وحدت کا غلبہ

شیخ فرید الدین عطار کا شعر ہے:

عشق رابا کافر ی خویشی بود کافر ی رامغز درویشی بود

عشق کی کافر ی کے ساتھ نسبت ہے، اور کافر ی کا حاصل درویشی ہے۔

حضرت شیخ نے فرمایا کہ کفر سے مراد نسب اور اضافتوں (کبیرہ گناہوں) سے اجتناب ہے۔ اسی طرح شیخ ابوبکر واسطی اور شیخ ابوسعید خرازی کے اس قول کی تشریح میں فرمایا:

اکثر العارفين حتى ابى يزيد ماتوا فى الوهم والظن*

اکثر عارفين نے یہاں تک کے ابو یزید نے بھی وہم و گمان میں یکسانیت روا نہیں رکھی۔

ولایت کبریٰ کی پہلی منزل یہ ہے کہ جہت و دوئی مٹ کر باری تعالیٰ تک رسائی ہو جائے۔

اکثر عارفين مع شیخ ابو یزید واقعی اس مقام پر فائز ہیں، مگر اس مقام شہود کے کئی مراتب اور منزلیں ہیں، بعض اوقات یہ شہود و جوہی صفات (جیسے علم) کی تجلی کی صورت میں ہوتا ہے، مگر اس صورت میں امکان (عالم) باقی رہتا ہے، اکثر عارفين پر اسی مرتبہ کا غلبہ تھا، اور یہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، بعض اوقات یہ شہود خالصتاً حق تعالیٰ شانہ کی تجلی کی صورت میں ہوتا ہے، جبکہ امکان باقی نہیں رہتا، اور یہ بالکل غلط ہے، یہی تجلی بجلی کی صورت میں نظر آتی ہے، جو اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتی، اور اس میں جسم کے حصے الگ الگ ہو جاتے ہیں، روح بدن سے بچھڑ جاتی

چونکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی کے بعد کوئی درجہ نہیں ہے لہذا معلوم ہوا کہ سالک نے جن چیزوں کو مقامات سمجھا تھا وہ مقامات نہ تھے، جس چیز کو وصول جانا تھا وہ وصول نہیں راستہ تھا۔ علامہ اقبال نے اس قول کی کیا خوب تفسیر کی ہے:

نگاہ شوق کی منزل یہ مہر و ماہ نہیں یہ جلوہ گاہ کے پردے ہیں جلوہ گاہ نہیں۔

ہے، جو اس طرح ذات حق کے شہود کو نہیں پالیتا وہ توحید کی حقیقت سے دور رہتا ہے، اور اس پر وحدت کا غلبہ نہیں ہونے پاتا، جیسے شہود کے کچھ مرتبے بائزید بسطامی پر غالب آگئے تھے، اور کچھ امکان بھی باقی تھا، جس کی وجہ سے یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا: سبحانی ما اعظم شانی * میری ذات پاک ہے، میری شان کتنی عظیم ہے!

اور یہ الفاظ اس شخص کے لئے مناسب نہیں جو مذکورہ طریقہ سے وحدت کی اصل تک پہنچا ہو۔

بسطامی کی زنار

واضح رہے کہ ما اعظم تعجب کا صیغہ ہے، اور اس مقام پر کوئی تعجب ہوتا ہی نہیں، وہ اس لئے کہ حق تعالیٰ کو اپنی عظمت و کبریائی پر کوئی تعجب نہیں، اور یہ جو کہتے ہیں کہ ایسا نعرہ لگانے کے بعد شیخ بسطامی نے زنار گلے میں ڈال کر بعد میں اسے کاٹ دیا اور کہا:

اللهم ان كنت قلت يو ما سبحانى ما اعظم شانى فكنت مجوسيا زنديقا وانا اقطع

زنارى واقول لا اله الا الله *

یا اللہ اگر میں نے کبھی سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں مجوسی و زندقہ تھا، اب میں اپنی زنار اتار کر پھینکتا ہوں، اور لا اله الا اللہ کا اقرار کرتا ہوں۔

حالانکہ قرینہ یہاں یہ ہے کہ ابھی ان کے یہاں امکان میں سے کچھ باقی تھا، اور آخر میں اس کی خبر ہوئی، اگر بعض صوفیاء یہ کہیں کہ ان کے مندرجہ بالا قول کا مطلب ہدایت و ارشاد تھا، تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ آئندہ اس کی تقلید میں کوئی ایسا نعرہ نہ لگائے۔

اپنا اپنا ظرف

ابن منصور کے بارے میں ابو سعید خزاز کی رائے یہ ہے:

كان او حد زمانه لم يكن فى عهد من الشرق الى الغرب مثله *

وہ اپنے زمانے کے بڑے موحد تھے، ان کے دور میں مشرق تا مغرب انکی ٹکر کا کوئی آدمی نہیں تھا۔

اسی وجہ سے ان پر توحید کا راز ایسا غالب آیا کہ وہ پیچھے نہ ہٹے، مگر مناسب بات تو یہ ہے کہ ابن منصور نے خود حقیقی توحید کے راز کو نہیں پایا تھا، کیونکہ وہ اپنے قول انا الحق پر ہمیشہ قائم رہے، جبکہ تجلی آسمان میں چمکتی بجلی کی طرح ہے۔ (اگر یہ تجلی ملتی تو تجلی ختم ہوتے ہی تائب ہو جاتے) اکثر عرفاء جو شہود کی کسی ایک قسم سے مشرف ہوئے اپنے آپ میں یہ سمجھتے رہے کہ انہیں شہود ذاتی حاصل ہو گیا ہے، حتیٰ کہ وہ اسی خیال میں دنیا سے چل بسے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ تجلی متجلی لہ (جس کو تجلی سے نوازا جائے) کی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہوتی ہے، اور جو چیز محدود کے لئے ہو و محمد وہی ہوتی ہے، واضح رہے اولیاء دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک وہ جن کی استعداد بے انتہا ہو، اور دوسرے وہ جن کی استعداد محدود ہو، ان دونوں میں فرق ہے، لہذا محدود صلاحیت والے ولی کے اندر معرفت کی انتہا یہ ہے کہ اس میں باری تعالیٰ کی صفات ظاہر ہوتی ہیں، ذات ظاہر نہیں ہوتی، اور یہ بھی ایک طرح کا امتزاج و اختلاط ہے، جیسا کہ ہر آئینہا جسم کو اپنی وسعت کے مطابق ظاہر کرتا ہے، لہذا زمین و آسمان ایک چھوٹے سے آئینہ میں آجاتے ہیں، لیکن اس آئینہ میں جیسے ہی رنگ یا سائز کی تبدیلی ہوگی، عکس بھی بدل جائیگا، معلوم یہ ہوا کہ ہر ایک تبدیلی رکاوٹ کا درجہ رکھتی ہے۔

تجھے دیکھنے کے بعد

فرمایا: اگر انا الحق کہنے والا امکان کے پردوں یعنی ہوش و حواس میں رہتا ہے تو وہ جھوٹا ہے، اور فرعونیت کے دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے، اور اگر اس کے امکان کی صورت حال مغلوب ہوگئی ہو تو وہ معذور ہے۔

اس مقام پر فرمایا کرتے تھے کہ بجلی کی صورت میں ظاہر ہونے والی تجلی باطل دعویٰ اور امکانی جہت سے بہت دور ہوتی ہے، سب جانتے ہیں کہ جب ایک شخص کوئی حسین و جمیل چیز دیکھتا ہے تو خود کو اور اپنی تمام تر صفات کو کھو بیٹھتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا جمال دیکھنے سے

مصر کی عورتیں اپنے حواس کھو بیٹھی تھیں، یہاں سے اندازہ کر لینا چاہئے کہ حقیقی جمال کے نظا
رے سے کیا حال واقع ہوتا ہوگا؟

من الظلمات الی النور

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ان الله خلق الخلق في ظلمة ثم رش عليهم من نوره* (۱)

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور کا چھڑکاؤ کیا۔

حضرت شیخ^۲ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اس نے مخلوق کو موجودہ
شکل و صورت میں اس طرح پیدا کیا کہ وہ نامعلوم تاریکی میں تھی، اس حالت میں انکا خارجی
وجود ناممکن تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر خارجی وجود کا نور ڈالا تو وہ تمام دکھنے والے جسم کی
صورت اختیار کر گئے، اس وجود کے ساتھ انہوں نے حق تعالیٰ شانہ کی ذات کو پہنچانا۔

منسوب ہے جو اس سے

فرماتے تھے کہ امکانی مراتب (قطبیت و غوثیت وغیرہ) کی طرف رغبت و توجہ خود کمال ہے
بشرطیکہ وہ اس اعتبار سے ہو کہ یہ ذات باری کے ساتھ منسلک ہیں، اس کو غفلت اس لئے کہا جاتا
ہے کہ یہ صفات واجبہ کی طرف توجہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک اسی
حالت (امکانی مرتبہ) میں فوت ہو جاتا ہے اور ذات باری تک نہیں پہنچ پاتا۔
اسے غفلت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی طرف راغب شخص دوسرے تمام لوازمات سے
کنارہ کر لیتا ہے، اور پھر مرنے کے بعد جب اپنے مقصود اور کمال کو نہیں حاصل کر پاتا تو اس
کی وجہ سے غم و تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

۱- إن الله خلق خلقه في ظلمة ثم ألقى عليهم من نوره فمن أصابه من ذلك النور اهتدى ومن أخطأه ضلّ فلذلك أقول

جَفَّ القلم على علم الله،* (جامع الاحادیث، ۶۸۳۰)

مطلق ہے وہ، اطلاق سے آزاد

فرماتے تھے کہ ذات باری اپنی وجوبی اور سلبی (۱) تمام صفات سے قطع نظر بھی اپنے آپ میں ذات بحت (خالص)، ذات سازج (اکمل) لائقین (جسکی کوئی سمت نہ ہو)، احدیت اور وجود مطلق کے نام سے موسوم ہے، اور مطلق کے معنی یہ ہیں کہ وہ ہر قسم کی قید اور اطلاق کی نسبت سے پاک ہے، اس معنی میں نہیں کہ وہ اطلاق کی قید میں مقید ہے۔ (۲)

ہر روپ میں جلوہ گر

صوفیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ذات بحت موجود ذہنی (خیالی) اور معقول محض ہے، (اس اعتبار سے وہ مقید و محدود ہوئی کیونکہ عقل میں سماگئی) اس سے مراد یہ ہے کہ ذات کے مظاہر چونکہ اسماء و صفات ہیں اور یہ مظاہر ذات کے لوازم ہیں، اس سے جدا نہیں کئے جاسکتے، اور ذات ان صفات و کمالات کے ساتھ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ (۳)

احدیت اور وحدت

ایک قول یہ ہے کہ احدیت پہلے ہے وحدت سے بھی اور وحدت کی تمام قابلیات (پہلے آنے والی چیزوں) سے بھی، یہاں احدیت سے مراد احدیت ذاتی ہے، جس میں کسی وجوبی یا سلبی صفت کا لحاظ نہیں، ایک قول اس کے برخلاف ہے اس میں کہا گیا ہے کہ احدیت وحدت کے بعد ہے، تو یہاں احدیت سے مراد احدیت صفاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام کی نفی کا لحاظ کیا گیا ہے، لہذا ان دونوں اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، احدیت ذات باری کے علاوہ کی

۱ جن صفات کا ذات باری میں ہونا ثابت ہو وہ وجوبی کہلاتی ہیں جیسے عالم ہونا عادل ہونا، اور جن صفات کا ذات باری میں موجود نہ ہونا ثابت ہے وہ سلبی کہلاتی ہیں جیسے ظلم اور جہل وغیرہ۔

۲ وہ اپنے آپ میں ایسا مکمل ہے کہ کسی صفت کا محتاج نہیں، مطلق ہے لیکن مطلق ہونے کا بھی پابند نہیں ہے۔

۳۔ یعنی یہاں ذات سے مراد عین ذات نہیں بلکہ مظاہر ذات ہیں جن کے معانی و مراد ذہن و عقل میں سما سکتے ہیں۔

نفی کو کہتے ہیں اور ذاتِ باری کے اثبات کو واحدیت کہتے ہیں، اور یہ وحدیت کمالات و جوہیہ (جو ذات سے الگ نہیں ہو سکتے، علم وغیرہ) اور امکانیہ دونوں کو شامل ہے، لفظ واجب کا اطلاق وجود مطلق کی تجلی پر صفات واجبہ مؤثرہ (عدل، ہدایت وغیرہ) کے اعتبار سے ہوتا ہے اور لفظ ممکن کا اطلاق صفات امکانیہ مؤثرہ (خلاقیت و رزاقیت وغیرہ) کے اعتبار سے۔

جاننا چاہئے کہ احدیت و وحدت میں پہلے اور بعد کی یہ بحث زمانے کے اعتبار سے نہیں جیسا کہ محبوب (بے پہنچ) لوگوں کا خیال ہے بلکہ یہ تقدیم و تاخیر رتبہ کے لحاظ سے ہے، اس کی مثال جیسا کہ زید ہے وہ زید بھی ہے، انسان بھی ہے، عالم بھی اور جولاہا بھی، سواگر اس کی تمام صفات کی نفی کر کے خالص اس کی ذات کو دیکھا جائے تو اسے خالص انسان کہا جائیگا اور اگر اس کی ان تمام صفات کا لحاظ رکھا جائے تو اسے صفات سے متصف انسان کہا جائیگا، پھر اس کی تمام صفات کی الگ الگ تفسیر بیان کی جائے تو علم کی صفت کے اعتبار سے وہ عالم ہے، پارچہ بانی کے لحاظ سے وہ پارچہ باف ہے اور ان تمام حالات میں زید واحد ہے اور اس کی صفات اس سے جدا نہیں اور اسماء کا یہ اختلاف عقل کے تعارف اور پہچان کی وجہ سے ہے اور ایک صفت کی دوسری صفت پر پہل رتبہ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ زمانے کے اعتبار سے، پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ خارج میں صرف ذات موجود ہے تو اس سے مراد یہ لی جائیگی کہ ذات خالص اپنے مظاہر و صفات میں بعینہ موجود ہے، کم عقلوں کے وہم کو دور کرنے کے لئے یہ بحث کی گئی ہے، جو ذات خالص کو علم سے باہر تصور کرتے ہیں، تعالیٰ اللہ عما یقولوا الظالمون علوا کبیرا۔

اسمائے الہی کا اطلاق

فرماتے تھے کہ جس نے سبحانی ما اعظم شانی یا انا الحق کہا تو غالباً غلبہ حال اور نگاہ سے صفات کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے کہا ورنہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق صرف اس پر جائز ہے جو تمام علوم کا عالم ہو اور یہ علم ان کہنے والوں میں نہیں پایا گیا، بلکہ ذات حق کے مظاہر میں سے کسی بھی ظہور

میں نہیں پایا گیا اور نہ ابد تک پایا جائیگا۔

کہتے ہیں کہ تجلی برقی اپنی صفات کے ساتھ دائم ہو جائے تو تمام معلومات کا احاطہ کر لیتی ہے، لیکن اس کا دوام ممکن ہی نہیں، کیونکہ روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور جسم پارہ پارہ و منتشر ہو جاتا ہے۔

خوب پردہ ہے کہ

فرمایا کہ کشف ذات، جس کا نام رؤیت ذات اور تجلی برقی ہے، اس جہان میں امکانات کے پردوں کے پوری طرح اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور جو یہ کہتا ہے کہ تجلی برقی اس جہان میں نہیں ہوتی، بلکہ موت کے بعد ہوتی ہے اور وہ بھی مطلق نہیں بلکہ صرف ایک اعتبار سے ہوتی ہے، تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام قسم کے پردوں سے چھٹکارا پالینا موت سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے:

او من کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نوراً* (الانعام ۱۲۲)

جو مردار تھا ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسے نور عطا کیا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات فقد قامت قیامتہ* (۱)

جو مر گیا تو اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی۔

لہذا دیدار حق کرنے والوں کے لئے قیامت قائم ہے، پس وہ ان حالات کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ قیامت میں دیکھیں گے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ”او من کان میتا الخ“ سے مراد یہ ہے کہ

”او من کان فانیارفع عنہ الحجة فاحیینہ ای ابقینا ہ لایری الا باللہ فلا یسمع الا بہ

۱ اذامات أحدکم فقد قامت قیامتہ، الخ (جامع الاحادیث، للسیوطی ۲۷۸)

وجلناله نور ايعنى التجلى البرقى الاى

جوفانى تھا ہم نے اس کے سامنے سے پردوں کو ہٹا دیا اور اسے بقا عطا کر دی، وہ اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے تو اپنے رب کی آنکھوں سے اور جب سنتا ہے تو اسی کے کانوں سے اور ہم نے اس کو نور یعنی تجلی برقی آنی (اچانک، یک بیک چمکنے والی) عطا کر دی۔

عشق کی آگ

ایک دن حضرت شیخؒ نے کسی مشہور صوفی کا نام لیکر فرمایا کہ وہ معشوقیت کے مقام پر فائز ہیں، اور میں اس مقام پر ہوں کہ عاشقیت و معشوقیت کو وہاں کوئی دخل نہیں۔

فرمایا کہ جو یہ کہتا ہے کہ عاشقی میں جولذت ہے وہ دوئی کے اٹھ جانے میں نہیں، غلط کہتا ہے، کیونکہ عاشق دوئی کے سبب عشق کی آگ میں جلتا رہتا ہے، اور ایسے میں وہ شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے، اگرچہ یہ مرتبہ حسنات الا برار کا ہے، مگر سینات المنقر بین میں شمار ہوتا ہے، جبکہ دوئی کے اٹھ جانے پر دیدار حق میں ایسی لذت ملتی ہے جو عاشقی کی لذت سے کہیں بلند ہوتی ہے۔

ذات باری تعالیٰ کا ظہور

حضرت شیخؒ نے فرمایا: جس کے سامنے سے پردے اٹھ گئے تو وہ اپنے پروردگار کو اپنی روح میں دیکھتا ہے، اور اسی کو کشف ذات یعنی ذات باری تعالیٰ کا ظہور کہتے ہیں، اور ایسے میں عارف ذات حق کی لامحدودیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ یہ صفات میں سے ہے۔

محدود و لامحدود

کاتب الحروف کہتا ہے کہ عارف کا علم حضوری (اللہ تعالیٰ کے سامنے موجودگی کا ادراک و احساس) لفظ انا کے ذریعہ حقیقت الحقائق (اللہ تعالیٰ) کی ذات سے جڑا ہوا ہے، لفظ انا (اور اس کا مراد یعنی خود عارف) محدود ہے، جبکہ حقیقت الحقائق لامحدود۔

توان دونوں میں تضاد نہیں ہے، کیونکہ انا کی تاثیر حقیقت الحقائق میں اس طرح ہے کہ وہ (ذات باری) ہر طرح کے اعتبارات میں اس (انا کے مراد) سے بری (الگ) ہے، اور محدود و لامحدود دونوں اعتبارات (علم کے باور کرائے ہوئے) ہیں۔

حدیث قدسی

فرمایا حدیث قدسی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جسے جبرئیل لاتے تھے، لیکن اسے قرآن میں داخل نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ کلام معجز نہیں، اور اس کے معنی محدود و مخصوص ہوتے ہیں، جبکہ قرآن مجید عام و خاص تمام کے لئے شفا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔

اہل قبر سے مدد کا مطلب

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اذا تحيرتم في الامور فاستعينوا باصحاب القبور*

جب تم دنیاوی امور میں حیران و پریشان ہو جاؤ تو قبر والوں سے مدد طلب کرو۔
حضرت شیخ[ؒ] نے حدیث بالا کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ یہاں استعانت میں احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد مردوں کے حالات کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا ہے، جو دنیاوی امور سے توجہ کو ہٹا دیتا ہے، اور پریشانی روزگار کو کم کر دیتا ہے۔

دنیا لاش سے بھی بری

رسول اللہ کا فرمان ہے: ان الدنيا اقبع من جيفة مننتنة* (دنیا گلی سڑی لاش سے بری ہے)
حضرت شیخ[ؒ] اس حدیث کی تشریح یوں فرماتے ہیں کہ دنیا حق کی جانب متوجہ ہونے میں رکاوٹ بنتی ہے، کیونکہ اس سے دل کا تعلق ہو جاتا ہے، جبکہ گلی سڑی لاش سے دل کو نفرت ہوتی ہے، اس لئے وہ رکاوٹ نہیں بنتی۔

سب سے جھوٹی بات

فرمایا کہ سب سے جھوٹی بات وہ ہے جو شریعت کے خلاف کہی جائے، اور جھوٹے افعال وہ ہیں جو شریعت کے خلاف کئے جائیں، اور جھوٹے احوال یہ ہیں کہ کوئی ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جائے، جبکہ سچا حال ایک ہی ہے، اور وہ شہود ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ تلو سے مراد یہاں صرف توحید کے راز کا ایک بار ظاہر ہونا، اور دوسری بار پوشیدہ ہونا ہے، یا یہ کہ ایک بار جو چیز ظاہر ہوتی ہے دوسری بار اس کے برعکس کوئی اور چیز سامنے آتی ہے۔

نہ بن ان جیسا

فرمایا: لمبی ٹوپی اور ریشمی پیٹی کمر سے باندھنا جسے ہندی میں سیلی کہتے ہیں، یہود و نصاریٰ کی علامات میں سے ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں سے ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا، بعد میں جاہل لوگوں نے اسے پسند کر کے اپنالیا۔

پردوں سے چھٹکارا

فرمایا: امکان کے پردے غفلت کی تاریکیوں سے عبارت ہیں، جن کی وجہ سے انسان شرک کا شکار ہوتا ہے، امکان کے پردوں کا تعلق کھانے پینے سونے اور ضروریات زندگی سے نہیں، بلکہ غصہ حسد بغض و نفرت اور تمام بری خصلتوں سے ہے، جو غفلت کو بڑھاتے ہیں، اور وجوب کے پردے صفات واجبیہ یعنی اخلاق حسنہ کو کہا جاتا ہے، سالک جب خدا کے فضل سے ان تمام امکانی پردوں سے چھٹکارا پالیتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی ذات کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے کوئی دیکھنے والا آفتاب کو دیکھتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ آسمانوں اور زیر آفتاب تمام اشیاء کے وجود کو دیکھتا ہے، اور یہ سب اشیاء آفتاب کا نظارہ کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتی، اسی طرح سالک

کے لئے حجابات و جوہیہ یعنی بندے کی ضروریات زندگی حق تعالیٰ شانہ کے مشاہدہ میں روڑا نہیں بنتی، اور بعض مخصوص اولیاء کے لئے تو حجابات و جوہیہ کو بھی برطرف کر دیا جاتا ہے۔

مشاہدہ سے محروم

فرمایا: مشاہدہ سے مراد دل کی ایسی توجہ ہے جو حقیقت الحقائق پر مرکوز ہو، چاہے ایک پل کے لئے ہی کیوں نہ ہو، اور جس نے ذات حق کو نہ پہچانا اور اس کے مظاہر کو نہ جانا تو وہ حق تعالیٰ شانہ کے مشاہدہ سے محروم ہے۔

مشاہدہ کی قسمیں

فرمایا کہ مشاہدہ کو عالم مثال و عالم ارواح کا سفر طے کرنے کی ضرورت نہیں، واضح رہے کہ شہود (اللہ کا استحضار و دیدار) دو طرح کا ہوتا ہے، ایک وہ جو محض جذبہ و شوق سے حاصل ہو جاتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ یہ شہود باقی رہے، دوسرا شہود یہ ہے جو سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس کی بقا کا اعتماد ہوتا ہے، چونکہ یہ عبور کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

عارف کا کمال

فرمایا: عارف کا کمال یہ ہے کہ وہ سرتاپا عشق ہو جائے، کیونکہ لفظ ”معشوق“ عشق سے نکلا ہے، اور اس جگہ یہ بھی فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو بھی عشق کا نام دیا جاتا ہے۔ اہل سلوک کا قول ہے کہ ”ریاضتوں کے سبب دل پستی سے بلندی پر آ جاتا ہے“۔

حضرت شیخؒ اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ دل کا پستی سے بلندی پر آنے کا مقصد یہ ہے کہ دل سفلیات (گھٹیا عادتوں) سے کنارہ کر کے علویات (عمدہ عادتوں) کی طرف مائل ہو جائے ورنہ دل کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے تو انسان کو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ نسیں دل کے ساتھ جڑی ہوئی ہوتی ہیں۔

علم اور حال

شیخ اکبرؒ کا قول ہے ”العلم اوسع من الحال“ (علم حال سے زیادہ وسیع ہے) اور ابو سعید کا قول اس کے برعکس ہے یعنی ”الحال اوسع من العلم“ (حال علم سے زیادہ وسیع ہے) ان دونوں اقوال کی تشریح حضرت شیخ یوں فرماتے ہیں علم کو وسیع تب مانا جائیگا جب وہ حال اور اس کے ساتھ ساتھ نفسانی کیفیات کو بھی شامل ہو جائے، اور یہ محال ہے کیونکہ حال خارجی موجودات کو مخصوص کیفیات میں معلوم کرتا ہے، غیر کی اس میں گنجائش نہیں (۱)، اور حال کو وسیع اس اعتبار سے کہا کہ حال اس قدر قوی ہوتا ہے کہ حال کی وجہ سے عجیب کیفیتیں اور طرح طرح کے علوم حاصل ہوتے ہیں، جو محض علم سے حاصل نہیں ہوتے۔ (۲)

فرمایا: جب باری تعالیٰ کا وجود کسی چیز پر غالب آجاتا ہے تو جو خوشبو، بدبو، لذت، تھکاوٹ، الم، راحت، ٹوٹ پھوٹ، اور جسمکی کاہلی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، وہ سالک کی استعداد اور احوال کے سبب ہوتے ہیں ورنہ نور بسیط تو ان کیفیات سے پاک ہوتا ہے۔

یہاں مزید فرمایا کہ میل اور اس کا مزہ و بود و نون صفتیں کھانے اور سونگھنے والے کی قوت ذائقہ و قوت شامہ کے حساب سے بری ہیں (فی ذاتہ بری نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں) کہ میل کی یہی صفتیں خنزیر اور کیڑے مکوڑوں کی قوت شامہ و ذائقہ کے لئے اچھی ہیں، کیونکہ خنزیر اور

حال تو تمام موجودات کو ذات واحد میں گم یا عدم مانتا ہے، لہذا اس میں غیر داخل نہیں ہو سکتا، جبکہ علم ان تمام چیزوں کی الگ الگ چھٹنی کرتا ہے، اور غیر کو غیر کے مقام پر رکھتا ہے، حضرت کا منشا یہ ہے کہ علم کی یہ حیثیت کہ وہ غیر کو بھی وجود کا درجہ دیتا اور اس کا احاطہ کرتا ہے، اسے محدود کر دیتی ہے، جب کہ حال لامحدود میں گم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

حال سے مراد وہ کیفیت ہے جو ریاضت و مجاہدے سے حاصل ہوتی ہے، جیسے غیبت، حضوری اور شہود وغیرہ، یہ بات یقیناً درست ہے کہ حال سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں وہ علم خالص سے نہیں ملتے، لیکن ایک بات یہاں اور جانی چاہئے وہ یہ کہ علم حجت ہوتا ہے جبکہ حال حجت نہیں ہوتا، اس اعتبار سے علم کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے، اگر کسی کو دونوں دولتیں حاصل ہو جائیں تو کیا کہنے! نور علی نور۔ واللہ اعلم

کیڑے مکوڑوں کی حالت میل کچیل سے بھی زیادہ خراب ہے، اور جہاں تک الم کا تعلق ہے تو وہ مزاج سے ناموافق چیز کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے، اور یہ کئی قسم کا ہوتا ہے، جیسے سانپوں کا زہر سانپ کے ڈسے ہوئے کو راس آتا ہے، جبکہ دوسرے کے لئے یہی زہر قاتل ثابت ہوتا ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا وجود ہر ذرہ میں یکساں طور پر جلوہ گر ہے، (لیکن کسی کو وہ راس آتا ہے کسی کو نہیں آتا، کیونکہ اس میں مطلوبہ صلاحیت نہیں ہوتی) اگر کوئی شخص کچھ دوائیاں اپنی زبان سے چکھے تو وہ مفید و مضر میں تمیز نہیں کر سکتا، (دوائی کا فائدہ یا نقصان اس کے ذائقہ پر منحصر نہیں ہوتا) اسی طرح اگر کوئی زمان و مکان کی بندشوں سے چھٹکارا حاصل کر لے تو کوئی چیز اس کے لئے مشکل نہیں رہتی۔

شراب کہ شیشہ؟

کسی قدیم شاعر کا قول ہے: رِق الزجاج ورقت الخمر* (۱)
یعنی مظاہر جو کہ بمنزلہ شیشے کے ہیں صاف شفاف ہیں، اور محبوب مستور یعنی نظروں سے اوجھل حق سبحانہ و تعالیٰ کی ذاتِ عالی بمنزلہ شراب کے ہے، وہ بھی انتہائی صاف و شفاف ہے، لہذا:
”فتشابہا وتشاکل الامر“ (تو دونوں ایک جیسے ہو گئے، کہ تمیز کرنا مشکل ہو گیا) صفائی و باریکی (لطافت) کے لحاظ سے ایک دوسرے کے رنگ میں یوں ظاہر ہوئے کہ لوگوں کی نظروں کے لئے مشکل آن پڑی، ”فکانما خمر لا قدح“ (جیسے شراب ہے شیشہ نہیں) گویا شراب ہے جو جم گئی ہے اور پیمانے کا وجود نہیں، ”وکانما قدح ولا خمر“ (گویا پیمانہ ہے شراب نہیں) اسی طرح کسی شاعر نے کہا ہے:

ان شئت قلت حق لا خلق.... وان شئت قلت خلق لا حق

اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ حق ہے خلق نہیں، اور یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ خلق ہے حق نہیں۔

۱. صاحب ابوالقاسم اسماعیل بن عباد الطالقانی (۳۲۶-۳۸۵ھ) کے اشعار ہیں۔ ۱۔ بجز العلوم

علم کی فضیلت

فرمایا: اللہ کی سب سے بڑی صفت ”علم“ ہے، حیات نہیں، کیونکہ ”حیات“ صفتِ علم کے بغیر عین موت ہے، جو حیات کو اللہ کی سب سے بڑی صفت گردانتے ہیں یہ ان کا اپنا گمان ہے، انہوں نے اسے اپنے اوپر قیاس کیا ہے، جبکہ موجود پر غائب کا قیاس بالکل باطل ہے۔ کاتب الحروف کہتا ہے انا کا علم حضوری ہوتا ہے، اور تحقق و تقرر (مستقل شے) کی طرح ہوتا ہے، اگر زائل ہو جائے تو زندگی زائل ہو جاتی ہے، جبکہ خود زندگی علم کے اعتبارات میں سے ایک اعتبار ہے، جبکہ اسے ان امور پر قیاس کیا جائے جو کہ موت و حیات کے قابل ہیں۔ (۱)

امردوں کا دیدار

کسی نے حضرت شیخ کی خدمت میں کسی صوفی کا یہ قول نقل کیا کہ ”اقرّب الطرق الی اللہ رؤیة الامار د* (اللہ تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ یہ ہے کہ نوعمر لڑکوں کا دیدار کیا جائے)۔ آپ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ شاید ان کی مراد یہ ہو کہ کائنات کی تمام اشیاء میں نوعمر لڑکوں کی شکل و شباب بہت مناسب ہوتی ہے، اور ان کی جانب نفس کا میلان بھی زیادہ ہوتا ہے، اس اعتبار سے نوعمر لڑکوں میں حق کا دیدار زیادہ آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اور جن مشائخ نے اسے برا جانا ہے ان کے پیشِ نظریہ خطرہ موجود تھا کہ نوعمر لڑکوں کو دیکھنے سے سالک عالم شہادت (موجودہ دنیا) ہی میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے، اور کئی دیگر آفات کے خدشہ کی بنا پر حقیقی خوبصورتی (دیدار حق) سے محروم رہ جاتا ہے۔

یہاں حضرت شیخ کچھ مسکرائے اور فرمایا: نوعمر لڑکوں میں خون ہی تو ہوتا ہے، جو حسن کی صورت میں نظر آتا ہے، اگر ان کا خون نکال دیا جائے تو کوئی ان کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے، اہل

۱ علم نے فرض کر لیا ہے کہ یہ زندگی ہے، اور یہ موت، اگر علم ختم ہو جائے تو پھر کہاں زندگی اور کہاں موت؟

شہود (دیدار حق کا مشاہدہ کرنے والے) کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عینک لگا کر پڑھے، اسکی توجہ عینک کی طرف بالکل نہیں ہوتی، مگر ساری کتاب کو اس سے ہی دیکھتا ہے، لیکن اگر عینک کے آگے کوئی پردہ آجائے، یا کوئی ہاتھ رکھ دے تو توجہ عینک کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔

عارف کی نظر

اہل شہود خوبصورت عورتوں، حوروں، اور نوعمر خوبصورت لڑکوں کی طرف مائل نہیں ہوتے، کیونکہ ان کی نظر ان سے کہیں آگے مقصودِ حقیقی اللہ جل جلالہ پر ٹکی ہوتی ہے، حقیقت ناشناس (ڈھونگی) حسین عورتوں کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے، لیکن بد صورت سے پہلو تہی کرتا ہے، جبکہ عارف کی نظر میں دونوں برابر ہیں، اسی طرح اہل شہود سرود کے سننے سے بھی لذت حاصل نہیں کرتے، کیونکہ گانے والے کے منہ اور سننے والے کے کان کی درمیانی مسافت زیادہ سے زیادہ ایک یا دو تیر کی ہوتی ہے، اس سے زیادہ نہیں، چاہے گانے والے کی آواز تیز ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اہل شہود ان تمام سے بہت آگے اپنے حقیقی منتہا تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں۔

ولایت کی قسمیں

فرمایا: عام ولایت کے مختلف مراتب ہوتے ہیں، جیسے تقویٰ، ریاضت، اور اس شخص کا وحدت شہود جسے نہ اپنی ذات کا پتہ ہے، اور نہ کسی دوسری چیز کا، اسی طرح عاشقی اور معشوقیت عام ولایت کے خواص کے مقامات ہیں، خاص ولایت واحد بسط تک پہنچے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، انبیاء علیہم السلام کا شہود تو عاشقی و معشوقیت سے بہت بلند ہوتا ہے، مگر ان احادیث کے الفاظ سے راہ سلوک کے کچھ مبتدی حضرات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موسیٰؑ محب (عاشق) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت (اللہ کے معشوق) کے درجہ پر فائز تھے، حالانکہ حقیقت تو وہی ہے جو ابھی ذکر کی گئی ہے۔

ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم جامع صفات

فرمایا: کبھی تو لا الہ الا اللہ کا تکرار کرنے سے یا محض جذبہ الہی سے ہی وحدت شہود کا معنی حاصل ہو جاتا ہے، مگر اس کا کوئی اعتبار نہیں، عین القضاة ہمدانی کا قول ہے کہ:

”آں را کہ شما خدا میدانید نزدیک ما محمد است صلی اللہ علیہ وسلم و آنکہ شما محمد میدانید نزدیک ما خدا است“
جسے تم خدا کہتے ہو میرے نزدیک وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جسے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہو وہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ہے۔

اس قول کی تشریح میں فرمایا: چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ کا آئینہ اور اس کا کامل نمونہ ہیں، اور محمد کی ذات درحقیقت تعین اول (صفات باری تعالیٰ) اور تمام تعینات و مظاہر (کل مخلوقات) کی جامع ہے، اور تمام کا ظہور ان کے نور سے ہوا ہے، اس اعتبار سے عین القضاة ہمدانی نے بات کی، ورنہ اللہ تعالیٰ کا وجود تو ہر ذرہ میں برابر ہے، اور معنی کے ایک ہونے کے باوجود لفظ کا تکرار تو صرف گفتگو کی لذت کے لئے لفاظی ہے۔

فنا کا مطلب

فرمایا: نفس کا فنا یہ نہیں کہ اپنے نفس کا شعور نہ ہو بھلے ہی اللہ تعالیٰ سے بھی غفلت ہو، جیسے ایک قصائی گوشت کاٹنے یا نان بائی روٹیاں پکانے میں مصروف ہوتا ہے تو اس کی توجہ اپنی طرف نہیں ہوتی۔ (تو اس کی یہ لاشعوری فنا نہیں کہلائے گی)

برابر ہیں ناتوان و پہلواں

فرمایا کہ جو جذبہ شیخ کی توجہ سے حاصل ہوتا ہے، اس میں کمزور اور مضبوط دل دونوں برابر ہوتے ہیں، اور اس سلسلہ میں مزاج کی درستگی اور محنت کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ (شیخ اپنی توجہ فرمادے تو بنا محنت و مشقت سب منازل طے ہو جاتی ہیں۔)

غیب کی تختی

فرمایا: انسانی روح میں ایک قوت پوشیدہ ہے، جسے غیب کی تختی کہتے ہیں، جب نبی اس سے علوم حاصل کرتا ہے تو اسے وحی کے فرشتہ کی ضرورت نہیں رہتی، بعض متکلمین نے بھی اس کی یہی وضاحت کی ہے، جب ولی اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے بھی الہام کے فرشتہ کی حاجت نہیں رہتی، اور کبھی تو انسانی روح نیند کی حالت میں اس مقام تک پہنچ کر کسی چیز سے باخبر ہو جاتی ہے، اب جو خواب اس نے دیکھا ہے اگر وہ اس کو مناسبتاً نہ دے پائے تو اسے مجرد (معنی سے خالی) کشف کہتے ہیں، اور اگر کوئی مناسب صورت اس خیال کو مل جائے، تو اسے کشفِ مخیل کہتے ہیں اور یہ کشف تعبیر و تاویل کا محتاج ہے۔

مثلاً اس کا خیال علم میں مشغول ہو تو یہی خیال کوئی مشروب پینے کی صورت میں آیا، یا اسکی روح کو رمضان میں فجر کی اذان کا خیال آ گیا تو نظر آیا کہ گویا لوگوں کے کھانے پینے اور خواہشات پر مہر لگا دی گئی، کبھی سونے والے کی روح اس پوشیدہ قوت کے بغیر خیال کے عالم میں پہنچ جاتی ہے، تو خیالی چیزیں دکھائی دیتی ہیں، کبھی یہ شکلیں طبیعت کی پریشانی کی وجہ سے بھی ظاہر ہوتی ہیں، جیسے بلغمی مزاج آدمی سونے سے پہلے پانی پی لے، تو اسے بخارات دکھائی دیتے ہیں، اسی طرح گرم مزاج آدمی اگر بیگن کھالے تو اسے آگ دکھائی دیتی ہے، یہ تمام لایعنی قسم کے خواب ہیں، جن کی نہ کوئی تعبیر کی جاسکتی ہے، اور نہ ان کی طرف کوئی توجہ دینی چاہئے۔

تعبیر بتانے والے کو چاہئے کہ وقت کا لحاظ رکھے، مثلاً آدھی رات کا خواب ہے یا سحر کا؟ خواب بیان کرنے کا وقت، اور اس کے ساتھ ساتھ خواب دیکھنے والے کے حالات پر بھی نگاہ رکھے، کہ کہیں وہ مزاج کی برہمی کا شکار یا خوف زدہ تو نہیں، ان سب چیزوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے، بعض اوقات بلا کسی شرط کے اس بابرکت قوت تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے، جیسے کفار کے لئے احتیاط برتی جاتی ہے۔

جنوں کا سایہ

خوابوں کی تعبیر کا علم قرآن و سنت سے ثابت ہے، اس فن میں کئی مستند کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اور اس فن میں امام جعفر صادق علیہم السلام اور ابن سیرین جیسے بڑے بڑے امام گزرے ہیں، اگر خواب عقل کی کمزوری اور علوم و خیالات کے ازدحام کے سبب بھول بھی جائے تو فنِ تعبیر کے ماہرین اسے بیان کر لیتے ہیں، اسی ضمن میں حضرت شیخؒ نے یہ بھی فرمایا کہ نیند کی حالت میں کبھی کبھی انسان کی روح غیب کی خبریں جاننے کے لئے کچھ عرصہ کے لئے جسم سے جدا ہو جاتی ہے، تو اس کی واپسی کچھ مشکل ہو جاتی ہے، اور خواب دیکھنے والا بے چین ہونے لگتا ہے، تو لوگ کہتے ہیں کہ اس پر جنوں کا سایہ ہے۔

معیت سے پاک

فرمایا کہ کبھی تو مراقبہ میں اتنا ڈوب جاتا ہوں کہ اپنی بھی خبر نہیں رہتی، فرمایا کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت قرب، معیت، اور احاطے سے بری ہے، کیونکہ یہ چیزیں دوئی کا تقاضہ کرتی ہیں اور ایک طرح سے دوری کو ثابت کرتی ہیں، خدا تعالیٰ نے مبتدیوں کو سمجھانے کے لئے، جو اسے دور سمجھتے ہیں، عرش کی جہت بیان کی ہے، نیز فرمایا کہ قرب، معیت، اور احاطے سے مراد وہی ہے جو برف اور پانی میں موجود ہے، یعنی ان صورتوں میں اس کا ظہور ہے۔

نقصان کا تقاضہ

صوفیائے کرام کا قول ہے:

النقصان مقتضى استعداد الماهيات* (نقصان ماہیات کی استعداد کا تقاضہ کرتا ہے)

اس قول کی تشریح میں فرمایا: چونکہ ان مادوں کا مستقل وجود ہے، لہذا ان کے اندر اپنے وجود کے لئے حاجت کی استعداد کا ہونا ضروری ہے، اور اگر اس حاجت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے وجود

سے ہوتو ان ماہیات کے ساتھ احتیاج کا کوئی تعلق نہیں لہذا حقیقت میں کوئی نقصان نہیں ہوتا یہ صرف لوگوں کی نظر کا دھوکا ہے، (جب استعداد نہیں تو نقصان نہیں)

علوم کے مرتبے

فرمایا: علوم توحید کے مقابلہ میں تمام علوم بھوسی کے درجہ میں ہیں، اور علوم توحید آٹے کے درجہ میں، پھر علم توحید اور وصول (ذات باری تعالیٰ تک رسائی) و شہود (دیدارِ الہی) کی مثال ایسی ہے جیسے آٹا اور مغز، وصول سے پہلے علم توحید ہی میں مگن رہ جانے سے سالک ہرگز لذت یاب نہیں ہوتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ بیاہ رچانے والا بیاہ کے بعد چغمل خور کی باتوں پر کان نہیں دھرتا، صوفیاء کے اقوال کو بغیر تحقیق کے نقل کرنا ایسا ہے جیسے کہ ہمارے محلہ کا - ایک کہانیاں کہنے والا رات کو قصہ گھڑتا ہے، اور صبح لوگوں سے بیان کر دیتا ہے۔

انکار کی وجوہات

فرمایا کہ اللہ کے اولیاء کا انکار درج ذیل اسباب کی بنا پر ہوتا ہے:

پہلا سبب: - شرکت مکان: منکر اور ولی کا ایک ہی شہر یا محلہ کا ہونا۔

دوسرا سبب: شرکت زمان: دونوں کا ایک ہی زمانے میں ہونا۔

تیسرا سبب: شرکت نسبت: خاندان یا قبیلہ کا ایک ہونا۔

عبادت کی حقیقت

عوام زیادہ تر اس کے معتقد ہوتے ہیں جس کے پاس کئی خدام ہوتے ہیں، عبادت زیادہ کرتا ہے، چاہے یہ عبادت ریاکاری اور دکھلاوا ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اصول یہ ہے کہ شیخ کی عبادت کی حقیقت پر توجہ دی جانی چاہئے، حدیث میں آتا ہے ایک شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوش خبری دی، ایک صاحب ان کی ٹوہ میں لگ گئے، چھان بین کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ

بشارت یافتہ شخص زیادہ نوافل ادا نہیں کرتا، انہوں نے ان سے بشارت کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے جواب دیا: اگر زمین سے آسمان تک جواہرات اور درہم و دینار بھر جائیں اور میں اسکا مالک ہو جاؤں، پھر وہ تمام دولت تباہ ہو جائے، تو اسکا مجھے ذرہ برابر دکھ نہ ہو، کیونکہ اسکے ہونے سے مجھے کوئی خوشی بھی نہ تھی۔

درحقیقت مقصود تو یہ ہے کہ دل سے اللہ کا غیر نکل جائے، اگر یہ گوہر ہاتھ آجائے تو تھوڑی سی عبادت بھی انتہائی سود مند ثابت ہوتی ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ سچے طالب کوشیخ کی ظاہری عبادت پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔

مومن کی کھیتی

اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے:

”قلوب بنی آدم تلین فی الشتاء“^۱ (”بنی آدم کے دل سردیوں میں نرم پڑ جاتے ہیں“ حضرت شیخ^۲ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ سردی کے موسم میں انسانوں کے بدن باہر سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، اور اندر سے گرم ہو جاتے ہیں، جبکہ گرمی کے موسم میں معاملہ اس کا الٹا ہے، اور جب مادی قلب کی چربی پگھل جاتی ہے تو معنوی قلب صاف شفاف ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر فاقہ اور جہری ذکر کثرت سے کیا جائے تب بھی اس کی چربی پگھل جاتی ہے، جبکہ سیر ہو کر کھانا، غصہ و شہوت جیسے برے اخلاق پیدا کرتا ہے۔

۱ اقلوب ابن آدم تلین فی الشتاء، وذلك لأن الله تعالى خلق آدم من طين والطين يلين في الشتاء. حلیہ لابی نعیم،

بحوالہ کنز العمال - (۱۳۵۲۱)

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ حدیث ہے یا نہیں، امام ترمذی کتاب الصوم میں اسی مضمون کی ایک حدیث لائے ہیں، جس میں سردی کے موسم کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کے دن چھوٹے ہیں جس کی بنا پر روزہ آسان ہے، رات لمبی ہیں اس لئے قیام آسان ہے، امام ترمذی نے اس پر مرسل کا حکم لگایا ہے، اس کی سند میں دوراوی مجہول ہیں۔ واللہ اعلم

کرامت کیا ہے؟

فرمایا کہ اکثر خوارقِ عادات (عادت کے خلاف ظاہر ہونے والے امور، کرامات) کا ظہور صرف راہ دکھانا ہے، کیونکہ عارف کی اصل منزل توشہود و وصول ہی ہے، مگر جو اس حالت سے نکل آئے تو اس سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

جمالِ محبوب میں گم

فرمایا: عارف خاتمہ پر نظر نہیں رکھتا، کیونکہ یہ نقصان کے مترادف ہے، اگر ہزار بار بھی وہ یہ آواز سنے کہ ”ہم نے تمہیں بد بخت بنا دیا“ یا یہ سنے کہ ”تمہارا خاتمہ بالآخر نہ ہوگا“ اس طرح کی تمام باتوں پر توجہ دیکر وہ دیدارِ جمالِ محبوب کے نفع سے خود کو دور نہیں کرتا۔

فرمایا: ملائکہ اور جنات جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے نفس کی حقیقت جوں کی توں باقی رہتی ہے مثلاً جبرئیل علیہ السلام اپنی جگہ پر بھی قائم ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحیہ کلبی نامی صحابی کی صورت میں حاضر ہوتے ہیں۔

جنات کی قید

اگر عارف کسی جن کو قبضہ میں کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پورے عزم کے ساتھ اس کی شکل کی طرف متوجہ ہو، تو وہ جن اس شکل سے باہر نہیں آسکے گا الا یہ کہ وہ عارف کی توجہ منتشر کر دے مثلاً جن کتے کی صورت میں ظاہر ہو اور عارف کی توجہ اس کی اسی شکل پر جمی رہے، تو وہ جن اس صورت سے باہر نہیں جاسکتا، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کتے کی شکل پر بکری کی صورت کا حجاب ڈال لیتا ہے، اگر عارف اس حجاب والی صورت پر توجہ ڈال کر اسے بند کر دے اور دفعتاً اس کی توجہ کتے کی طرف مبذول ہو جائے کہ وہ کہاں گیا تو اس کی توجہ منتشر ہو جائیگی، اور جن کسی دوسرے روپ میں فرار ہو جائیگا۔

سورہ فاتحہ کی خاصیت

فرمایا: عارفین سے منقول ہے کہ سورہ فاتحہ کو ایک ہفتہ تک اکتیس مرتبہ روزانہ پڑھا جائے، اور پڑھنے کی صورت یہ ہو کہ بسم اللہ کے آخر کو الحمد کے ساتھ ملا کر ایک سانس میں مکمل سورہ پڑھے تو مقاصد حل ہو جاتے ہیں۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ

اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فوق کل ذی علم علیم“ کے بیان میں فرمایا کہ علیم مبالغہ کا صیغہ ہے، جس کا معنی ہے ”بہت زیادہ علم رکھنے والا“، اور وہ اللہ یزل کی ذات اقدس کے علاوہ کوئی اور نہیں، لہذا استثناء کی کوئی ضرورت نہیں ہے، معنی بالکل صحیح ہیں۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہاں ایک شبہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کہتے ہیں وحدت کے شہود سے بالا کوئی مقام اور علم نہیں، جبکہ آیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ ہر علم سے اوپر ایک علم ہے، اور یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے، اس شبہ کا ازالہ یہ ہے کہ یہاں ”توحید ذاتی“ کا استثناء مقدر ہے، (اللہ تعالیٰ کے علاوہ اہل علم مراد ہیں) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ علیم خدا کا نام ہے، اور وحدت کے شہود سے آگے توحید ذات باری ہے، اگرچہ بندے کے لئے مزید ترقی کی گنجائش نہیں۔ (اس صورت میں علیم سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں، کہ وہ ہر عالم سے اوپر ہیں)

شیخ جنید کے بعض اقوال کا مطلب

شیخ جنید کا قول ہے:

طارت العبارات، فنیت الاشارات، وما ينفعننا نوافل العبادات الاركعات

خفيفة صليناها في جوف الليل*

عبارتیں اڑ گئیں، اشارے فنا ہو گئے، اور ہمیں نقلی عبادت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، لیکن نصف

شب میں اٹھکر جو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھیں ان سے فائدہ پہنچا۔

اس عبارت کی تشریح میں فرمایا کہ ”طارت العبارات“ سے مراد ظاہری اعمال ہیں، اور ”فنیة الاشارات“ یعنی وہ جو کہ ظاہر سے خالی ہیں اور باطن سے متعلق ہیں، ”وما ینفعنا نوا فل العبادات“ یعنی مکمل فائدہ ظاہری نفلوں کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا، ”الارکعات خفیة صلینا ہانی جوف اللیل“ یعنی راحت و آرام کو ترک کر کے ہم نے محنت و مشقت اپنائی اور اس طرح ہمیں حق تعالیٰ کا وصال نصیب ہوا، خلاصہ یہ کہ زبانی عبارات و اشارات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے، بلکہ ضروری ہے کہ اللہ کی طرف پورے خشوع و خضوع کے ساتھ متوجہ ہو، خاص کر ایسے اوقات میں کہ کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو، اس کے نتیجہ میں حضور و مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ میں اس واقعہ کو ظاہر پر محمول کرتا ہوں، اگرچہ خشوع و خضوع خود اپنی جگہ بڑا کمال ہے لیکن ثواب و درجات تو طاعات (اعمالِ صالحہ) کا ثمرہ ہیں۔

روح الارواح

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: الروح ملک له سبعون الف و اجہ*

روح ایک ایسا فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں۔

حضرت شیخ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد روح الارواح ہو، کیونکہ وہ فرشتوں کا جوہر ہے، جسے بعض اوقات ملک کہہ دیا جاتا ہے۔ کاتب الحروف کہتا ہے کہ روح الارواح تجلی سے عبارت ہے، جو حظیرة القدس کی اصل ہے، اور تمام ارواح اس کے گرد جسم پر روشنی کی طرح ہیں، یا میں سمجھتا ہوں کہ روح الارواح سے مراد مثال نوع انسان ہے، کیونکہ تمام روحمیں اسی سے پھوٹی ہیں۔

اوأخرج ابن جریر بسند ضعيف عن علي بن أبي طالب قال: الروح ملك له سبعون ألف وجه..... الخ، (الجبائك

روح کے نام

لطائف ستہ کی تحقیق میں فرمایا کہ عبارتی اختلاف کی حیثیت سے روح کے بہت سے نام ہیں، لہذا ہر اعتبار ایک مستقل لطیفہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (دیکھئے صفحہ نمبر ۲۲۳ لطائف ستہ)

علی مرتضیٰ قاصد صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر خامس

ثعلبی کی حدیث جو کہ تفسیر میں وارد ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا:

اللهم اشرح لي صدري ويسر لي امري واجعل لي وزيراً من اهلي* (۱)

اے میرے رب میرا سینہ کھول دے، میرے معاملہ کو آسان فرما، اور میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر بنا۔

حضرت شیخ^۲ نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد ہے:

واجعل لي وزيراً خامساً* میرے لئے پانچواں وزیر بنا، کیونکہ شیخین سیدنا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دو فرشتہ جبریل و میکائیل علیہما السلام پہلے ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء تھے۔

علی کرم اللہ وجہہ کا قول

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے:

سئل ارایت ربک؟ قال ما کنت اعبدر بالم أره فقال السائل کیف رأیته فقال لم تره

العیون بمشاهدة العیان ولكن رأته القلوب بحقائق الايقان*^۲

یہ ایک طویل روایت کا ٹکڑا ہے، جسے ثعلبی نے اپنی تفسیر ”کشاف“ میں وارد کیا ہے، علمائے حدیث نے اس کو اہل روافص کی موضوعات میں شمار کیا ہے، اس کی کوئی اصلکتب حدیث میں موجود نہیں، البتہ اس روایت کے سلسلے میں شیخ نے جو تجویہ بیان فرمائی وہ بہت ہی زبردست ہے۔

۲ الانصاف للباقلانی، ص ۷۳ مش

حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: میں نے کبھی اللہ کو دیکھے بغیر عبادت ہی نہیں کی، اس پر سائل نے پوچھا آپ نے اسے کس طرح دیکھا؟ فرمایا: اسے کھلی آنکھوں نے تو کبھی نہیں دیکھا، لیکن اسے قلوب نے یقینی حقائق کے ساتھ دیکھا ہے۔

کاتب الحروف اس قول کے بارے میں کہتا ہے کہ اس توجیہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ یہ کلام دنیا میں مشاہدہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ پہلے ہی سے مقرر ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ آنکھیں جہت والوان کا تقاضہ کرتی ہیں، اس لئے کہ یہ مطلق آنکھیں نہیں ہیں، فرمایا کہ دنیاوی آنکھوں نے ذات حق کو نہیں دیکھا کیونکہ یہ جہت، الوان، اور شکل کا تقاضہ کرتی ہیں، بلکہ وہ تو حق الیقین کی صورت میں دیکھا گیا ہے۔

علم کی قسمیں

فرمایا کہ علم الیقین یہ ہے کہ دھواں دیکھنے کے بعد آگ کے وجود کا یقین کر لیا جائے، اور عین الیقین یہ ہے کہ آگ کو دیکھے، اور حق الیقین یہ کہ آگ کا علم بھی جانے۔ (آنچ محسوس کرے) اپنے نفس کا مشاہدہ عین الیقین میں داخل ہے، جبکہ حق الیقین میں وصول و شہود ہوتا ہے، کتابیں پڑھنے اور سننے سے اسرار کا جاننا عین الیقین نہیں، بلکہ علم الیقین ہے، حق الیقین یہ ہے کہ حجابات کو اس طرح کھول دے کہ ان پر غالب آجائے، اور شک کا نام و نشان بھینہ رہے، چنانچہ معروف یقین جو اطمینان قلب کا باعث ہوتا ہے، وہ ایسے امور سے حاصل ہو جاتا ہے۔

کرامت کا اظہار

صوفیاء کرام کا قول ہے کہ ”العارف لاہمۃ لہ“ یعنی عارف وہ ہے جس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا، اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف کرامت کے اظہار کا ارادہ نہیں رکھتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حکم پر نظر رکھتا ہے، گویا کرامت کے ظہور کے لئے عارف کے سامنے سوائے منشاء الہی کے کوئی چیز کاوٹ نہیں بنتی۔

قہر درویش

لیکن عارف کامل کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے کہ جب چاہے قہر و غضب کا مظاہرہ کر سکتا ہے، چنانچہ ایک بادشاہ کسی عارف کامل کے آستانے میں سوار داخل ہوا تو اسے کہا گیا کہ یہ آداب کے خلاف ہے، اس نے بڑے غرور سے جواب دیا: میں نے بہت سے فقراء دیکھے ہیں، کسی میں کچھ تاثیر نہیں، یہ سن کر عارف کو جلال آیا اور اس کی طرف غضبناک نگاہوں سے دیکھا اسی وقت گھوڑے نے سرکشی کی اور پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا، بادشاہ دھڑام سے نیچے گرا اور مر گیا۔

عارف نے کہا: میں نے یہ قدم اس لئے اٹھایا ہے تاکہ لوگ فقراء کو حقیر نہ جانیں، مگر بعض کا ملین تو اس طرح کی طاقت رکھنے کے باوجود بھی اس طرف توجہ نہیں دیتے، اس ضمن میں شیخ فرید الدین عطار، عین القضاة اور حسین ابن منصور کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تمام حضرات اللہ کی رضا پر راضی اور اس کی تقدیر پر خوش تھے، اور اس میں اپنا تصرف نہیں چاہتے تھے۔

جیسے شیخ عطار نے اپنے قاتل سے کہا: اے ترک زادے تو جس روپ میں بھی آئے میں تجھے خوب پہچانتا ہوں، یہ کہہ کر اپنا سرا سکہ سامنے جھکا دیا، ایسے حالات سے خوف زدہ ہونا ناقص ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ پستی کی حالت میں قہر کے مظاہر کا مقابلہ کرنا مشکل پڑ جاتا ہے۔

فرمایا: تجلی ذاتی میں موجود انوار کا خارجی وجود (عملی تجربہ) کے ساتھ مشاہدہ کرنا ضروری ہے، نہ کہ علمی، ذہنی اور وہمی طور پر، کاتب الحروف یہاں یہ وضاحت کر دینا چاہتا ہے کہ تجلی ذاتی سے مراد یہاں کمال تدلی (قرب کی انتہا، خود دل جس کا متلاشی ہو، ظاہر ہی کہ اس سے فطری انسیت ہوگی) کا ظہور ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اتفاق ہوا اور تجلی آگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ (۱)

حضرت موسیٰ چونکہ آگ کی ہی تلاش میں تھے، لہذا تجلی کے آگ کی صورت میں ظاہر ہونے سے قربت میں مزید زیادتی و انسیت پیدا ہوگئی، اور وہ ادھر کھنچے چلے گئے۔

بے فائدہ توحید

فرمایا: دلیل و کلام کی رو سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ فنا سے مراد غیر کی نفی ہے، اور بقاء عینیت (مشاہدہ) کے اثبات کا نام ہے، یہ بات اس شخص کی طرح ہے جس کے پانچ بیٹے تھے اور وہ خود تنہا سفر کر رہا تھا، کہ دو چوروں نے اسے گھیر لیا، اس نے اپنے بیٹوں کو مدد کے لئے پکارا کہ بیٹو آؤ! ان چوروں کو مجھ سے دور کرو، یہ اسکا حضورِ وہمی تھا، جو نہ اس کو چوروں سے چھڑا سکتا تھا، اور نہ ہی اسے خوف و ڈر سے نجات دے سکتا تھا۔

اگر کوئی شخص پانی کی حقیقت اور اس کے اوصاف یعنی پانی کی ٹھنڈک، بہاؤ، پیاس دور کرنے کی صلاحیت اور کپڑوں کو صاف کر دینے کی صفت کو سمجھ بھی لے تو اسکی پیاس ہرگز نہیں بجھ سکتی، یہاں تک کہ اسے پانی کا پینا میسر آجائے، اسی طرح اگر کسی کو مٹھائی کھانے کی طلب ہو مگر اسے کبھی دیکھانہ ہو تو ایسی صورت میں اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، چاہے وہ بیٹھے کی تمام کیفیات کو اچھی طرح جانتا ہو، بالکل اسی طرح جس نے صرف رسمی توحید پر اکتفا کیا اور شرکِ خفی کا اثر بدستور اس کے دل میں باقی رہا تو اس توحید سے اسے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا۔

مزید فرمایا کہ مذکورہ تجلی کے آثار وصولِ رسمی سے نہیں، بلکہ وصولِ حقیقی سے حاصل ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ حسین ابن منصورؑ کے ہاتھ کاٹے گئے، مگر وہ مسکراتے رہے ان کی ہر انگلی سے انا الحق کی صدا آتی رہی، دار پر کھینچا گیا تب بھی انا الحق پکارتے رہے، جلا دیا گیا تو راکھ کا ہر ذرہ انا الحق کی صدا بن گیا، تین دن بعد راکھ کو دریا برد کیا گیا تو وہاں بھی انا الحق کا آواز سنائی دیا، یہ اس لئے تھا کہ رسمی توحید پر اکتفا کی بجائے وہ توحیدِ حالی سے سرفراز ہوئے تھے، یہاں فرمایا کہ توحیدِ حالی کے آثار یہ ہوتے ہیں کہ توحید ذاتی میں ان انوار کے خارجی وجود کا ظہور ہوتا ہے:

(۱) نور ازلی کا دیدار، (۲) جو کچھ حسین ابن منصور سے ظاہر ہوا، (۳) توحیدِ صفاتی میں خشوع و خضوع، سرور و انس پایا جاتا ہے، اور (۴) توحیدِ افعال میں توکل اور مدح و ذم کا برابر ہونا۔

مجذوب اور سالک

فرمایا: مجذوبِ واصل سے کرامات اور کشف ظاہر نہیں ہوتے، کیونکہ وہ اللہ کی ذات میں اس قدر ڈوبا ہوتا ہے کہ کائنات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا، لیکن سالک کا معاملہ مختلف ہے، مجذوب کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو ہودج میں ڈال کر وادیوں اور راستوں سے ہوتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا جائے، پھر اگر اس سے کسی درمیانی بستی کے بارے میں معلوم کیا جائے تو وہ کچھ نہیں بتا سکے گا، جبکہ اسکے مقابلہ میں سالک اس راہ کے تمام مقامات اور ان کی تفصیلات سے پوری طرح باخبر ہوتا ہے، یہاں آپ نے مزید فرمایا کہ اگر مجذوبِ واصل کائنات کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا چاہے تو اسے سلوک اختیار کرنا چاہئے۔

اگر کوئی شخص اس مقام کا دعویٰ کرے تو اس سے ذات و صفات کی معرفت کے بارے میں پوچھنا چاہئے تاکہ حقیقتِ حال واضح ہو، ورنہ خانہ زاد مشائخ اپنی دکان چکانے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ کرامات تو معمولی چیز ہیں انکی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔

یہ بات عارفین و واصلین کے حق میں توجیح ہے، مگر ان جاہلوں کو تو ذات و صفات کی معرفت اور توحیدِ حالی کے آثار کا ذرہ برابر بھی علم نہیں، اس لئے ان کی اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے۔

موجودات و معقولات

شیخ محب اللہ الہ آبادی (۱) کے مسلک کے سلسلے میں فرمایا کہ انہوں نے ذات سے مبداء قائم بذاتہ اور مقدم بشیواناتہ (اپنے آپ میں قائم اور تمام موجودات سے مقدم ذات) مراد نہیں لیا، بلکہ ان کی مراد ماہیت ہے، جو کہ معقولاتِ ثانیہ (اللہ کے علاوہ) میں ہے، اسی طرح انہوں نے

۱ متوفی ۱۰۵۸ھ، ۱۶۴۸م، ابن عربی کے وحدت الوجود کے نظریہ کے زبردست حامی و مبلغ تھے، وحدت ادیان کے حامیوں کو موافقہ کیا، تنازع شخصیت بنے رہے، دینی حلقوں میں ہلچل اور بے چینی برپا کر ڈالی تھی۔

وجود کا مصدری معنی مراد لیا ہے، جو کہ کون (ہونا) و حصول ہے، اور ”تسویہ“ میں معقول کا جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ محسوس کی جگہ استعمال ہوا ہے، نہ کہ موجود کے مقابلہ میں، چنانچہ شیخ الرئیس نے شفاء میں لکھا ہے کہ لفظ معقول وجود کے منافی نہیں، اور ملا جلال دوانی نے تہذیب کے حاشیہ پر یہی بات نقل کی ہے، اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر ہم معقول کو موجود کا مقابل قرار دیں تو اس کا مطلق معدوم ہونا لازم آجائے، اور وہ لفظ جو موجود سے مخالف معنی کا حامل ہے۔

پس اگر وہ موجود ایسا ہے کہ اس کا وجود ذات سے الگ نہیں ہے، تو اس سے لازم نہیں آتا کہ معقول مطلق معدوم ہو، بلکہ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ موجود بنفسہ لنفسہ (خود بخود، اپنے آپ میں مکمل) ہے اور یہ اپنی جگہ درست ہے، کہ موجود کی تعریف یہی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ خود ان کی اصطلاح میں لفظ معقول موجود بنفسہ لنفسہ کے مقابل ہے، چنانچہ شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب صوم میں لفظ معقول استعمال کیا ہے، اور انہوں نے اس سے یہی معنی مراد لیا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے، لفظ معقول اگرچہ صوفیاء کی اصطلاح میں موجود بنفسہ لنفسہ کے لئے وضع کیا گیا ہے، اس کے باوجود یہ موجود من غیر مدخلۃ الی غیر (۱) ہے، اور حضرت محب اللہ قدس سرہ نے تسویہ میں شیخ اکبر کی اتباع میں معقول کا لفظ استعمال کیا ہے، اور یہ عبارت شاہ عنایت اللہ اکبر آبادی کی ہے، جو میں نے شبہ کے ازالہ کے لئے نقل کی ہے۔

امعنی کے اعتبار سے تو فرق نہ ہوا کہ دونوں میں وجود بنفسہ کے معنی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ معقول (عقل جس کا اقرار کرے) میں یہ معنی سلبی طور پر پائے جا رہے ہیں، جیسے لالہ میں جو معنی سلبی طور پر ہیں، الا اللہ میں وہی معنی ایجابی طور پر پائے جاتے ہیں، لہذا مذکورہ تفسیر کے مطابق اس کے معنی ہوئے ”ایسا وجود جسے ماننے اور قبول کرنے کے لئے کسی دوسرے لائق کی ضرورت نہیں“ جبکہ لفظ موجود میں یہ معنی ایجابی اعتبار سے پائے جاتے ہیں، تو اس کے لحاظ سے معنی ہونگے ایسی ذات جو اپنے آپ میں مکمل ہے، اپنی تعارف خود ہے، ہمیشہ موجود ہے، اس اعتبار سے نتیجہ، مفہوم اور مقصد دونوں جملوں کا ایک ہی ہے، لیکن تعبیر کا فرق ہے، شیخ محب اللہ کی مذکورہ بالا تفسیر ان میں سے ایک تعبیر کو اختیار کرتی ہے اور دوسری تعبیر کو ناپسند کرتی ہے۔ واللہ اعلم

وجود حق کا ثبوت

کما ان ذات زید هو الحيوان الناطق حيث لا وجود له الا في ضمن الافراد*
 جیسا کہ زید کی ذات حیوانِ ناطق ہے، کہ اس کا وجود صرف افراد کے ضمن میں موجود ہے۔
 نیز فرماتے ہیں:

افراد الانسان من زید و عمر و بکر و خالد ينتزع منهم ما به اشتراكهم وهو الحيوان
 الناطق الذي هو من المعقولات الثانية فكذلك ينتزع من الشیونات وجود الحق*
 جس طرح افراد یعنی زید و عمر و بکر اور خالد سے قدر مشترک یعنی نطق (بولنے) کو حاصل کیا جاتا ہے،
 جو کہ معقولاتِ ثانیہ میں سے ہے، اسی طرح شیوانات میں سے وجود حق کا اثبات کیا جاتا ہے۔ (۱)
 اور یہ صریح کفر ہے، کیونکہ مظاہر کا وجود تو خود قیوم حقیقی جل شانہ سے ہے، اور اسی طرح اس کا
 محتاج ہے جس طرح شمع سے بننے والی مصنوعی شکلیں و صورتیں اپنے وجود کے لئے شمع کی محتاج
 ہوتی ہیں، اور جو موجود و مشہود ہے وہ تو ذات حق جل شانہ ہے، اور مخلوق کی حیثیت طلسم معقول
 (جادو سے پیدا ہو جانے والے مصنوعی ہیولے جن کا حقیقی وجود کچھ نہیں) کی سی ہے، کیونکہ یہ
 عالم تو وجود (اللہ تعالیٰ) کے فانی اشکال و اطوار (فنا ہونے والے عارضی مظاہر) کا نام ہے، اور
 حق حضرت وجود کا نام ہے۔

اور یہ (کفر کا الزام) ان کے اس قول کی بنا پر ہے کہ حق معقول محض ہے، اگر اس سے مراد یہ
 ہے کہ عقل کی رسائی اس کی ذات کی حقیقت تک ہے، تو یہ بات غلط ہے، کیونکہ حقیقت واجب
 تک کسی عقل کی رسائی ممکن نہیں، اور اگر اس سے مراد معقولاتِ ثانیہ ہے جیسا کہ سیاق و سباق
 اس پر دلالت کر رہا ہے، تو یہ بھی صریح کفر ہے، جو کہ دہریوں (کمیونزم، مارکسواد) کے باطل

اشیوں سے وہ مظاہر و موجودات مراد لئے جاتے ہیں جو آنکھ سے تو نظر نہیں آتے لیکن ان کے وجود سے انکار ممکن نہیں،
 جیسے آگ، ہوا، روشنی اور روح جو ان میں سب سے زیادہ لطیف ہے۔

مذہب کی طرف جاتا ہے، (۱) اور اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو شیخ اکبر رحمہ اللہ نے لی ہے کہ ذاتِ حق صرف فرض کرنے کی حد تک معقول محض ہے، کیونکہ اسکے کمالات اور اسکے علم یقین سے خالی ہونا عقلی مفروضہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، اگرچہ مظاہرِ فانیہ میں موجود بھی حضرتِ حق ہی ہے، لیکن یہ تمام مظاہر اپنے وجود میں درحقیقت اسکے محتاج ہیں، اور ذاتِ حق حقیقت سے نسبت کے اعتبارات و معانی کے بھی محتاج ہیں، (۲) یا اسکا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ حق مجوہین کے احساس سے بلند و بالا ہے، تو یہ بات اپنی جگہ درست ہے، لیکن انکی تصریحات سے خود اس بات کی نفی ہوتی ہے، چنانچہ انکے خطبہ کے ابتدائی جملوں سے ہی احتیاجِ حق کا مفہوم نکلتا ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں ”الحمد لله لمن وجد بكل ما وجد“ یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو کائنات کی تمام موجودات میں موجود ہے، لیکن انہوں نے یوں نہیں کہا: ”الحمد لمن وجد به كل ما وجد“ یعنی تمام تعریفیں اس ذاتِ باری کے لئے ہیں کہ جس سے تمام موجودات کا وجود ہے۔ (۳)

حق بدلتا نہیں

فرمایا: حق اللہ کے وجود کا نام ہے، جو خارج میں موجود اور خود اپنی حقیقت کے ساتھ باقی ہے، جیسے پانی برتنوں کی شکلوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود اپنی اصلیت پر برقرار رہتا ہے، اور عالم، وجود کے اطوار، عادات اور فانی اشکال و صورتوں کا نام ہے، جو ایک صورت سے

۱ کیونکہ معقولات ثانیہ (بولنے، سمجھنے، علوم حاصل کرنے، یادداشت وغیرہ کی صلاحیتیں) ارتقائی ہوتی ہیں، تو یہ دہریوں کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ الہ کا تصور بھی ارتقاء و تدریج کے عمل سے گذر کر قائم ہوا ہے۔

۲ ان مظاہر میں حق کی موجودگی اسی معنی میں ہے کہ وہ مظاہر اس کے حکم و قوت کے محتاج ہیں، اپنے آپ میں کچھ نہیں، اس معنی میں نہیں کہ ان کے اجزائے ترکیبی میں حضرت حق کا کوئی عنصر مادی طور پر بھی شامل ہو۔

۳ پہلے جملے میں مشاہدہ حق کا بیان ہے، جبکہ دوسرے میں وحدۃ الوجود کی جھلکی۔

دوسری صورت میں بدلتی رہتی ہے، پس کفر و فسق اور نجاستیں وغیرہ اپنی ذات کی تعریف کے لحاظ سے کمالات ہیں، لیکن انکا وجود حق سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ عالم کے اوصاف میں سے ہیں۔ اگرچہ قیوم کل یعنی خالق حقیقی اللہ شانہ ہے، اس لئے کہ اگر وہ کفر و فسق کا خالق نہیں تو ان کا وجود کہاں سے آیا؟ اسی طرح پیدا ہونا اور پیدا کرنا بھی عالم کے اوصاف میں سے ہے، یعنی یہ بدلنے والی اشکال و صورتیں باری تعالیٰ کے وجود کے اوصاف میں سے نہیں۔

لہذا اس میں شک نہیں کہ اس کے تعینات و اوصاف (مظاہر) محض فرضی چیزیں ہیں، کیونکہ یہ سب ذات کے اعتبارات و اضافات (حکمی، طور پر اس کی ذات سے متعلق) ہیں، اور ذات ان تمام میں ظہور کے باوجود منزه ہے (کیونکہ ذات کا کوئی عنصر ان مظاہر میں شامل نہیں۔)

عارف و متعرف کا فرق

فرمایا کہ رسمی متعرف (معرفت کا ڈھونگی) کا کلام دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتا، جبکہ حقیقی عارف کا کلام مؤثر ہوتا ہے، اور عارف و متعرف کے نزاع کی مثال نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے کافروں کے ساتھ مباہلہ میں موجود ہے، متعرف عارف کے ساتھ گفتگو اور اس کا سامنا کرنے سے گھبراتا ہے۔ (۱)

جب اس سے محبت ہوتی ہے

فرمایا: مکاشفہ حجابات کے اٹھ جانے کا نام ہے، اور اس کی بنیاد محبت ذاتیہ (اللہ کی ذات سے بے پناہ محبت) ہے، عارف ایسے میں کائنات سے اس حد تک بیزار ہو جاتا ہے کہ دنیا کے بادشاہ اور امراء اسے کتے، خنزیر اور شیطان کے بھائی معلوم ہوتے ہیں، اس مقام پر اللہ تعالیٰ

اجب دو فریق کسی امر کے متعلق الگ الگ دعوے کریں تو انکے درمیان فیصلہ مباہلہ کے ذریعہ ہوگا مباہلہ یہ ہے کہ دونوں فریق اپنے اہل و عیال کو ساتھ لیکر جھوٹے پر لعنت کریں، اور جھوٹے ہونے کی صورت میں خود کے لئے موت کی دعا کریں۔ اس کی تفصیل کے لئے دیکھیں اسعد حمد کی ایسر التفاسیر، سورہ آل عمران، آیت ۶۱۔

دل میں محبتِ ذاتیہ کو بٹھا دیتا ہے، اور خلق سے نفرت، گوشہ نشینی اور شب بیداری فنا کے مبادیات (بنیادی امور) میں سے ہیں۔

چنانچہ اس مقام پر عارف خود فانی ہو کر باقی باللہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے، اس کے بعد کثرت، وحدت کے مشاہدہ سے نہیں ٹکراتی، اور جلوت بھی خلوت ہو جاتی ہے، نیند بیداری سے بدل جاتی ہے، اور آنکھیں عنایتِ ازلی کے سرمہ سے سرگیں ہو جاتی ہیں، اندھیروں میں بھٹکی ہوئی عقلذات و صفات اور اس کے مظاہر کو کیا جانے، جس کی آخری منزل صرف یہی ہے کہ مصنوعات کا صانع کامل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

ذات کا عکس

فرمایا: جاہل صوفیاء بلند مقام صوفیاء کی باتوں کا مفہوم نہیں جانتے، اور کہتے ہیں کہ مظاہر میں حق کے ظہور کی مثال ایسے ہے جیسے کائنات میں سورج کا ظہور، یا جیسے زید مختلف آسنوں میں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح ایک جزئی محدود کا تصور پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مظاہر سے جدا ہے، لیکن خدا تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، ہاں البتہ بعض اسلاف نے سلوک کے مبتدی حضرات کو سمجھانے کی خاطر ذات کے عکس یا سائے کی مثالیں دی ہیں، لیکن اس سے مراد مرتبہ ثانیہ میں شی کا ظہور ہے، اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے جیسے دیوار پر درخت کا سایہ، کیونکہ یہ درحقیقت ایک دوسری چیز ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔

مشہور شعر ہے:

چوں تو فانی شدی ز ذکر بذر ذکر خفیا کہ گفتہ اند آنت

جب تو ذکر کے ذریعہ ذکر میں فنا ہو گیا تو یہی ذکر خفی ہے۔

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: فانی کے لئے امکان کے پردے پوشیدہ ہوتے ہیں، لیکن وہ ذکر خفی سے کھل جاتے ہیں۔

اہل شہود

فرمایا کہ اہل شہود سانپ، بچھو، شیر اور چوروں سے نہیں ڈرتے، اسی بنا پر بعض بڑے صوفیاء نے خود کو آزما یا اور کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں بکثرت درندے پائے جاتے تھے، اور آب و دانے کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا، وہاں جب انہیں کسی طرح کا خوف و خطرہ لاحق نہ ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ کامل ہو گئے ہیں۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ درندوں وغیرہ سے ان صوفیاء کا نہ ڈرنا اس وقت ہوتا ہے، جب یہ بابرکت نفوس دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اللہ جل شانہ کے دیدار کی تجلیات میں ڈوب جاتے ہیں، ورنہ بعض حالات میں یہ لوگ عام انسانی خصوصیات سے الگ نہیں ہوتے۔

ایک مشہور غلطی

غوثِ اعظم سید عبدالقادر جیلانی (اللہ ان سے راضی ہو) کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کی مجلس میں انبیاء کرام اور اولیائے عظام تشریف لایا کرتے تھے، اس کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ روح کی حقیقت سے جڑے ہوئے تھے، جو کہ تمام کائنات میں جاری و ساری ہے، اسلئے آپ اسی مرکز و ہدایت کے سرچشمہ سے وعظ و تبلیغ فرمایا کرتے تھے، جہاں سے دوسرے اولیاء کرام یا انبیاء علیہم السلام فیضان حاصل کرتے ہیں، اس کو غلطی کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا کہ آپ کی مجلس میں انبیائے کرام تشریف لاتے تھے۔

تعوذ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ [النحل : 98]

اور جب تو قرآن پڑھے تو اللہ کے حضور شیطان مردود سے پناہ مانگ۔

اس کی تفسیر میں فرمایا کہ شیطان سے چھٹکارہ حاصل کر، اور اس کے شر سے دور رہ، اور یہ اس لئے کہ قرآن کی تلاوت کرتے وقت دل مالک حقیقی کے ساتھ لگا ہوا، دنیا و آخرت سے بے نیاز ہونا چاہئے، یہی تعوذ یعنی پناہ معتبر ہے، اگرچہ تعوذ کے الفاظ استعمال بھی نہ کئے جائیں۔

واپسی ممکن نہیں

خالد ابن سنان کا واقعہ ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ مرنے کے چالیس دن بعد انہیں قبر سے باہر نکالا جائے تاکہ وہ عالم برزخ کے بارے میں بتا سکیں۔

اس قصہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور عالم برزخ میں پہنچ گیا اس کا دوبارہ اس بدن ناسوتی (جس کو ٹکڑوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور پھاڑا دھیڑا جاسکتا ہے) میں آنا ممکن نہیں، البتہ اس کا مثالی بدن میں لوٹ آنا ممکن ہے، اس لئے کہ بدن مثالی بدن ناسوتی کی طرح قابل تقسیم نہیں، اور یہ روح کسی بھی شکل میں ظاہر ہو سکتی ہے، جیسے حضرت جبرئیل وحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی متشکل روہیں اور خضر علیہ السلام کا مشاہدہ وغیرہ یہ تمام عالم مثال کی نیرنگیاں ہیں، جب اس دنیا میں کامل نفوس مختلف اشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں، تو عالم برزخ میں تو یہ عمل بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے، کیونکہ عالم برزخ میں بدنی یعنی مادی حجابات کے اٹھ جانے کی وجہ سے ان کے اندر یہ قوت اور مضبوط ہو جاتی ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ خالد ابن سنان کی مراد بدن مثالی میں واپسی ہے، نا کہ بدن عنصری میں۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ قیامت سے پہلے اس دنیا میں روح کا بدن عنصری میں لوٹ آنا وہی رجعت (واپسی) ہے، جس کے باطل ہونے پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔

نیز ممکن ہے کہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہو، کیونکہ عارف ارواح کبیردلیات (معلقات، لٹکی ہوئی غیر واضح شکلوں) کو ان کی مثالی صورتوں میں لانے کے لئے اپنے مقام سے نزول کر سکتا ہے،

اور ان تدریجات کی مثال ان صورتوں کی طرح ہے جو نیند کی حالت میں خیال میں آ جاتی ہیں، چونکہ حضرت غوث الاعظم کو عالم ارواح میں مکمل قدرت حاصل تھی، اس لئے انبیاء و اولیاء کی تدریجات ارواح اپنے آپ مثالی وجود میں آپ پر اترتی تھیں۔

عبادت کا مقصد

فرمایا کہ بیس سال پہلے مجھے اللہ کی جانب سے یہ الہام ہوا کہ اگر تو میری رحمت کی امید پر نماز پڑھتا ہے تو تجھے رحمت سے نوازا دیا، اور اگر تو میری رضا چاہتا ہے تو میں تجھ سے راضی ہو گیا۔ میں نے عرض کیا: یا الہی! میرا مقصد تو صرف حکم کی بجا آوری ہے، لیکن اب تو معاملہ ہی اور ہے، یہاں آپ نے فرمایا:

الصوفية عبد الظواهر و احرار البواطن*

صوفیاء ظاہری احکام کے غلام اور دنیا کے باطن کے شہنشاہ ہیں۔

فرمایا کہ اصحاب شہود کو عبادت کی تکلیف و ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن اللہ تعالیٰ ان پر بندگی قائم رکھتا ہے، اور یہ پاک نفوس نفس سے بلکہ روح سے بھی نجات حاصل کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے زنا اور شراب جیسی برائیوں کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی، اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات پیش آ جائے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔

اہل شہود کی عبادت

صوفیاء کا قول ہے:

القيد كفرو لو كان بالله*

قید کفر ہے چاہے خدا کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت شیخ نے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ بندگی دوائی کا تقاضہ کرتی ہے، اور جہاں تک اہل شہود کی عبادت کا تعلق ہے تو ان کے مقام کی بلندی کے لحاظ سے ان کی عبادت

براہِ راست حق جل شانہ کی قوت اور قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے، لہذا بندگی میں عبادت کی قید صریح کفر ہے، چنانچہ اسی تاویل کی مثال صوفیاء کے اس قول میں بھی موجود ہے:

محبة الله رأس كل خطیة* (۱) اللہ کی محبت ہر خطا کی جڑ ہے۔

کیونکہ محبت محب و محبوب دونوں کا تقاضہ کرتی ہے، جو کہ دوئی ہے، اور یہی غلطی کی بنیاد ہے، لہذا جو ان تمام خطاؤں کی سرحد سے نکل گیا اسے اللہ کی محبت عطا ہوئی، اور جو اس سے بھی آگے نکل گیا وہ شہود کے مقام پر فائز ہو گیا۔

کاتب الحروف کے نزدیک اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادت تو عارف اور غیر عارف دونوں کرتے ہیں، مگر ان کے اخلاص کے مراتب میں فرق ہے، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ حضور حاصل ہو، ریا و شہرت و فخر کو چھوڑ دے، اس کے بعد کا مرتبہ یہ ہے کہ دوزخ کے خوف اور جنت کی چاہت سے بے نیاز ہو کر اللہ کی ذات سے محبت ہو، اس کے بعد وہ مقام ہے کہ جہاں عبادت عابد کی قوت و قدرت کے ساتھ نہیں بلکہ حق جل شانہ کی قوت و قدرت کے ساتھ عمل میں آتی ہے۔

ان تمام کے بعد وہ نازک ترین مرحلہ آتا ہے کہ جہاں عام سمجھ بوجھ کا گزر بھی نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ کی مراد عبادت کے مذکورہ مراتب کی طرف اشارہ کرنا ہے، انکی بات سے عبادت میں سستی کا کوئی مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (معاذ اللہ)

اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت شیخ شریعت کے اس قدر پابند تھے کہ آخر عمر تک ان سے کوئی سنت نبوی اور مستحسن و مستحب نہ چھوٹا، اور اس کا دوسرا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ظاہری اعمال کے مکلف نہیں، اور ان کا ادا کرنا ان کے اس امتیاز کے منافی نہیں،

ایہاں خطا سے مراد گناہ نہیں، بلکہ عشق و محبت کی در ماندگی اور محبوب حقیقی کے تعلق سے کی جانے والی تحقیقات ہیں، ان کو خطا اس معنی میں کہا گیا کہ اس ذات باری کے متعلق جو بھی تحقیق پیش کرتے ہیں، خود اس کو غلط قرار دیتے اور پھر نادام ہوتے ہیں، اس کے وجود، ذات اور صفات کی بحثیں، اس کے قرب و بعد کے معنی، یہ سب محبت کی بنا پر ہے۔

یہ تو اللہ کی فرض کردہ ہے، جس کو عملی جامہ پہنایا جائیگا، اس سے معلوم ہوا کہ خیریت سے انہوں نے وہ معنی مراد لئے جو انبیاء کرام میں اعلیٰ درجہ پر پائے جاتے ہیں۔

بال کی گنجائش نہیں

از نفی و اثبات پر ون صحرائے است کیں طائفہ رادراں میاں سودائے است
اے دوست چوں عاشق در آنجا برسد نہ نفی نہ اثبات نہ موراجائے است
نفی و اثبات سے آگے ایک صحرا ہے جس میں صوفیاء کا گروہ سرگرداں ہے، اے دوست جب عاشق کی رسائی اس مقام تک ہوتی ہے تو نفی و اثبات تو کیا ایک بال کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ پیر ہرات رحمہ اللہ کا قول ہے، حضرت شیخ اسکی تشریح یوں کرتے ہیں کہ اصل شہود یہ ہے کہ ثابت کا ثبوت اس طرح ہو کہ مثبت (ثابت کرنے والا) اور مثبت (جس کو ثابت کیا جائے) ایک ہو جائیں، اسی طرح عاشق و معشوق اور عشق بھی ایک ہو جائے، یہ وہ مقام ہے جہاں وصل کی جگہ نہیں، توجدائی کا کیا کام؟ اور اہل سلوک کے یہاں نفی دراصل غیریت کے تو ہم سے ہوتی ہے، جب یہ وہم اٹھ جائیگا تو منفی عین ثابت ہو جاتا ہے، اور ”نہ موراجائے است“ سے بسا ط (پھیلاؤ) اور اللہ جل شانہ کی صرافت (گھراؤ) کی طرف اشارہ ہے۔

وسعت کا مشاہدہ

حضرت خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی صوفی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ توحید کو چہ تنگ است (توحید ایک تنگ گلی ہے) اس کی تشریح میں فرمایا: جس وقت عارف کی نظر سے تمام چیزیں پوشیدہ ہو جاتی ہیں، اور صرف وحدت ذات اسے نظر آتی ہے، تو اس دوران کو چہ توحید ایک تنگ گلی ہو جاتی ہے، لیکن بقا کے بعد جب وحدت میں اسماء و صفات کی کثرت کا مطالعہ میسر آتا ہے تو اس مقام پر وہ عظیم وسعت کا مشاہدہ کرتا ہے، پوری بات کا خلاصہ یہ ہے صرف وحدت پر اکتفا کر لینا کمال نہیں، بلکہ توحید کا کمال تو عین وحدت میں کثرت کا نظارہ ہے۔

وہ آپ ہی پہچان ہے

کسی صوتی کا قول ہے: حقیقة الواجب اظهر الاشياء*

(واجب کی حقیقت تمام چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے) اور اسی طرح کا ایک قول ہے:

حقیقة الواجب لا یدر کہ احد* (واجب کی حقیقت کو کوئی نہیں پاسکتا۔)

دونوں اقوال کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں واجب کی حقیقت کا تمام چیزوں سے زیادہ ظاہر ہونا اس اعتبار سے ہے کہ مظاہر میں جو وجود موجود ہے وہی وجود حق (اللہ جل شانہ کا وجود) ہے، اور اللہ تعالیٰ کا وجود تمام میں جاری و ساری ہے، اور دیگر تمام امور کا تعین فرضی ہے، اور اس کا ادراک نہیں کر سکتا (لا یدر کہ احد) اس اعتبار سے ہے کہ مخلوق، ترتیب دی گئی مخلوقیت میں اللہ کی ذات تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی، نہ نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کے ذریعہ اس تک پہنچ سکتا ہے، اور نہ زاہد اپنے زہد اور عالم اپنے علم کے بل بوتے پر اسے پاسکتا ہے، یہاں تک کہ امکان (مخلوقیت) کے تمام پردے اٹھ جائیں، اور خواہشات نفسانیہ دور ہو جائیں، ذات باری تعالیٰ کو خود اس کے اپنے نور ہی کی مدد سے پہچانا جا سکتا ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفتم ربی میں نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

یعنی لاینفسی (اپنی ذات کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ اسی کے فضل و عطا سے) یہاں ایک دوسرا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ معارف سے مراد تمام شیونات کے ساتھ واجب کی معرفت ہے، اور یہ اس دنیا میں ناممکن ہے، کیونکہ ہر مظہر عین واحد ہے، لہذا معرفت کلی کی طاقت نہیں رکھتا، اور تجلی برقی آنی تو ایک پل سے زیادہ ہوتا ہی نہیں، لہذا اس وقت شیونات کی تفصیل کی طرف کہاں متوجہ ہو سکتا ہے؟ (۱)

اذات باری تعالیٰ کی ہر صفت ایک مکمل اکائی ہے، لیکن چونکہ وہ صرف کسی ایک اعتبار کی عکاس ہے، ذات کا مکمل احاطہ کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں، لہذا ذات باری کی مکمل معرفت حاصل کرنے کیلئے کوئی بھی مظہر کافی نہیں۔

ستر ہزار پردوں میں

اللہ تعالیٰ کی ہمراہی اور ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے موافقت رکھتے ہیں ارشاد باری ہے:

ان لله سبعین الف حجاب * یقیناً اللہ کے ستر ہزار حجابات ہیں۔

شیخ نے فرمایا کہ مخلوقات کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا قرب حقیقی ہے، اس کی قریبی مثال کلی کا جزئی کے ساتھ قرب پیش کی جاسکتی ہے، (اللہ تعالیٰ حقیقتاً مخلوق کے قریب ہیں جبکہ مخلوق اللہ تعالیٰ کے قریب مجازی طور پر ہے، وہ اس کا قرب و اتصال برداشت نہیں کر سکتی) اگرچہ حق تعالیٰ کلیۃً و جزئیت سے پاک ہے، لیکن اسی اعتبار سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب کی مثال دی گئی ہے، اور اس کے بعد حجابات و ہمییہ کی کثرت کے سبب جو کچھ ہے وہ فرضی ہے، یہاں فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو مظاہر کے ساتھ جس طرح کی نسبت ہے اس میں کسی طرح کی آڑ موجود نہیں، بلکہ آڑ تو خالق و مخلوق کے درمیان ہے، پس ممکن محبوب (مخلوق) جو کہ عاجز و اثر قبول کرنے والی صفات کی حامل ہے، اس کا اللہ تبارک و تعالیٰ سے وصول بہت مشکل ہے، جو کہ مؤثر اور واجبی صفات جیسے خالقیت و رزاقیت اور ہمیشگی سے متصف ہے، اور یہ شکلیں منزلوں کی کثرت کی بنا پر ہیں، لیکن مجذوب (اللہ کے دیوانے) کے لئے اللہ تعالیٰ وصول کو اس طرح آسان فرمادیتا ہے جیسے بے شمار بڑی بڑی چیزیں اور پردے حاصل ہونے کے باوجود سورج کا نظارہ آسان بنا دیا ہے، جبکہ یہاں تو لطیف و معنوی حجابات ہیں نہ کہ حقیقی، ورنہ اللہ تعالیٰ کا بھی جسمانی و امکانی پردوں میں محصور ہونا لازم آئے گا، اور ستر ہزار سے مراد کثرت ہے، نہ کہ گنتی اور تعداد۔

مطلق کے معنی

حضرت خواجہ نقشبندی رحمہ اللہ کا قول ہے:

عارف بسر حقیقت می تو اوں برد اما بسر معرفت و علم نمی تو اوں رسید

عارف حقیقت کے راز تک تو رسائی حاصل کر سکتا ہے مگر معرفت و علم تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت شیخ نے اس قول کے پیش نظر فرمایا کہ جب احدیت کا سورج عارف پر نمودار ہوتا ہے تو حقیقت کا آسمان روشن ہو جاتا ہے، لیکن علم و معرفت کا راز حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ یہ تمام شیونات کی معرفت کے ساتھ وابستہ ہے، جو محال ہے۔

فرمایا کہ لوگوں کا صوفیاء کو کافر کہنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان سے یہ سن لیتے ہیں کہ حق تعالیٰ وجود مطلق ہے، مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ صوفیاء کی اصطلاح میں وجود سے مراد موجود ہے، اور مطلق سے ان کی مراد یہ ہے کہ ذات میں ذات کی حیثیت سے کوئی اعتبار (صفت، مادہ) موجود نہیں، کلیتہً نہ جزئیہً، عموماً نہ خصوصاً بلکہ اس میں تو اعتبار کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔

صوفیاء کا قول ہے: کل نبی ولی ولا عکس* (ہر نبی تو ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولایت نبوت کی شرط نہیں، یہ ممکن ہے کہ ایک شخص محبت یا محبوبیت کے مقام پر فائز ہو اور اسے نبوت سے نوازا دیا جائے، ہاں کامل انبیاء کو ولایت اور نبوت دونوں سے نوازا دیتا ہے، مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام۔

حضرت بایزید کے قول کی توجیہ

حضرت بایزید کا قول ہے: خضت بحر او وقف الانبیاء بساحلہ*

(میں نے ایک سمندر میں غوطہ لگا یا جبکہ انبیاء ساحل پر کھڑے تھے) اس کی وضاحت شیخ نے یہ فرمائی کہ انبیاء کی استعداد کامل ترین ہوتی ہے، کیونکہ ان کے یہاں وہبیت محضہ ہوتی ہے۔

یکادزیتھایضیٰ ولولم تمسسه نار* (النور ۳۰)

قریب ہے کہ اس کا روغن آگ کے بغیر روشن ہو جائے۔

وہ تو یقیناً حقیقی اہل شہود ہیں، صرف دعوت و ارشاد کے لئے خدا تعالیٰ انہیں مشاہدہ کے مقام پر لے آتا ہے، چنانچہ بایزید کے قول کا معنی یہ ہے کہ انبیاء غوطہ لگانے کے بعد ساحل پر کھڑے تھے، یہاں بحر سے شہود وحدت اور ساحل سے مشاہدہ مراد ہے۔

توحید کی علامات

فرمایا: افعال کی توحید کو حاصل کرنے کی علامت یہ ہے کہ سالک معیشت کی تدبیر چھوڑ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں اسے مکمل توکل حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ ہر تکلیف و انعام کو اللہ جل شانہ کی طرف منسوب کرتا ہے، اور صفات کی توحید کو حاصل کرنے کی علامتیں یہ ہیں کہ سچا سالک اپنی سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو حقیقی مالک کے سپرد کر دے، حالانکہ اللہ جل شانہ کا حکم اس کی ان قوتوں کے ساتھ پہلے سے موجود ہوتا ہے، لیکن اسے اس کا علم و شعور نہیں ہوتا، جیسے کہ کوئی شخص سمندر کے بہاؤ اور تلاطم کو نہر یا چھوٹے نالوں میں دیکھ لے، تو ضروری نہیں کہ وہ سمندر میں موجود لعل و جواہر اور حیوانات کا علم بھی حاصل کر لے، اسی طرح جب وہ دیکھتا ہے کہ سمع و بصر وغیرہ مظاہر میں حق تعالیٰ کی ذات ہی ہے، تو ضروری نہیں کہ وہ تمام مسموعات (سنی جانے والی چیزیں) اور مبصرات (دکھائی دینے والی چیزوں) پر مطلع ہو جائے، کیونکہ یہ تو واجب الوجود اللہ جل شانہ کے خواص میں سے ہے۔

قرب فرض و مستحب

مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدًا أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَلَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ

حتیٰ اکون سمعہ الخ (۱)

کوئی بندہ میرے حضور فرض سے بہتر چیز پیش نہیں کر سکتا، اور میرا بندہ بدستور نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں۔

فرمایا: توحید میں فرض کا قرب یہ ہے کہ تمام افعال و اعمال اللہ ہی کی ذات سے صادر ہوتے ہیں، اور عالم میں سوائے اسکے کوئی مؤثر و قیوم نہیں، جس کا اس عقیدہ پر ایمان نہیں آخرت میں

أَوْ مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّىٰ أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَيَبْصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، الخ۔ (بخاری)

اسکی پکڑ ہوگی، اس قرب کا حاصل کرنا فرض ہے، اور توحید میں نوافل کا قرب یہ ہے کہ بندہ حجابات دور کرنے کی کوشش کرے اور اسکا حاصل کرنا مستحب ہے، اگر بندہ اسے حاصل نہ کرے تو اسکی کوئی پکڑ نہیں، اس لحاظ سے حدیث کی عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ کوئی شخص بھی اجمالی توحید کے فرائض کی ادائیگی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے حضور قرب نہیں پاسکتا، کیونکہ اسے چھوڑنے پر پکڑ ہے، اور تفصیلی توحید میں بندہ برابر حجابات کو دور کرنے، سخت ریاضتیں کرنے یا حق تعالیٰ شانہ کی ذات کی طرف مکمل توجہ کرنے میں کوشاں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی خودی سے باہر لے آتا ہے، اور دوستی کا مفہوم یہی ہے، بندہ جب یہ مقام حاصل کر لیتا ہے تو جس طرح اسکی ذات حقیقی ذات یعنی اللہ میں فنا ہو جاتی ہے اسی طرح اسکی انسانی صفات بھی اٹھالی جاتی ہیں، جو لوگ یہ گمان رکھتے ہیں کہ اس وقت بندہ کی صفات تو اٹھالی جاتی ہیں مگر اس کی ذات جوں کی توں باقی رہتی ہے، وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ جس وقت امکان کے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں تب کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسکی ذات اب بھی باقی ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف صفات اٹھالی جاتی ہیں ذات نہیں، ان کی ذات سے مراد جسم و جان ہے، جو توحید کے اس مقام کو حاصل کرنے پر بھی تمام مراحل میں اسی طرح باقی رہتے ہیں، اور اسی طرح خارج میں دوسرے تمام طبقات بھی جو اپنے حال پر قائم رہتے ہیں، اور اگر کچھ کرامات کا ظہور ہو تو یہ بھی صفات کے بدلنے کی قسم شمار ہوگی، اور جن حضرات نے یہ کہا کہ ذات بھی فنا ہو جاتی ہے ان کی مراد ذات میں فنا ہونے کا وہی مفہوم ہے جو صوفیاء کے یہاں مسلم و معتبر ہے، یہ سارا جھگڑا صرف لفظی ہے۔

حجاب کا غم

فرمایا جسے اللہ جل شانہ کا وصال نصیب ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ حجابات یعنی رکائیں باقی رہ جاتی ہیں تو اس میں غم اور رونے دھونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں، بلکہ کبھی تو وہ عام مجاہدین

(معرفت سے بے بہرہ) کے مقام پر آجاتا ہے، لیکن جس شخص کی رسائی حقیقت کے لطائف تک ہو چکی ہوتی ہے غم و اندوہ اور دوئی کے چکر میں کبھی نہیں پھنستا۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ حجاب جو غم اور رونے کا سبب بنتا ہے دراصل سالک کے اندر کی سختی اور حیوانیت ہے جو خود اس کے نفس کو اس کی معرفت کے سلسلہ میں حجاب بنا دیتی ہے، اور اسے وصل اور عرفان نصیب نہیں ہو پاتا، البتہ جس کی بہیمیت لطیف اور حقیقی ہے وہ سرور اور انس میں مگن ہو جاتا ہے۔

زمانے کی قسم

والعصر ان الانسان لفي خسر الا الذين* الخ (العصر ۱)

کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں زمانہ کی قسم سے مراد ذات حق کا دوام و بقاء ہے، کیونکہ یہاں واصلین کے سوا دوسروں کو غیریت اور دوئی کے وہم کا خدشہ ہے۔ کسی نے حضرت سے سوال کیا کہ سالکین کی آخری منزل کونسی ہے؟ فرمایا: دوئی کا ختم ہو جانا، اور شہود و وحدت ہی وہ بلند درجہ ہے جس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔

توحید ہے منزل

شیخ عبداللہ کھاتی جو اس دور کے مشائخ میں سے تھے انہوں نے کہا کہ توحید ایک ایسا مقام ہے جو سلوک کی راہ کے درمیان میں پیش آتا ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھے ذرا اس سے آگے کی خبر تو دیجئے؟ انہوں نے کہا کہ ایک چیز ہے جو بہت مخفی ہے۔

آپ نے فرمایا: سالک جب وحدت محضہ سے متصف ہوتا ہے تو اس کی نظروں سے کثرت غائب ہو جاتی ہے، اور جب وہ اس مقام سے اترتا ہے تو وحدت کو کثرت میں دیکھتا ہے اور یہ تنزل ہے، اسے توحید سے بلند مرتبہ کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟

کاتب الحروف کہتا ہے کہ جن لوگوں نے توحید کو راستہ کی ایک منزل قرار دیا ہے انہوں نے کثرت سے جمع و ذہول (صفات میں گم ہو کر) دیکھنا مراد لیا ہے، اور یہ سکر و غلبہ کی قسم ہے، اور جو شہود اور وحدتِ خالص کو آخری منزل سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ لطیفہ انا، اپنی جگہ تمام لطائف میں سب سے اعلیٰ لطیفہ ہے، جب صاحب جمع الجمع (ذات واحد میں گم) وحدت و کثرت دونوں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے، تو اس وقت وحدتِ خالصہ کی رویتِ لطیفہ انا کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور کثرت (مخلوق) کی رویت کا مطلب لطائفِ سافلہ (حقیر ترین لطائف) ہوتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقامِ لطیف ترین لطائف کا پالینا ہے (۱)۔ واللہ اعلم

واجب اور ممکن

رشحات میں کسی عارف کا یہ قول منقول ہے:

”من در ابتداء می گفتم ممکن عین واجب است و در انتہا ظاہر شد کہ واجب عین ممکن است“

شروع میں میرا خیال تھا کہ ممکن عین واجب ہے، لیکن آخر میں ظاہر ہوا کہ واجب عین ممکن ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کی تشریح یوں فرمائی کہ ہر دو عبارات میں فرق یہ ہے کہ پہلی بات امکانی صفات میں واجب کو سمیٹ رہی ہے، اور دوسری بات کا معنی یہ ہے کہ امکانات، (فانی صفات، یعنی مخلوقات) معدوم محض ہیں، جب کہ موجود حقیقی واجب (حق تعالیٰ کے) علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔

اکثرت کی رویت کا منشا لطائفِ سافلہ اسی صورت میں ہوتے ہیں جب کہ شہود انا کی منزل پر نہ پہنچا ہو، جب اس منزل پر پہنچ گیا تو ان لطائف کی تمیز ہی ختم ہوگئی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے دودھ اور پانی، جب تک پانی دودھ میں نہیں ملا تب تک پانی اور دودھ دونوں ہیں، یقیناً ان میں اسفل و اعلیٰ کی تقسیم و تمیز بھی موجود ہے، لیکن جب دونوں ملا دیئے گئے تو یا تو پانی رہ گیا یا دودھ، جو غالب رہا، رہا، ”واللہ غالب علیٰ امرہ، تو فانی نے اپنی حقیقت کھوئی، اور باقی کی حقیقت سے متصف ہو گیا، تو اس نے کیا کھویا کب کھویا؟ بلکہ اس نے تو بہت بڑا کمال پالیا، رہا وجود کا خاتمہ، تو وہ ہر حال میں ہونا ہی ہونا تھا، کیونکہ ہلاک تو سب کو ہونا ہی ہے، کل شیء ہالک الا وجہہ۔

تخلیق کی ترتیب

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ ہر دورہ میں شیونات کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو پہلے افعال کو پیدا کرتا ہے، جو کہ انواع کے باب سے متعلق اور اس کی ذات سے عبارت ہیں، (ہر جنس کا الگ کام ہے) اور یہ خلق کا سلسلہ ہر نوع میں جاری ہوتا ہے، جیسے درخت، پتھر، انسان، گھوڑے وغیرہ، پس نوع انسانی کی مثال اس کے مظاہر میں ظاہر ہوئی۔

اس کے بعد ارواح و اجسام کو بالترتیب پیدا کیا، پھر یہ یہ روحیں فنائے خفی کے پردہ میں چلی جاتی ہیں، ایک دورہ یہاں پر ختم ہو گیا، اس کے بعد سابقہ دورہ کی ترتیب کے مطابق پھر سے انہیں پیدا فرماتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی افعال و صفات میں تعطل (بیکاری، چھٹی) نہیں ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

نحن اناس سر مدیون * ہم سرمدی (ہمیشہ رہنے والے) لوگ ہیں۔

لمبی مدت پر محمول ہے، اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ سرمدی ہے، لہذا جس پر بھی ازل و ابد کی حقیقت کھل جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو سرمدی سمجھتا ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات میں انسان حقیقت کاملہ کے اظہار کی سب سے قوتتمثیل ہے، اور وہ روح کے اعتبار سے حقیقتہ الحقائق ہے، (کیونکہ روح امر ربی ہے) اور مراتب کی ترقی اور تنزلی دونوں میں روح یکساں طور پر جاری و ساری ہے، اور نوع انسانی کا وجود باری تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے اظہار کیلئے ہے، جو لافانی ہے، ایک انسان جاتا ہے، دوسرا آتا ہے، اس سے فرق نہیں پڑتا، منشاء ربی مستقل اور اپنی جگہ قائم رہتا ہے، مذکورہ قول اسی معنی میں ہے، جیسے وہ ستارے جن کا عکس پانی میں پڑ رہا ہے، پانی ہزار اپنی شکلیں بدلے، ستاروں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ جوں کے توں رہتے ہیں۔

بندہ، بندہ رہیگا

شیخ اکبر رحمہ اللہ کا قول ہے: العبد عبد وان ترقی والرب رب وان تنزل*
 بندہ بندہ ہی رہتا ہے چاہے کتنی ترقی کر لے اور رب رب ہی رہتا ہے چاہے تنزل اختیار کر لے۔
 اسکی تشریح میں فرمایا: بندہ چاہے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے وہ اپنی عین مقدار سے خارج نہیں ہو
 سکتا، لہذا اس کے تمام تر کمالات اس کی استعداد اصلیکے دائرہ کار کے اندر ہوتے ہیں، اور
 حضرت حق اپنی صرافت (ہمہ گیری) اور اطلاق (لامحدودیت) کے ساتھ جلوہ گر ہے، اگرچہ
 اس نے مظاہر میں بھی اپنا ظہور فرمایا ہے۔

اس گفتگو کا فقیر کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی شخص پر اجمالی تجلی فرماتا ہے تو اس
 کی سطوت، تسخیر اور قہر و جوب نمایاں ہوتے ہیں، حالانکہ وہ تجلی، تجلی لہ (جس میں تجلی کا ظہور ہو
 رہا ہو) کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔

مقام فنا میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بندہ کبھی کبھار اعلیٰ مقام تک رسائی کر لیتا ہے، لیکن تب
 بھی انفعال اور فنا کی تاثیر واضح ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شیخ ابوالرضا کے چند مسودات اور مکتوبات

شیخ عبدالاحد کا مکتوب اول

شیخ احمد سرہندی کے پوتے اور اس دور کے مشائخ میں سے شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ کی
 خدمت میں یہ خط تحریر فرمایا:

آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید کرتا ہوں کہ مجھے مخصوص اوقات میں اپنی نیک دعاؤں میں یاد
 رکھیں گے، کیونکہ معاملہ دشوار، راستہ مشکل اور خوفناک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
 إِنَّ أَمَامَكُمْ عَقَبَةَ كُوْدَا (۱) تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاٹی ہے:

المستدرک علی الصحیحین للحاکم مع تعلیقات الذہبی فی التلخیص - (618/4) م ش

كيف الوصول الى سعاد وودونها قلال الجبال وودونهن خيوف

الرجل حافية ومالي مركب والكف صفر والطريق مخوف (۱)

سعاد (محبوب و مقصود) تک کیسے پہنچا جائے کہ راستہ میں بلند پہاڑ اور نشیب و فراز حائل ہیں، مسافر کے پاؤں میں جوتا ہے نہ اسکے پاس سواری، ہاتھ خالی ہیں اور راستہ خوفناک۔

میرے محترم و مشفق! حقیقت الفاظ میں نہیں سما سکتی اور غیر حقیقت بیان کے قابل نہیں، اس لئے بات ختم کرتا ہوں۔ والسلام

جواب اول

حضرت شیخ نے اس مکتوب کا یہ جواب تحریر فرمایا:

ہو الا احد! آپ کا سراپا شفقت و محبت نامہ موصول ہوا اور اس نے خلوص و یگانگت کے رشتہ کو مضبوطی بخشی، اللہ جل شانہ آپ کو اس مہربانی اور عزت بخشی کی جزاء عطا فرمائے، اور اپنے مقصد تک رسائی بخشے، گرامی نامے میں لکھا ہوا تھا:

كيف الوصول الى سعاد وودونها قلال الجبال وودونهن خيوف

الرجل حافية ومالي مركب والكف صفر والطريق مخوف

حقیقت یہ ہے کہ ہویت ذاتیہ مطلقاً تک لمبی سیر کے ذریعہ وصول بہت مشکل ہے، جب کہ اس سے پہلے اعتبارات محضہ (فانی صفات) اور ایضاً محضیہ صرفیہ (انسانی عیوب) جو کہ عالم خلق و امر سے متعلق ہیں، ایسی دشوار گزار پہاڑی چوٹیاں بھی موجود ہیں، کیونکہ ان سے سالک خود کو خوف زدہ پاتا ہے، اور اپنے شعور و ادراک کو ان کی تلاش میں سرگرداں کر دیتا ہے، ورنہ حق سبحانہ و تعالیٰ تو اپنی ذات میں خاص وجود کی بنا پر بندہ کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، اس کا راستہ بہتر اور پر امن ہے، خوفناک نہیں، اس مقام پر ننگے پاؤں کی کوئی بات ہے اور نہ ہی

کسی سواری کی، اور نا ہی اس جگہ خالی ہاتھ کا کوئی وجود ہے، جبکہ وہ اپنی ذات میں قائم ہے، مگر لوگوں میں اس کا ظہور نہیں، وہ پاک ذات ہے جو اپنے نور کی روشنی کا حجاب اوڑھے ہوئے اپنے ظہور کے استغراق میں مخفی ہے۔

تو همت قدما ان لیلی تبرقت وان لنا فی البین ما یمنع اللشما

فلاحت فلا والله ما تم مانع سوی ان عینی کان من حسنہا اعمی

قدماء کا وہم ہے کہ لیلیٰ نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے، مگر ہمارے لئے تو یہ جدائی ہے، جو حجاب بن کر بوسے میں رکاوٹ ہے، جب محبوبہ نے اپنا چہرہ اظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی، مگر ہماری آنکھیں ہی اسکے جلوہ حسن کی تاب نہ لاسکیں۔ روح المعانی 39/58 مش)

پردہ برخاست تا بدیدستم دوست بادوست کردہ درآغوش

آں شناسد حدیث دل مست کہ ازیں بادہ کردہ باشدنوش

پردہ اٹھا تو میں نے دیکھا کہ دوست نے دوست (مجھ) کو آغوش میں لے رکھا ہے، اور دل مست کی بات صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس کو یہ دولت میسر آئی ہو۔

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی و کنا حیث ما کانوا حیث ما کنا *

میرے دل نے میرے متعلق مجھ سے نغمہ سرائی کی تو میں بھی اس کے ساتھ ساتھ گانے لگا کہ ہم ان جیسے ہو گئے اور وہ ایسے ہو گئے جیسے ہم تھے، (ہم نے اپنا وجود ختم کر دیا۔)

روز آں بتو بودم ونمی دانستم شب باتو غنودم ونمی دانستم

ظن بودمرا بمنکہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمی دانستم

ہردن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر بے خبر رہا، ہر رات تیرے ہمراہ رہا مگر نہ جان سکا، میرا گمان تھا کہ میں ہی ہوں، حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں، تو ہی تو تھا، مگر مجھے پتہ نہ چل سکا۔

مکتوب میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ جو بات حقیقی ہے، وہ بیان میں نہیں آ سکتی۔

اس سے بظاہر مراد یہ ہے کہ بیان میں اس وجہ سے نہیں آ سکتی کہ سننے والوں کی سوچ بوجھ میں کمی ہے، ورنہ بات اگر لفظی ہے تو یہ عین گفت ہے، اور اگر نفسی ہے تو:
فما من عیان الا وله بیان* ہر عیان کا بیان ہوتا ہے۔

والسلام علی اہل اللہ الکرام

جب حضرت شیخ کا مکتوب گرامی پہنچا تو جو اباً شیخ عبدالاحد نے انتہائی فصیح و بلیغ خط لکھ بھیجا، جس میں حصول کی مشکل اور راہ کی دوری کے مضامین کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، مکتوب یہ ہے:

شیخ عبدالاحد کا دوسرا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا، مطالعہ سے بہرہ اندوز ہوا، مکتوب نکات کا خزینہ اور معارف و حقائق کا گنجینہ تھا، اس کی دل کش عبارات پاکیزہ اور لطیف اشارات روح پرور تھے،

نکتہ پاشی ہمہ ہم رنگ چمن کردہ برد فتر گل مشق سخن

اس کے تمام نکات چمن کے رنگ سے رنگین تھے، گویا پھولوں کے کاغذ پر مشق سخن کی گئی تھی۔

اللہ آپکو بہترین جزاء عطا فرمائے اور انتہائی مسرتوں سے مالا مال کرے، خط میں لکھا تھا کہ سعادت تک رسائی ایسے ہی مشکل ہے جیسے لمبی سیر کے ساتھ ہویت ذاتیہ (اللہ تعالیٰ کی ذات) کا حصول، ورنہ حق سبحانہ بندوں کی شہہ رگ سے بھی قریب تر ہے، آپ نے یہ وجود کے بارے میں کہا، مگر جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو ذات سبحانہ و تعالیٰ حد ادراک سے پرے ہے۔

برگ بیرنگی بسا زائے عند لیب بینوا کہ ایں گل ما برنتا بد از نزاکت رنگ را

اے بلبل بے نوا! کسی بے رنگ پتی سے ناطہ جوڑ، کہ یہ میرا پھول انتہائی نزاکت کی وجہ سے رنگ کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

پنت نکٹ نکم اکم بگر مایہ جیوں جہانہ چکھ اکیں مکہ ہن رہی طنہ نہ بہر بہر مانہ
ہم محبوب کو قریب سمجھ کر جان کی بازی لگا بیٹھے، جان دینے کے بعد دیکھا کہ یہاں تو بے نیازی کے
سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ”اس تمام نزدیکی کے باوجود محبوب کس قدر دور ہے، اے محبوب
ازل! تیرے عین وصال میں بھی کتنی جدائی ہے۔“

آپ نے تحریر فرمایا: اس کی طرف نہ کوئی پر امن و بہتر راستہ جاتا ہے نہ خوفناک راستہ، اور اس
میں نہ ننگے پاؤں چلا جاتا ہے نہ تہی دست ہو کر، ہاں یہاں کوئی اچھا راستہ نہیں مگر اس سے پہلے
پہاڑوں کی چوٹیاں اور ان سے پہلے نشیب و فراز حائل ہیں، وہاں حقیقت کی راہ چوڑی اور
ثابت ہے، اور اس راہ کے راہب اس میں پڑے، ہیں سبحان الذی اسری بعدہ لیلا اور
انی ذاہب الی ربی میں اسی حقیقت کی راہ کی طرف اشارہ ہے، اور قل هذه سبیلی ادعوا
الی اللہ بھی اسی طرف رہنمائی کر رہی ہے، اسی طرح ففر والی اللہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ
کر رہی ہے، اور وہ دو شعر جو آپ نے مطلوب نور کے ظہور و طالب کی کم مائیگی کے بارے
میں تحریر فرمائے، انھوں نے مجھے بہت محفوظ کیا، ہاں معاملہ کچھ یوں ہی ہے، جیسے کہا گیا ہے:

انت الغمامة علی شمسک دع نفسک و تعال *

تو خود اپنے آفتاب پر بادل کی طرح چھایا ہوا ہے، لہذا خود کو چھوڑ اور چلا آ۔

اور فارسی کے جن اشعار میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم آغوش و پردہ پوش محبوب و مطلوب تھا، یہ نہایت
دل سوز سینہ افروز اور عرفان و بے پردہ وصل سے معمور تھے، بہر حال یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ تمام
گلشن تسبیح کے پھول او عالم سکر و مستی کے شعبہ ہیں، تنزیہ (پاکی) کا مقام جو کہ حضرت ذات
سے قریب تر ہے، وہ ان تمام کو برداشت نہیں کر سکتا، وہاں تو وہی کچھ ہے جو بیان سے باہر،
وہاں تو مجھے سوائے حیرانگی، ناشناسی اور ادراک کی عاجزی کے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا،

عناقشکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باز بدست ست دام را

عناقشکار تو ہوتا ہی نہیں، یہاں تو جال اٹھائے پھرتے رہو اور بس۔

ماللتراب و رب الارباب* چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک۔

توا ز خوبی نمی گنجی بعالم مرا ہرگز کجا آئی در آغوش (۱)

یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ کے مقربین کو ہمیشہ ہمیش کا حزن و ملال دامن گیر ہو جاتا ہے، ابدی

محرومی و ناامیدی درگاہ کے خواص کے حصہ میں آتا ہے، حدیث میں آتا ہے:

كان عليه السلام دائم الحزن متواصل الفكر (۲) یعنی حضور ہمیشہ غمگین و فکر مند رہتے تھے

دلہا ہمہ آب گشت و جاں ہمہ خون تا چست حقیقت ز پس پردہ برون

سارے دل پردہ کے پیچھے کی حقیقت کو جاننے کی کوشش میں پگھل کر پانی ہو گئے، اور ساری جانیں خون ہو گئیں۔

اس راہ کی مشکلات جن کو آپ نے ذکر کیا ان سے بھی بڑھ کر ہیں، یہاں تک کہ سچے منجر علیہ

السلام نے بھی ان دشواریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّ أُمَّامَكُم عَقَبَةٌ كَوُوداً (تمہارے سامنے ایک پیچیدہ اور دشوار گزار گھاٹی ہے۔)

گرموج زند عنایت او موراں بکوند کار پیلاں

اگر اس کی عنایت کا سمندر موج مارے تو چیونٹیاں بھی ہاتھیوں کا کام کریں۔

حدیث میں آتا ہے: ان الله يفعل بالضعيف ما يتحير فيه القوي*

(اللہ تعالیٰ کمزور سے وہ کام کرا لیتا ہے جس میں طاقت ور بھی عاجز ہو جاتا ہے۔)

ادیوان سعدی میں یہ شعر اس طرح لکھا ہے: تو در عالم نمی گنجی ز خوبی مرا ہرگز کجا گنجی در آغوش (غزل ۳۳۳)

تو اپنی خوبیوں کی بنا پر کائنات میں نہیں سما سکا، تو میری آغوش میں تو کسی بھی طرح نہیں سما سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے سلسلے میں وارد ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، ہند بن ابی ہالہ کا بیان ہے:

قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم متواصل الأحزان دائم الفكر، (البیهقی) - (154/2)

عجائب رہ عشق اے رفیق بسیارست ز پیش آہوئے اس دشت شیر نر بر مید
اے دوست عشق کی راہ کے عجائب بے شمار ہیں، اس جنگل کے آہو سے پہلے شیر نر نکلتا ہے۔

مہی گرد در پیہم کو پیل جہاں رمننا دیکھو کارج بنہہ کو جو کچھ پست ہنجی دہارو
میرے پیادوں میں بسے رہے اور میں دنیا میں ڈھونڈتی رہی، جب دل کی طرف دیکھا تو حیران رہ گئی۔
اور یہ رباعی جو آپ نے تحریر فرمائی ہے :

روز آں بتو بودم ونمی دانستم شب با تو غنودم ونمی دانستم

ظن بودم را بمکنہ من جملہ منم من جملہ تو بودم ونمی دانستم

ہردن میں نے تیرے ساتھ گزارا مگر بے خبر رہا، ہر رات تیرے ہمراہ رہا مگر نہ جان سکا، میرا گمان
تھا کہ میں ہی ہوں، حالانکہ میں تو تھا ہی نہیں، تو ہی تو تھا، مگر مجھے پتہ نہ چل سکا۔

وصال و سکر کے غلبہ کی خبر دیتی ہے، ورنہ اللہ کے ہاں تو نہ شام ہے نہ سحر: ”لم یلد ولم یولد
“اس کے جلال کا صحیفہ ہے، اور ”ولم یکن لہ کفو ا احد“ اس کے کمال کا دیباچہ:

ابروے دوست کے شوددستکش خیال من کس نزدست ازیں کمان تیر مراد بر ہدف
دوست کے ابرو میرے ذہن سے کیسے نکل سکتے ہیں، کسی نے اس کمان سے مراد کا تیر نشانے پر
پھینکا ہی نہیں۔

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی و کنا حیثما کانوا و کانوا حیثما کنا

میرے دل نے میرے متعلق مجھ سے نغمہ سرائی کی تو میں بھی اس کے ساتھ ساتھ گانے لگا اور ہم
ان کی جگہ ہو گئے اور وہ وہاں آگئے جہاں ہم تھے۔ (ہم نے اپنا وجود ختم کر دیا۔)

یہ بھی اسی قبیل سے ہے ورنہ وہاں تو قبیل، قال، حیث کان، انس و جان کچھ بھی نہیں، صرف
اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے ساتھ نہ کوئی شے ہے نہ وقت، جیسا کہ یہ آیت کریمہ: وَمَا

كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ [الشوری: 51]

(اور انسان کو یہ طاقت نہیں کہ وحی یا پردہ کی اوٹ کے بغیر اللہ سے کلام کر سکے) یہ آیت سالکین کے سرمائے کا جوہر اور عارفین کے حلیہ کا معیار ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ [النحل: 74]

اللہ تعالیٰ کو مثالوں سے نہ بیان کرو، اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں اور تم نیٹ جاہل۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محبان کے سرخیل حضرت موسیٰ نے، لہن ترانی کا زخم برداشت کیا اور اللہ کے محبوبوں کے سرتاج سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے لیس لک من الامر کی ندا سنی، گو یا ایک جانب عنایت ہے تو دوسری جانب بے نیازی۔

”تحریر تھا کہ آپ نے لکھا ہے کہ جو بات حق ہوتی ہے گفتگو میں نہیں آتی، اس سے بظاہر مراد یہ ہے کہ سننے والوں کے ادراک و فہم کی کمزوری کی بنا پر گفتگو میں نہیں آ سکتی، ورنہ اگر بات لفظی ہو تو بولی جاسکتی ہے، اور نفسی ہو تو ہر عیاں چیز کے لئے بیان ہوتا ہے۔“

ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اس سے مراد خود متکلم کا قصور ہے، یہاں حق بات سے مراد ذات کی حقیقت کا بیان ہے، اور ذات حق کی وضاحت کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے، اور اس سلسلے میں محض گمان سے کام لینا بے ادبی ہے، کیونکہ گمان سے حقیقت کا کچھ بھی بیان نہیں ہو سکتا، یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ مادی عقل کی سمجھ اور محدود سمجھ کی پکڑ میں آ بیگا، وہ خود لازمی طور پر مادی اور محدود ہی ہوگا، جب کہ واجب تعالیٰ (اللہ تعالیٰ) کی غیر متناہی (لامحدود) ذات تو اس سے بہت بلند و بالا ہے، خواجہ بزرگ (خدا ان کی لحد پر عطر افشانی کرے) نے فرمایا کہ جو کچھ بھی دیکھا یا سنا جاتا ہے سب حق کا غیر ہوتا ہے، لہذا اسے کلمہ کے ’لا‘ کی حقیقت سے نابود (کا عدم، بالکل ختم) کر دینا چاہئے۔

بس بیرنگ است یار دلخواہ اے دل قانع نشوی برنگ ناگاہ اے دل

اے دل! محبوب ازل تو بے رنگ ہے، تو کہیں رنگ پر نہ مرٹنا!

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو اس کو جانتا نہیں وہ اچھی طرح اس کے بارے میں کچھ بیان بھی نہیں کر سکتا، اسے فکر، وہم اور نگاہیں نہیں پاسکتیں۔

چساں نشاں دہم آں بے نشان یکتارا مگس چہ شرح دہد آشیان عنقارا
اس بے نشان و یکتا کا کیا نشان بتاؤں، کہ مکھی عنقا کے آشیانہ کا کیا پتہ دے سکتی ہے؟

میرے محترم! جسے اس نے ہم کلامی سے سرفراز فرمایا اور :

انی اصطفیتک علی الناس بر سالاتی و بکلامی (اعراف ۱۴۴) (میں نے تم کو لوگوں پر اپنی رسالت اور کلام کیلئے منتخب کر لیا) کی خوش خبری سے عزت بخشی اس نے یہ آواز بلند کی:

ویضیق صدری ولا یطلق لسانی (شعراء ۱۳) میرا سینہ گھٹتا ہے، اور زبان نہیں چلتی۔

اور جسے اس نے جوامع الکلم سے نوازا، اور تاج و معراج اور اولیت و خاتمیت سے عزت بخشی، انھوں نے بھی یہ فرمایا:

لا احصى ثناء علیک سبحان اللہ رب العرش عما یصفون*

آپ کی ثنا ہم سے ناممکن ہے، پاک ہے عرش کے مالک اللہ کی ذات، لوگوں کی ہنوفات سے۔

اے از تو گمان خلق بس دور جلو اے تو از پر مگس دور

اے کہ تو لوگوں کے گمان سے دور، اور تیرا جلوہ مکھی کے پنکھ سے بھی لطیف ہے۔

ہر کس کہ ز کنتہ تو سخن گفت خود گفت وز گفت خود بر آشت

جس نے بھی تیری حقیقت کے بارے میں کچھ کہا بلا تحقیق کہا، اور اپنے کہے پر خود ہی شرمندہ ہوا۔

اے بر ترازاں ہمہ کہ گفتند و آنہا کہ بدید ہم نہفتند

اے کہ! تیرے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے تو اس سے بلند ہے، اور جنہوں نے دیکھا چھپایا۔

تو حید تو ہر کہ راند در قیل بر مور چہ زد عماری فیل

جس نے تیری تو حید کو لفظوں میں ڈھالا اس نے گویا چیونٹی پر ہاتھی کی ڈولی رکھ دی۔

آپ کا یہ فرمان کہ: ”فما من عيان الا وله بيان“ اور اللہ کا قول: الرحمن علم القرآن (الرحمن ۲) اپنی جگہ ہے مگر جو عیاں سے بالا ہے، وہ بیان سے خالی ہوتا ہے، اور آپ علم کے ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے، کسی محقق کا قول ہے ”من عرف الله طال لسانه“ (جس نے اللہ کو پہچانا اسکی زبان تیز ہوگئی) یہ صفات کی معرفت کی بنا پر ہے، اور صوفیا کا یہ قول: ”من عرف الله كل لسانه“ (جس نے خدا کو جان لیا اسکی زبان گنگ ہوگئی) یہ ذات کی پہچان کی بنا پر ہے، جو ذات اضافی اور اعتباری چیزوں سے بری ہے، وہ بلا کسی قید کے کیف سے منزہ ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ ”الرحمن علم القرآن“ میں قرآن ایک صفت ہے، اس لئے اسم ذات کی بجائے اسم صفت کے ساتھ آغاز کیا گیا، دوسری بات یہ ہے کہ ”فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ [النجم: 10]“ (وحی کیا اپنے بندے پر جو کیا) میں جو کچھ وحی کیا گیا اسے مبہم رکھا گیا، اور بندہ کی اضافت ہویت ذاتیہ کی طرف کی ہے، جیسے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان میں پوشیدہ ہے: ”ابہموا ما ابہم اللہ“ جسے اللہ نے مخفی رکھا تم بھی مخفی رکھو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تم ذات کے بارے میں سرے سے بحث ہی نہ کرو کیونکہ تم اللہ کی حقیقت بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے:

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیان چوں بعشق آیم نخل باشم ازاں

میں عشق کی جو شرح بھی بیان کرتا ہوں جب عشق اختیار کرتا ہوں تو شرمسار ہوتا ہوں۔

”دوسرے یہ کہ عیاں کے لئے کیا بیاں؟“ میرے محترم! چونکہ نماز مقرب ترین عمل ہے، اور تجلیات و مشاہدات کا محور ہے، اور اسکے بارے میں یہ حدیث کہ الصلوٰۃ معراج المؤمنین* اور دوسری معتبر حدیث: أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ مُسْنَدُ الْبِزَارِ (259/1) بندہ اللہ کے انتہائی قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

نماز کے مقرب ترین عبادت ہونے کی بین دلیلیں ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سالک کے دل میں نماز کی ادائیگی کے دوران بے حجاب مطلوب اور بے نقاب محبوب کی ہم آغوشی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے، اور عشق و شوق کی زیادتی کی وجہ سے صورت و حقیقت میں تفریق نہیں کر پاتا، اسی وجہ سے نماز کے تمام ارکان میں اس حکیم مطلق نے ایک رکن سے دوسرے رکن میں منتقل کرنے والی تکبیروں اور تسبیحات کا حکم دیا ہے، یعنی اے سالک جب تیرے دل میں وصال کا کوئی خیال پیدا ہو تو جان لے کہ ذات باری تعالیٰ اس سے کہیں برتر و اعلیٰ ہیں۔

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے سالک کے وہم کو (جو اوراد و وظائف کی تجلیات و مشاہدات سے پیدا ہوتا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا ہوتا نہیں) اس طرح بیان کیا ہے:

عکس روئے تو کہ در آئینہ جام افتاد عارف از خندہ مے در طمع خام افتاد

جب تیرا عکس جام کے شیشے میں نظر آیا تو عارف کا دل مسکراتے عکس کو دیکھ کر خام خیالیمیں جا پڑا۔
یعنی عارف کے دل کا خون جو محبت کا گوارہ ہے، تمام نقوش کو مٹا کر تجلی ذاتی کا مرکز بن جاتا ہے، اور یہ تجلی ذاتی اس کی ذات سے وجہ کنایت (صرف ایک تعلق رکھتی) ہے، ایسے میں عارف کا باطن پہلے سے سو گنا ترقی حاصل کرتا ہے، اور بے حد شگفتگی و مسرت اسے حاصل ہو جاتی ہے، تو ناچار بے پردہ ذات کے وصول کے لالچ میں پڑ جاتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ تجلی اسے کہتے ہیں جو ظلیت (پرتو) کے شائبہ سے خالی نہ ہو، کیونکہ تجلی کسی چیز کے دوسرے یا تیسرے مرتبہ میں ظاہر ہونے کا نام ہے:

خلق راہ روی کے نماید او در کدام آئینہ در آید او

لوگوں کو وہ اپنا جمال جہاں آرا کس طرح دکھائے، کونسا آئینہ ہے جس میں وہ سما سکے؟
ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کا وصول ممکن ہی نہیں، جب کہ بڑے مشائخ سے اللہ کا وصول منقول ہے، اور ان میں سے کسی نے یہ بھی کہا ہے:

ذات من نیست جز تجلی ذات ذات بر من زده است راه صفات
میری ذات سوائے اللہ کی تجلی کے کچھ نہیں، اللہ نے مجھ پر صفات کی راہیں بند کر دی ہیں۔
اور اسی طرح کسی اور نے کہا ہے:

حق تو یہ ہے کہ میں اسم و صفت سے گزرے بغیر ذات تک پہنچا ہوں، اس سلسلے میں مشائخ
کے اقوال اس قدر ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی ذات تک وصول مطلقاً ناممکن نہیں، لیکن ذات کی گہرائی میں
پہنچنے کے قائل نہیں، اور اس کے بھی قائل نہیں کہ اس کی کیفیت کو حصول (یا کسی اور) طریقہ
سے پایا جاسکتا ہے، البتہ جو وصول بلا کیفیت (نا قابل بیان) اور بلا ادراک (عقل و سمجھ سے
بالا تر) ہو وہ ممکن اور یقینی ہے، جس کے ثبوت کے لئے دلائل و براہین موجود ہیں۔

اسی طرح کی ایک بات یہ ہے، کہ اس وصول کے باوصف نگرانیاں دامنگیر ہو جاتی ہیں، اور دائمی
غم و اندوہ دولت کے حصول کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتے، اور اس کا سبب دو چیزیں ہیں، پہلا
اس لذت کے ختم ہونے کے نتیجے میں پیش آتا ہے، جو اس سے پہلے صفات کی تجلیات میں
موجود ہوتی ہے، اور باطن ان سے پوری طرح مانوس ہو چکا ہوتا ہے۔

اور دوسرا یہ کہ سالک ذات کی وسعت اور اپنے شوق و تشنگی کی وجہ سے اس مقام کا احاطہ نہیں کر
پاتا اگرچہ وہ خود بسط تر ہوتا ہے، مگر اللہ کی ذات تو وسیع تر ہے، اور یہ تمام وصول بلا کیف ہوتا
ہے، یہاں عارف مستستی کے درجہ میں ہوتا ہے، اور اللہ کی ذات سے کبھی سیر نہیں ہوتا، اور اس
مقام کا کوئی کنارہ ہے نہ نہایت، نہ انجام ہے، نہ آغاز:

بمیرد تشنه مستستی و دریا ہم چناں باقی

پیاسے (پیتے پیتے تھک گئے مگر) اس کے جلوے سے سیر نہ ہوئے اور دریا جوں کاتوں باقی رہا۔
شیخ عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نمی بینی کہ شاہی چوں پیمبر ندیدہ فقر گل تو رنج کم بر

تو نے نہیں دیکھا کہ بادشاہی پیبری اور فقر، کس طرح درجہ بدرجہ ہیں؟

یعنی اس مرتبہ کا وصول کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو، اور جبروت کے خزانہ کا جو ہر باقی نہ رہے قطعاً ناممکن ہے، کیونکہ اس جوہر کی تو ضرورت پڑتی ہے۔ و فوق کل ذی علم علیم*

اگر نہ جاننے اور نہ پہچاننے والے کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس میں طلب کیسے پیدا ہوئی، (جب وہ اسے جانتا ہی نہیں تو کیوں کر) اس نے اس کے لئے مشقتیں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں، آنکھوں کو نمناک کیا ہے؟

تو اس کے جواب میں یہ عرض کروں گا کہ جانتا پہچانتا طلب کی شرط نہیں، بلکہ محبوب کے حسن کی دھوم حریف کو بے قرار اور بے چین کر دیتی ہے، اور محبوب کے جمال کی خوشبو و گفتگو عاشق کی دیوانگی کو جوش دلاتی ہے، اس طرح کے رنگ برنگے پھول اس وادی میں بکثرت کھلتے ہیں، اور اس طرح کی نیرنگیاں اس راہ میں اکثر و بیشتر واقع ہوتی رہتی ہیں، یہ عشق کی آگ میں کودنے والوں کی دیوانگیاں اور جانگدازوں کی لفتنیں ہیں، جو عشق کی دنیا میں اس طرح کے عجائب و غرائب پیدا کرتی رہتی ہیں، مولوی عبدالرحمن جامی فرماتے ہیں:

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

کہ عشق کی آگ صرف یار کے دیدار سے ہی نہیں بھڑکتی بلکہ اکثر یہ دولت یار کے حسن کے چرچے سے ہی مل جاتی ہے۔

آری مقتضائے ادب اس است لائق کبریائے محبوب چنین است

محبوب کی عظمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بلا تحقیق قربان ہو جا!

اے عشق ز عاشقاں عجب نیست معشوق شناسی از ادب نیست

عاشقوں سے بنا دیکھے عشق کا اظہار حیرت کی بات نہیں، کیونکہ معشوق کی تحقیق کرنا ادب نہیں ہے۔

تو یہ جان لینا چاہئے کہ جیسے ذات کو نہ کسی عبارت سے ظاہر کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس کا وصول بھی نہ تو کسی عبارت میں بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ ممکن ہے، آخرت میں دیدار کی طرح کہ جس پر ہمارا ایمان ہے، مگر اس کی کیفیت سے سروکار نہیں رکھتے، ع

بلا بودی اگر ایں ہم نبودی (یہ بھی نہکر سکے تو ڈوب گئی لٹیا۔)

اگر یہ سوال کریں کہ پھر مبتدی اور منتہی میں فرق کیا ہے؟ جب دونوں سوز و گداز میں ایک ساتھ اور اسی راز و نیاز کے طالب ہیں؟ اگر دونوں میں فرق واضح ہو جائے (تو سمجھ لیا جائے کہ منتہی کی منزل تک پہنچنا) مقصود ہے، مگر یہاں تو دونوں میں کوئی فرق ہی نہیں، اگر غم و اندوہ ہے تو وہ بھی دونوں میں یکساں موجود ہے۔

میں اس کے جواب میں عرض کرتا ہوں کہ کہ مبتدی کی وصول سے دوری حقیقی ہے، جبکہ منتہی کی صورتی، مبتدی جب گریہ کرتا ہے تو اس لئے کہ سامنے حجابات کی دیواریں ہوتی ہیں، مگر منتہی تو عظمت و کبریائی کے مشاہدہ سے رو پڑتا ہے، مبتدی ستر ہزار پردوں میں ہوتا ہے، اور منتہی انوار کی چکاچوند میں پہنچا ہوتا ہے، مبتدی اپنی ہستی کا بار کا ندھوں پہ اٹھائے ہوتا ہے، جبکہ منتہی اس کی عظمت سے دبا ہوا ہوتا ہے، مبتدی ابھی تک مادی لباس میں گرفتار ہوتا ہے اور منتہی کو اللہ کے وجود کے ساتھ عزت بخشی گئی ہوتی ہے، وہ سایوں اور خیالوں میں ہوتا ہے، اور یہ واصل ہو چکا ہوتا ہے، اس نے ابھی نفس و آفاق کے دام سے پاؤں نہیں چھڑائے ہوتے، جبکہ یہ ان تمام سے نکل کر منزل بالا تک پہنچا ہوتا ہے۔

الغرض یہ کہ ”بکاء المرید من بکاء الشیخ“ کے مقام پر فائز اس جان جہاں پر اپنی جان کی بازی لگا کر، اسم اور رسم اور نام و نشان سے بے پرواہ گزر کر تنزیہہ مطلق اور غیب صرف کو اپنی توجہ کا قبلہ بنا لیتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ بلند ہمت لوگوں کو عزیز جانتا ہے، کیا خوب کہا ہے :

آں لقمہ کہ درد ہاں نگنجد طلبیم (وہ لقمہ طلب کرتا ہوں جو منہ میں نہ سمائے) خلاصہ کلام یہ نکلا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول اور مطلوب قرب ہے نہ کہ ادراک۔

نانو نجانو کا اور بارک لا کی جانو جاتی جہاں کتے تہاں نانو نہ کانو نہ تھانو
میں محبوب کی انتہا نہیں جان سکا اس کی کیفیت کیا سمجھ سکتا ہوں؟ ہاں! اتنا جانتا ہوں کہ کائنات میں کوئی جگہ کوئی مکان اور کوئی تھان ایسا نہیں جہاں وہ موجود نہیں۔

گر فتم نیا ید ایں عنقاں بدامم تنید نہائے دامش را غلامم
کسی را گر چہ برگ ایں سفر نیست بہ از سودائے او چیزے دگر نیست
مجھے تسلیم ہے کہ عنقا میرے دام میں نہیں آئیگا، مگر میں تو اس کے دام کی رسیوں کا غلام ہوں، اگر کسی کے پاس زادراہ نہ ہو تو اس کے لئے محبوب کا سودا توشہ سے کم نہیں۔

اب ہم اس مکتوب کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کلام پر ختم کرتے ہیں، فرمایا: تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے امکان کو وجوب کا آئینہ اور عدم کو وجود کا مظہر بنایا، اور وجوب و وجود اگر چہ دونوں اس کے کمال کی صفات ہیں، مگر وہ تو ان دونوں سے کہیں بلند ہے، بلکہ تمام اسماء و صفات و شیون و اعتبارات سے دور ہے، اور ہر ظاہر و باطن اور کھلے چھپے سے بلند ہے، اسی طرح تجلیات، ظہورات، مشاہدات، اور مکاشفات سے بھی بہت بلند ہے، اور معقول، محسوس، موہوم، اور تخیل سے بھی ماوراء ہے، الغرض وہ ذات پاک وراء الوراء اور وراء الوراء ہے۔

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ
زعنقا ہست نامے پیش مردم ز مرغ من بود آں نام ہم گم
میں تمہیں اس مقدس پرندہ کا کیا نشان بتاؤں جو عنقا کا ہم آشیانہ ہے، لوگوں کی نظر میں عنقا کا بھی ایک نام ہے، مگر میرے مقدس پرندہ کا تو نام بھی مخفی ہے۔

پس ذات اقدس ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے بے نیاز بلکہ تمام تعریفوں کی منزل اس کی ذات اقدس کے سراپردوں سے پہلے واقع ہے، وہ وہی ذات ہے جس نے خود اپنی ثناء کی اور اپنی ذات کی خود تعریف کی لہذا وہ ذات پاک خود ہی حامد ہے اور خود ہی محمود، کوئی دوسرا اس کی حمد و ثناء نہیں کر سکتا، انتہی کلامہ القدس۔

ہیہات قلم بوقلم در کف اندیشہ گداخت رنگ آخرد و نیرنگ تو تصویر نہ شد
ہائے افسوس میری بوقلمونی (ست رنگیوں) کا قلم اندیشہ کی ہتھیلی میں گھل گیا، رنگ ختم ہو گیا، لیکن
تیری نیرنگی کی تصویر نہ بن سکی۔

عرفان پناہا! ہمارا مباحثہ کسی مقابلہ یا مناظرہ کی بنا پر نہیں، بلکہ اسکا تعلق نیم خامی اور جوش کے ترک سے ہے، امید ہے کہ معاف فرمائیں گے، کیونکہ عذر کریم لوگوں کے یہاں مقبول ہے۔
اور سلامتی ہو اسپر جو ہدایت کی راہ چلا، اور نبی پاک ﷺ کی اتباع پر کار بند ہو گیا۔
حضرت شیخ ابوالرضا نے حضرت شاہ عبدالاحد کے اس مکتوب کے مطالعہ کے بعد جواب لکھا:

دوسرے خط کا جواب

تمام تعریفیں اس ذات اقدس کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہر غلطی و نقصان سے نکال کر اپنی طرف مائل کیا، تو ہم نے اسے اپنی شہہ رگ سے بھی قریب پایا، ایسی حالت میں کہ کوئی حیرانگی تھی نہ پریشانی اور ہر عارف و جاہل کی طرف سے درود و سلام ہو ہمارے نبی و آقا حضرت محمد ﷺ اور ان کی آل پر، یہاں جاہل سے مراد وہ ہے جو حقیقت تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غلطیاں و پریشاں ہوتا ہے؛؛ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ دل کو چھو لینے والی عبارات لئے ہوئے یہاں پہنچا، گویا اس مکتوب میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وصول کی دعوت غلبہ حال کے سبب ہوتی ہے، تو ایسی حالت میں مغلوب کی بات کا کیا اعتبار؟ اور اس کی مثالیں رموز اور اشارات سے اشعار کے روپ میں ظاہر کی گئیں

اس کے علاوہ انوکھی تشبیہات کنایہ اور استعارے تھے، میں نے ان تمام کو اچھی طرح سمجھا، آپ نے پہلی بات جو تحریر کی وہ یہ تھی:

كيف الوصول الى سعاد و دوناها قلال الجبال و دوناها خيوف
والرجل حافية و مالي مركب و الكف صفر و الطريق مخوف
یہ اشعار راستہ کی مشکلات اور وصول کی رکاوٹ کے سلسلے میں واضح ہیں، اور جو میں نے لکھا تھا کہ ہویت ذاتیہ (اللہ تعالیٰ کی احدیت) تک وصول لمبی سیر (عالم خلق و امر کے اعتبارات کی پہاڑیوں کو عبور کرنے) کے ذریعے بہت مشکل ہے، یہ وصول کے حاصل نہ ہونے کی تاویل کی تھی، اور میں نے اس کی نفی بعض اشخاص کے لئے خاص وجوہات کی بنا پر کی ہے، جس کا انکار ناممکن ہے، لہذا اسکے مطلقاً ثابت ہونے اور میری سابقہ نفی میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

میں نے لکھا تھا کہ حق سبحانہ تعالیٰ خاص وجوہ کی بنا پر بندوں کی شہہ رگ سے بھی قریب ہے، اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ بات تو وجود کے بارے میں ہے، لیکن جہاں تک وجدان کا تعلق ہے تو حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بلند و برتر ہے، آپ کی یہ بات عامی لوگوں کے اعتبار سے بالکل درست ہے، لیکن جہاں تک اعتبارات (اسماء و صفات) کے بغیر صرف ذات کی طرف متوجہ ہونے والے حضرات کا معاملہ ہے وہ اس سے مختلف ہے، پس جس طرح حق سبحانہ تعالیٰ وجود میں شہہ رگ سے زیادہ قریب ہے، اسی طرح وجدان اور سریانیت میں بھی

تجدنی فی سواد اللیل عبدی قریباً منک فاطلبنی تجدنی*

اے میرے بندے تورات کی تاریکیوں میں جب بھی پکارے گا مجھے اپنے نزدیک پائے گا۔ (۱)

مر اندر شب تاریک یابی زجان خویش ہم نزدیک یابی

ابوالحسن محرز ۳۳۴ھ کہتے ہیں کہ میں نے یہ اشعار سری لٹکا میں اس پتھر پر کندہ دیکھے جس پر سیدنا آدمؑ کے پیروں کے نشان ہیں، ان اشعار کی کافی تعداد جرجانی نے نقل کی ہے۔ واللہ اعلم۔، تاریخ جرجان، از حمزہ بن یوسف جرجانی۔

مر از دیک خود پیوستہ میداں نمیدانی؟ اگر دانی بیابی
تو مجھے رات کے اندھیرو میں ہی پاسکتا ہے دور جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اپنی جان سے بھی
زیادہ نزدیک، مجھے اپنے ساتھ پیوست سمجھ،۔۔۔ نہیں سمجھتا نہ؟ اگر سمجھے تو مجھے پالے۔
آپ نے اپنے خط میں یہ دوہا بھی لکھا ہے:

پنت نکت سنگم اکم مگر مانہ جیون جہانہ جگہ اکیں مکھ ہیں رہیں ملنہ بہ بہر بہر باہنہ
یار کی تلاش میں زندگی تمام کر دی، ہر جگہ ہر گام ڈھونڈا مگر نہ ملنا تھا، نہ ملا۔
اس کے پڑھنے کے بعد دل ناتواں میں یہ آیا:

ساجن میرے آ یا کل لاکھو بہر بانہ بل مارت پچھرت نہیں نس دن کہوں نجانہ
ساجن نے کیسا احسان کیا کہ میرے پاس آیا اور یہ مژدہ بھی سنایا کہ جدائی کے دن لد گئے۔
میں نے لکھا تھا:

پردہ برخاست تا بدید ستم دوست بادوست کردہ در آ غوش
پردہ زیارت کے لئے اٹھا، تو میں نے دیکھا کہ دوست کو دوست نے حلقہ آ غوش میں لے لیا۔
اس پر آپ نے فرمایا: یہ تمام گلشن تشبیہ کے پھول ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ آپ کے یہاں
ہم آ غوشی کی آرزو کا مفہوم نکلتا تھا، جبکہ میری عبارت میں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

عبار اتناشتی و حسنک واحد و کل الی ذاک الجمال یشیر*
ہمارے انداز و بیان مختلف ہیں، ورنہ تیرا حسن تو ایک ہی ہے، درحقیقت ہمارے بیان کے ہر
انداز کا اشارہ تیرے ہی حقیقی جمال کی طرف ہے۔

آپ کے خط میں لکھا تھا:

عناقشکار کس نشود دام باز چیں کانیجا ہمیشہ باد بدست است دام را

عناقب شکاری کو قابو دیتا ہے، یہاں تو جمال اٹھائے پھرا کرو۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سے انسان کے ادراک اور احاطہ کی تنگ دامنی مراد ہے:

اے کمان و تیر ہا بر خاستہ صید نزد یک و تو دور اندختہ

اے تیر و کمان اٹھانے والے! شکار تو قریب ہے تو نے نشانہ دور کا لیا۔

آپ نے تحریر فرمایا ”مال للتراب و رب الارباب“ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

میں کہتا ہوں قصہ ”معراج میں مذکور ہے کہ یہ بطور ادب کہا گیا، اللہ کا ارشاد ہے:

یا محمد انک اخترت العبدیة تا دبا اخترتک الکرامات الانسیة تفضیلاً*

اے محمد آپ نے بندگی کو ادباً اپنایا اور میں نے تمہیں تمام انسانی خوبیوں کے لئے تفضیلاً پسند کر لیا۔

لہذا پتہ چلا کہ ادب اور چیز ہے اور تفضیل دوسری:

خاک را چوں کار با پاک اوفتاد پیش آدم عرش بر خاک اوفتاد

خاک کو جب اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہو گیا تو پھر عرش بھی انسان کے سامنے جھک گیا۔

آپ کے خط میں لکھا ہوا تھا کہ غم و اندوہ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ دامنگیر ہوتا ہے، اس سلسلے میں

عرض ہے کہ ہمیشہ ہمیش کا غم و اندوہ تو ہمیشہ کا ایک ایسا عذاب ہے جو دوستوں کے لئے نہیں بلکہ

دشمنوں کے لئے ہوتا ہے، دوستوں پر تو ہر وقت ناز و نعمت کی بارش اور مقربین کے لئے راحت

ہی راحت ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنة نعیم* (الواقعه ۸۹)

تو اگر ہو بندہ مقربین میں سے تو اس کے لئے خوشی راحت اور نعمتیں ہیں جنت کی،

آسودہ بکام خویش از وصل حبیب نہ بیم فراق است نہ تشویش رقیب

جو اپنے آپ میں ہی دلبر کے وصال سے آشنا ہو گیا اسے نہ جدائی کا خوف رہا نہ رقیب کا اندیشہ۔

خط میں لکھا ہوا تھا:

تاچست حقیقت ز پس پردہ و برون

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون

اس کے بارے میں میرا کہنا یہ ہے کہ ابھی تک پردہ کے پیچھے جان و مال باقی ہے، اور مشتاق کی حالت بھی یہی ہوتی ہے، مگر جب کوئی جان و دل سے ہی گزر جائے تو وہ پردہ کے اندر چلا جاتا ہے، اور پکارا اٹھتا ہے:

راز درون پردہ ز زندان مست پرس کیں حال نیست ز اهد عالی مقام را
پردہ کے پیچھے کے رموز تو مست رندوں سے ہی پوچھ، کیونکہ مرتبہ ظاہر کا تو یہ مقام ہی نہیں۔
لکھتا تھا:

نہی گرد رپیم پیل جہاں زی پائی دیکھو کار ج بنہ کو چو کچست پن جی دوہائی
میں اپنے گرد دھر کو کہاں کہاں ڈھونڈتی رہی، اور وہ مجھے میرے دل میں ملا، میں تو حیران رہ گئی۔
اس دوہے کے حسن کے متعلق کیا لکھوں، تاہم میرے ناتواں دل میں یہ آیا:

سات سمندر پیم کئی نیت اکم اپار کچست تنی بہ کئی بہر لا کی ار وار
میرے پیاسات سمندر پار ہیں ہر سمندر ناپیدا کنار، لیکن میں پھر بھی اس کے قرب سے محروم نہیں۔
آپ نے تحریر فرمایا ”ولا تضر بواللہ الا مثال الخ“ میں عرض کرتا ہوں ”واللہ المثل الاعلیٰ“
اور یہ جو شعر ہے کہ

وغنی بی منی قلبی فغنیت کما غنی و کنا حیث ما کانوا و کانوا حیث ما کنا
میرا دل میرے بارے میں مجھ سے ہی نغمہ سرا ہوا تو میں بھی اس کے ساتھ گانے لگا، جہاں ہم تھے
وہاں وہ، جہاں وہ تھے وہاں ہم۔

اس سے وفاق (جوڑ) مراد ہے، فراق (جدائی) نہیں، حضرت شیخ رحمہ اللہ جو کہ مکتوب الیہ (شیخ ابوالرضا) کے دادا اور بزرگ ہیں، ان کے مضمون میں کوئی تشبیہ اور مثال نہیں دی گئی جیسا کہ ان کے اقتباس سے ظاہر ہے،

چہ گوئیم با تو از مرغی نشانہ کہ با عنقا بود ہم آشیانہ

زعنقا ہست نامے پیش مردم زمرغ من بود آں نام ہم گم
میں اپنے مطلوب مرغ کے متعلق تجھے کیا بتاؤں کہ وہ تو عنقا کا ہم آشیاں ہے، عنقا کا لوگوں میں نام
تو ہے، میرے مرغ کا تو نام بھی نہیں۔

ان اشعار میں مرغ اور عنقا کیساتھ اس کی ہم نشینی سے مراد اللہ تعالیٰ کی علو شان ہے۔

فکلامکم منطق الطیر ان لم يفهم غیر فلا خیر

آپ کا کلام پرندوں کی زبان میں ہے، سوا گردوسرے لوگ اسے نہ سمجھیں تو بے فائدہ ہے۔
لکھا تھا کہ اللہ سے محبت کرنے والوں کے امام (موسیٰ) نے لن ترانی کا زخم برداشت کیا،
میرے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں باری تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے،
آپ نے لکھا ہے کہ اللہ کے محبوبوں کے سر تاج (محمد ﷺ) نے بھی ”لیس لک من
الامر شئی“ کی صدا سنی، میرے خیال میں اس آیت کے شان نزول میں امر سے مراد
ایصال (تصرف) ہے نہ کہ وصال، کیونکہ اس کے بلند رتبہ کی شان تو یہ ہے:

دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی* (النجم ۹)

مکتوب گرامی میں آپ نے لکھا کہ جس (موسیٰ) کو ہم کلامی سے نوازا گیا اس نے یہ صدا بلند کی
”یضیق صد ری ولا ينطلق لسانی“ (میرا سینہ تنگ ہوتا ہے اور زبان ساتھ نہیں
دیتی) میرے خیال سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں معنی کے حقائق اور مکشوفات (اللہ کی جانب
سے دکھائی گئیں چیزوں) کے اسرار بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو فرعون کے انکا
رے کی وجہ سے جل کر توتلی ہو گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی، اسی وجہ سے میں تنگ دل ہو جاتا
ہوں، اس مفہوم کی دلیل یہ ہے:

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي [طه : 27] (میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ لوگ میری
بات کو سمجھ سکیں، اور اسی طرح یہ آیت: ”وَإِخِي هَارُونَ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ

مَعِيَ رِذَاءًا [القصص: 34] (اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ واضح ہے، ان کو میرے ساتھ بھیج دیجئے۔)

کیونکہ تبلیغ و ارشاد کی دعوت کا فریضہ فصیح و بلیغ آدمی ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے، خط میں لکھا تھا کہ جسے جوامع الکلم کی دولت عنایت کی گئی اس نے بھی ”لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ“ کا نعرہ لگایا، میرے نزدیک احصاء سے مراد یہاں پر پوری طرح شمار ہے اور معنی یہ ہے کہ تیرے تمام کمالات عیان (مشاہدہ میں آنے والی چیزوں) میں داخل نہیں، اور ثناء و بیان عیان کے بعد ہوتے ہیں، جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے جس کا آخری ٹکڑا آپ نے چھوڑ دیا تھا، انت کما اثنت علی نفسک۔ (جیسی ثنا آپ نے خود اپنی کی)

میں نے بیان کیا تھا ”ما من عیان الا وله بیان“ (ہر عینی چیز کا بیان ہوتا ہے) اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

الرحمن * علم القرآن * خلق الانسان * علمه البيان * (الرحمن ۴، ۱)

رحمن! جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا، اسے بیان پر قدرت عطا فرمائی۔

اسکا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے قرآن سکھایا جو تمام ذاتی، صفاتی، اور انفعالی معارف کا مجموعہ ہے، اور اس نے انسان کو پیدا کر کے اسے باقی تمام حیوانات سے اس بیان کی خصوصیت کی وجہ سے ممتاز بنایا، جس پر پورا قرآن مجید مشتمل ہے۔

خط میں لکھا تھا: جو عیان سے بالا ہوگا وہ بیان سے خالی ہوگا، میں عرض کرتا ہوں یہ درست ہے، لیکن یہ اس قول کے منافی نہیں جس کا مفہوم ہے کہ جو عیان کے ذیل میں آتا ہے وہ بیان میں داخل ہوتا ہے، آپ نے تحریر فرمایا کہ دگر عیاں را چہ بیاں۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ صاحب عیان کے لئے بیان کی حاجت نہیں، اور جو صاحب عیان نہیں وہ بیان کا محتاج ہے، یہ اور ہے وہ اور، آپ کا قول کہ ”انما نمنع الوصول

الی کنہ الذات ودرک کیفیتہ“ ہم صرف حقیقت ذات تک رسائی اور اس کی کیفیت کے ادراک کے منکر ہیں، اسکے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ عطف (و) اور ارجاءہ (کے اشارے) کی وجہ سے کیفیت کا اثبات (ماننا) لازم ہو جاتا ہے، چاہے وصول کے لئے ہو یا ذات کے لئے۔ (اس پیرے کی تشریح شاہ صاحب کے نوٹ میں آرہی ہے۔)

اور آپ نے یہ جو لکھا ہے کہ کسی ایسے مرتبہ تک پہنچ جانا کہ اس سے بالا کوئی مرتبہ تصور میں ہی نہ آسکے محال ہے، صفات کی سیر میں تو یہ بالکل صحیح ہے، لیکن بلا اعتبارات (اسماء و صفات سے الگ) ذات تک وصول کے بعد تو کوئی مرتبہ تصور میں آ ہی نہیں سکتا، اور یہاں عرفاء پہنچے ہیں۔

لیس وراء العبادان قرية* (عبدیت سے آگے کوئی مرتبہ نہیں۔)

مکتوب میں لکھا تھا کہ عشق بازوں کی دیوانگیاں ہیں، میں کہتا ہوں کہ مجھے عشق سے کیا سروکار؟ جب کہ عشق حجاب ہے، اور عاشق و معشوق حقیقت کے رخ کا نقاب، اس کے علاوہ یہ کہ عشق دلوں میں لگی ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کے علاوہ سب کچھ بھسم کر ڈالتی ہے، بس کیا ہی اچھا جنون ہے، اور کیا ہی خوب محنوں! کلام قدسی ہے:

انت عشقی وانا عشیقک یا محمد ﷺ!

درد عشق آمد دوائے ہردلے حل نشد بے عشق ہر گز مشکلی
گر عشق ہمیں مونس و ہم خانہ ماست غم ہا ہمہ یک جرعه پیمانہ ماست
ہردل کی دوا عشق کا درد ہے، عشق کے بغیر کوئی مشکل آسان ہی نہیں ہوتی، اگر یہی عشق میرا مونس و ہم خانہ ہے، تو سارے غم میرے پیمانہ کا ایک گھونٹ ہیں۔

از عقل فرو گزر کہ در عالم عشق او نیز غلام دل دیوانہ ماست

عشق میں عقل سے بے پرواہ ہو کے چل، کیونکہ یہ بھی میرے دیوانے دل کی غلام ہے۔

آپ کا یہ قول کہ گزشتہ بحث اخروی دیدار کی طرح ہے، جس پر ہم ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس

کی کیفیت سے سروکار نہیں، آپ کی یہ بات دیدار کی کیفیت کے بارے میں صریح ہے، اور وصول کے لئے مثلثیت کو لازم کرتی ہے اور یہ دونوں کیف ہیں۔

مکتوب گرامی میں تحریر تھا کہ اسم و رسم سے گزر کر غیب اور تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانا چاہئے، اللہ تعالیٰ عزائم کی بلندیوں کو پسند فرماتا ہے، آپ کی اس تحریر سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ توحید میں بند ہو کر رہ گئے ہیں، جو اس راہ کا بیچ ہے، اور ایسے میں ہی مغلوب الحال ہو گئے ہیں، گویا آپ نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں، مزید ترقی کی کوشش کیجئے اور جان لیجئے کہ میرا اور میرے بلند ہمت احباب کا یہی مسلک ہے۔

اسم و رسم سے بے نیاز گزر کر تنزیہ مطلق کو اپنی توجہ کا قبلہ بنانے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا ہے اس کے متعلق میں مزید عرض کرتا ہوں کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کا حاصل ہونا ہی محال ہے، کیونکہ توجہ کے لئے توجہ کرنے والے اور مطلوب دونوں کا ہونا ضروری ہے، جب کہ متوجہ کی ذات بالاتفاق رسم اور خود لفظ متوجہ اسم ہے، تو یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسم و رسم کے بغیر توجہ کو مقام تنزیہ پر مرکوز کر دینا چاہئے، تنزیہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ہے مگر درحقیقت نہ تو کوئی مقام ہے اور نہ مقیم۔ اللہ تعالیٰ کو بلند ہمت پسند ہیں۔

آپ کا یہ کہنا کہ مقصود وصول ہے نہ کہ حصول، میرے خیال میں صوفیاء کے قول صعب الحصول (مشکل سے حاصل ہونا) کی طرف اشارہ ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ تو وصول کی خبر ہے۔

جہاں تک شیخ کبیر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے کلام کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دقیق معارف اور غریب حقائق پر مشتمل ہے، لیکن آپ نے ان کے کلام کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے: انتھی کلامہ القدس * ان کا قدسی کلام یہاں ختم ہوا۔

یہ الفاظ یعنی کلام قدسی صرف اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہیں، اس کا اطلاق تو اس کے انبیاء و اصفیاء پر بھی نہیں کیا جاسکتا، چہ جائے کہ ایک ولی کے کلام پر ان کا استعمال کیا جائے۔

میرے دوست آپ سے یہ حقیقت چھپی نہیں کہ مقررین کے لئے ”قیود، ہمیشہ ہمیش کا غم و مایوسی اور محرومی“ جیسے الفاظ کا استعمال طالبین کے جذبہ کو کمزور کرتا ہے، جبکہ نصوص بھی اس کے حق میں نہیں، ہمیں تو بندوں کو یہ سمجھانے کا حکم دیا گیا ہے، کہ ان کا رب ان سے قریب ہے، وہ اس کی طرف میلان کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ [البقرة: 186]** (جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو بتا دیجئے کہ میں بہت قریب ہوں۔) اور اسی طرح اللہ کا فرمان ہے:

قربوا لى عبادى ولا تبعدونى* (مجھے میرے بندوں سے قریب لاؤ، دوری نہ بڑھاؤ)

گفتم ملا! ترا کجا جویم من در خلعت وصف تو چہا گویم من

گفتا کہ مرا مجو بر عرش و بہشت نزد دل خود جوئی کہ بر تویم من

میں نے عرض کیا: شاہا! تجھے کہاں تلاش کروں؟ اور تیرے اوصاف کے بارے میں کیا بیان

کروں؟ تو جواب ملا کہ مجھے نہ عرش پر تلاش کرو اور نہ جنت میں، اپنے دل کے قریب ڈھونڈو کہ

میں تمہارے اندر ہوں۔

میرے دوست! آپ نے جو کچھ مجھے لکھا وہ محض جذبہ خیر خواہی کا اظہار تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ باقی رکھے، اور اس طرح جو کچھ میں نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا وہ بھی محض جذبہ محبت، خلوص، اور سچہتی کی بنا پر۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ان کے قول کہ اس دوہے ”نبی گرد در پیم الخ“ کے حسن کے بارے میں کیا لکھوں، کی وضاحت یہ ہے کہ یہ دوہا آپ کے دعوے کے مخالف ہے، لیکن ایک خاص صورت میں صرف عاشقوں کے لئے فائدہ مند ہے، حضرت شیخ کا یہ قول کہ دل ناتواں میں یہ آیا ”سات سمندر الخ“ یہ دوہا پہلے دوہے کے برعکس فنا و بقاء دونوں کی حقیقت کو بیان کرتا ہے، اسی طرح ان کا یہ قول: عطف اور ارجاء کی وجہ سے کیفیت کا اثبات الخ، تشریح طلب ہے کہ

کیفیت کے سلسلے میں ضمیر ”علیٰ“، کسی شے کی تاویل کرتے ہوئے ”وصول“ کی طرف لوٹتی ہے یا ذات کی طرف؟ عطف یا تو وصول پر ہے یا ذات کی حقیقت پر، پس اس جگہ نحو کے اعتبار سے چار معانی بنتے ہیں، پہلا یہ کہ کیفیت وصول کا علم نہیں ہونے دیتی، دوسرا: کیفیت ذات کے اثبات پر دلالت کرتی ہے، تیسرا: کیفیت وصول کے ادراک کی نفی کرتی ہے، اور یہ پہلے معنی کی طرح ہے، چوتھا: کیفیت ذات کے ادراک سے وصول کو روکتی ہے، دوسرے کے ہم معنی۔

جب یہ مکتوب شیخ عبدالاحد رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پھر اس کا جواب لکھا جو یہ ہے:

تیسرا مکتوب

بسم الله الرحمن الرحيم

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جو اپنے باطن میں ظاہر بھی اور اپنے ظاہر میں بھی باطن بن کر رہی، جس نے عدم کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اپنے وجود کے نور سے منور کیا، اور درود و سلام ہو اس ذات گرامی پر جس کا نور تمام موجودات سے پہلے ہے اور جو تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں، اور اسی طرح انکی آل و اصحاب اور تابعین پر درود و سلام ہوں قیامت تک۔

عارفین کے حقائق اور علماء کے دقائق پر مشتمل آپ کا مکتوب ملا جس میں معرفت کے قیمتی نکات اور معرفت کے بلند اسرار کے ساتھ ساتھ کئی طرح کی عبایات اور اعزازات کا اظہار بھی تھا، چونکہ آپ کے مبارک خط میں ہمارے کئی مضامین پر تبصرہ تھا، اس لئے ہم اپنی کوتاہیوں اور نا سمجھی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے خط کی عبارات اور ان پر آپ کے تبصرے کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں، بزرگوں کے یہاں عذر معتبر اور اصلاح و ہدایت ان کا طریقہ ہے، سلام و دعاء کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول:

بالکل بے غبار ہے، بعض اکابر بزرگوں کا ایک نکتہ خراز نے بیان کیا، جس کے بارے میں سید الطائفہ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی انتہا ہے جس سے آگے کچھ نہیں، اور سید الطائفہ وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق شیخ اکبر نے فرمایا کہ وہ حق کی زبان ہیں، اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیخ الشیوخ نے کہا کہ شیخ اکبر تو ایک ایسا سمندر ہیں جس کا کنارہ نہیں، اور وہ نکتہ یہ ہے:

الوجد عند وجود الحق مفقود* (ذات باری کی نسبت کسی کا وجود نہیں ہے۔)

باقی آپ کا یہ فرمانا: هذا بالنسبة الى الاكثرين الخ (یہ اکثر لوگوں کے نزدیک ہے)

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ، بالنسبة الى الاكثرين نہیں، بلکہ بالنسبة الى الكل ہے، کیونکہ یہاں پروجدان سے مراد حقیقت کا ادراک، احاطہ اور اس کا ذہنی حصول ہے، البتہ جو وجدان اس معنی میں نہیں ہے اسے اکثر کے نزدیک کہنا درست ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ آپ کی عبارت میں معانقے (گلے ملنا) کی آرزو کا اظہار ہے، جبکہ میرے یہاں اس کے حصول کی طرف اشارہ ہے، تو اس سلسلے میں عرض کرتا ہوں کہ جس کی تمنا اور آرزو کی جارہی ہو اس کا مرتبہ اس سے بلند ہے جو حاصل ہو چکا ہے، اور جب یہ معمول ہی (جس کی آرزو کی جارہی ہے) اس محصول کی طرح آسان ہو گیا تو ہم نے وصول کے لئے محصول پر اکتفاء ہی نہیں کیا، آپ نے فرمایا:

عبارت ناشتی و حسنک واحد و کل الی ذاک الجمال یشیر

آپ کا حسن یکتا ہے، اور اشارہ سب کا اسی جمال کی جانب ہے بھلے ہی ہماری عبارات مختلف ہیں۔

کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا ہے جیسا کہ علانی رحمہ اللہ علیہ نے کہا:

نداغم آں گل رعنا چہ رنگ و بودارد مرغ ہر چمنی گفتگوئی اودارد

مجھے معلوم نہیں کہ وہ پھول کیسی رنگت و بو کا ہے کہ ہر پرندے کی زبان پر اسی کا ذکر ہے۔

لا کہہ سہیلی ایک پیو جہو دس پی پی ہوئی ناجانو کس ران و سی کون سہاگن ہوئی

ایک پیما کی کتنی بھی گوپیاں ہوں، (اس سے فرق نہیں پڑتا) لیکن جب ایک کے دس دس پیما ہیں تو سمجھ میں کیسے آئے کہ کسی کی بیوگی کا اظہار کرے، یا کسی کے سہاگ کا سنگار۔

ہمارے اس قول کہ: **ماللتراب ورب الارباب*** کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ تادبا تھا اور تفضل دوسری چیز ہے کے متعلق عرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں: لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة* (الاحزاب ۲۱)

ہمارا یہ کہنا کہ ابدی حزن و اندوہ اللہ کے مقرب بندوں کو دامنگیر ہوتا ہے، اور وصال مطلق سے سردی مایوسی و محرومی اللہ کے خاص بندوں کے حصہ میں آتی ہے، اس پر آپ نے یہ فرمایا کہ ابدی حزن چاہے وہ کسی بنا پر بھی کیوں نہ ہو، مستقل الم و عذاب ہے، اور یہ تو عام مؤمنین کے شان کے لائق بھی نہیں، چہ جائے کہ مقربین کی بات کی جائے، اسکے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ نظریہ نصوص قطعی کے بھی خلاف ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں کئی بحثیں ہیں، بہتر ہوگا کہ ان میں سے ضروری باتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ یہ مسئلہ پوری طرح کھل جائے۔ آپ سے یہ بات مخفی نہیں کہ ابد و سردی کا اطلاق جس طرح خلود پر ہوتا ہے بالکل اسی طرح زندگی کی مدت پر بھی ہوتا ہے، جیسا کہ لغت و عرف اس پر شاہد ہیں، چنانچہ فرمان ہے: وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا [النور: 4]“ ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ محبت میں حزن و غم اور وصال مطلق سے ناامیدی جو محبوب کی عظمت کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہے، مقربین کا خاصہ ہے، اور جب تک وہ اس زندگی کی قید میں رہیں ان کی یہ حالت قائم رہتی ہے، چاہے وہ تجلیات و مشاہدات کے اعزاز سے بھی مشرف ہو جائیں، اسکے برعکس جس کا وعدہ کیا گیا ہے (آخرت کی زندگی میں) وہ اس موجودہ زندگی سے کہیں بہتر ہے:

وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَى [الضحی: 4]

(آخرت میں آپ کا حصہ دنیا سے اچھا ہے)

مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ [العنكبوت: 5] (جو اللہ کا مشتاق ہو تو اللہ کا مقرر

کیا وقت آیا ہی چاہتا ہے)

ان آیات میں اسی طرف اشارہ ہے، پھر غم و ناامیدی جو کہ ظلال (سایہ) کے مراتب سے نکل کر اصول (جڑوں) تک پہنچنے کے بعد اور صفات کے مدارج سے ترقی پا کر اللہ رب العزت کی ذات تک رسائی حاصل کر لینے کے بعد حاصل ہوتا ہے یہ ایسی خصوصیت ہے جو ان مراتب پر فائز اصحاب کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتی:

فرعون راند ایم اے دوست! درد سر
زیرا کہ او نہ داشت سر درد ہائے ما

میں نے فرعون کو اس لئے سر کا درد نہیں دیا کہ اس کے سر میں ہمارا سودا ہی نہ تھا۔

اے عارف باللہ درحقیقت مدح کی یہ قسم (فرعون کی تعریف) ذم (برائی) کے معنی میں اور کمال نقص ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فرمان اسی قبیل سے ہے:

إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا [الأحزاب: 72] (بے شک انسان بڑانا سمجھ اور نادان ہے) کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے محض نام کی بنا پر اس (غم و اندوہ) کو دشمنوں کا حصہ قرار دے دیا اور دوستوں سے اسے بعید بتایا، اور آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآنی آیات بھی پیش کیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

يَا عِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ [الزخرف: 68]

اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہاں الیوم سے مراد قیامت کا دن اور آخرت کی زندگی ہے، اس کے بارے میں ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، اور آپ کے لئے اس سے زیادہ فصیح و بلیغ کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا، دوسری آیت یہ ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ [يونس: 62]

سنو! اولیاء اللہ کے لئے کسی خوف کی گنجائش نہیں، نہ وہ لوگ کبھی غمگین ہو پائیں گے۔

مفسرین کے مطابق یہ آیت بھی آخرت سے متعلق ہے، اہل حقائق نے بھی اسے آخرت کی ایک بشارت قرار دیا ہے، یہاں تک کہ بعض نے کہا ہے کہ ولی کو اپنی ولایت کے متعلق علم ہو، یہ بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ عبدیت اور بندگی کی خصوصیت یعنی خوف کو ختم کرتا ہے، جیسا کہ تعرف میں لکھا ہے، اور انہی آیتوں میں سے ایک یہ ہے:

فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ * فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ * (الواقعه ۸۹، ۸۸)

پھر وہ مرنے والا اگر مقربین میں سے ہو، تو اُسکے لیے راحت، عمدہ رزق اور نعمت بھری جنت ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے تو کسی قسم کا استدلال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ راحت اور ریحان کا صرف آخرت کی زندگی میں مقربین کے لئے ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرتا، اور آپ کی پیش کردہ آیات میں سے ایک یہ ہے:

إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمَ الْكَافِرُونَ * (يوسف ۸۷)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت (روح) سے ناامید نہیں ہوتے مگر کفار۔

اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس سے کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر روح سے بحیثیت مجموعی اس کے تمام اقسام مراد ہیں تو اس صورت میں اس کے بعض اقسام سے ناامیدی میں کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر اس کے ہر ایک جز سے ناامیدی مراد ہے تو یہ بالاجماع غلط اور باطل ہے، کیونکہ رَوْحِ (رحمت) کی بعض قسموں (رسالت، نزول وحی وغیرہ) سے تو ناامید ہونا ہی ایمان ہے، اور اگر اس سے مراد (روح کی) بعض اقسام ہیں تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں، یا تو یہ اقسام مقرر ہیں (نبوت وغیرہ) تو ایسی صورت میں ان کے بیان کی ضرورت نہیں، یا غیر معین اور مطلق ہیں، یہ دونوں صورتیں آپ کے لئے سود مند نہیں۔

اے عارف باللہ! جس طرح خالص ناامیدی اس آیت کی رو سے کفر ہے، اسی طرح بالکل نڈر ہونا بھی کفر ہے، ارشاد خداوندی ہے:

لا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون* (الاعراف ۹۹) (اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہیں ہوتا مگر خسارہ والا)
 دوسری جگہ ارشاد ہے: و خافون ان کنتم مؤمنین* (ال عمران ۱۷۵) (اگر مومن ہو تو مجھ سے ڈرو)
 اور اسی لئے کہا گیا ہے ”الایمان بین الخوف والر جاء“ (ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے)
 اور اس سے پہلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ کر چکا ہوں ”ان اللہ یحب کل
 قلب حزين“ (۱) (اللہ تعالیٰ غمگینوں کو پسند فرماتے ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا: من اراد اللہ به خیر
 جعل فی قلبه نائحة“ (اللہ تعالیٰ جس کے لئے خیر چاہتے ہیں اسے روٹا بنا دیتے ہیں) اور اسی طرح
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حدیث میں آتا ہے ”انہ کان دائم الحزن و متواصل الکفر“
 اور آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ نماز میں روتے رہتے اور اس طرح غمگین و اندوہ گین ہوتے
 لیکن ترش روئی قریب نہ پھٹکتی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ رورہے تھے، کہ جبرئیل امین
 نے آ کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور اس گریہ وزاری کا سبب پوچھا ہے،
 (حالانکہ وہ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے) آپ نے فرمایا دوزخ کے خوف سے رورہا ہوں،
 تھوڑی دیر بعد جبرئیل امین پھر حاضر ہوئے اور کہا اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ”انالم نجعلها
 لاولیائی“ ہمنے دوزخ اپنے دوستوں کیلئے نہیں بنائی، حضرت داؤد علیہ السلام مطمئن ہو گئے،
 تھوڑی دیر بعد پھر رونے لگے، جبرئیل امین نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے
 فرمایا شوق جنت میں رورہا ہوں، اس پر جبرئیل امین نے کہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”انسی
 جعلتها لاحبائى“ جنت میں نے اپنے پیاروں کے لئے ہی بنائی ہے۔

یہ بات سن کر حضرت داؤد کو پھر سکون آ گیا، کچھ دیر بعد انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا،
 جبرئیل امین نے آ کر حسب سابق پھر رونے کا سبب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا میں ذات باری

کے شوق وصال کی تمنا میں رو رہا ہوں، جبرئیل نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے شوق وصال کی تمنا میں جس وقت تک چاہو روتے رہو، اس پر کوئی پابندی نہیں۔

زندگی کا جنگل تو طے ہو گیا لیکن عشق کے دشوار گزار راستوں کا کوئی انجام نہیں، نمونہ کے طور پر ہم نے مشائخ عظام کے اقوال میں خواجہ عبدالخالق غجدوانی کا قول نقل کیا ہے، کہتے ہیں:

”اے بیٹے میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تیرا دل ہمیشہ غمگین اور آنکھ ہمیشہ تر رہنی چاہئے، تیرا عمل خالص اور تیری دعاء میں عاجزی ہونی چاہئے“۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے خدا درد مراد رماں مکن درد منداں راز بے درداں مکن

اے اللہ میرے درد کا درماں نہ کر اور درد مندوں کو درد سے محروم نہ کر۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا ”میرے لئے دن اور رات دونوں میں کوئی خوشی نہیں ہے، اس لئے میں دن کی پرواہ کرتا ہوں اور نہ رات کی، کیونکہ جیسے خوشی شریعت میں کجروی کا باعث بنتی ہے ویسے ہی یہ سلوک کی راہ میں پستی کا سبب بنتی ہے“۔

یہ ایسے امور پر پردہ کینا طر ہے جو بعض دوسرے حقائق کا پتہ دیتے ہیں، آپ نے لکھا ہے:

سات سمندر پیم کے پنت اکم اپار کچپت تہی تہیکی بہرلا کی اروار

جیسا پیچھے گزر چکا ہے پھر عرض کرتا ہوں کہ، ذات باری کے استغنا اور اس کی کبریائی کی بات ہے، اس پر میرے ذہن میں دو شعر موزوں ہو گئے، ان میں سے ایک تو اسی مضمون کا ہے، اور دوسرا اس کے جواب میں ہے، عجیب بات یہ ہے کہ اس سے قبل ہندی زبان میں کبھی میں نے کوئی شعر نہیں کہا، دوہا:

سات سمندر پار پیو ہوں اکیانی نار نہیں نہیں بنا کہوتی کسمس اتروں پار

پیم سمندر رے سکھی تہا نہیں جس دھار پار لگی لے لاکھوں لوگ بیکس اروار

پیا سات سمندر پار ہیں اور میں اکیلی، کھیون ہار ہے نہ کھیوتی، پیا سے ملوں کیسے؟

سکھی ری! میں نے ایسے کتنے سمندر پار کئے جن کی کوئی تھاہ نہیں تھی، یہی نہیں بلکہ جانے کتنے مجبوروں کو بھی پار اتارا ہے۔

ہم نے کہا تھا: ”لا تضر بوالله الامثال“ (اللہ تعالیٰ کو مثالوں سے بیان نہ کرو) آپ نے فرمایا ”وللہ المثل الاعلیٰ“ (اللہ تعالیٰ کی مثالیں بڑی اعلیٰ ہیں) میں عرض کرتا ہوں کہ یہ آیت اپنی جگہ مکمل اور سابقہ آیت کریمہ کے لئے دلیل ہے۔ (۱)

آپ نے لکھا ہے لن ترانی سے مراد ان آنکھوں سے اس دنیا میں دیدار کی ممانعت ہے لیکن اس گروہ کے لئے ایک اور جہاں بھی تو ہے، میں کہتا ہوں یہ بات درست ہے کہ اس گروہ کا ایک دوسرا عالم بھی ہے جیسے کے ہمارے والد گرامی نے قول رب:

بل ہم فی لبس من خلق جدید (ق 8) یہ تو نئی تخلیق کے معاملے میں الجھ کر رہ گئے۔

کی تاویل اس طرح کی ہے ”یعنی وہ حقائق اور اسرار کے ادراک سے دور ہیں، اور اس کی وجہ وہ امیدیں ہیں جو انہیں نئی زندگی دوسرا جنم اور فنا کے بعد دوسرا وجود بخشی ہیں چاہے وہ گھٹیا قسم کی چیزوں سے بھرا ہوا کیوں نہ ہو، یہ آیت انہیں مجوبین کے بارے میں ہے، لیکن پھر بھی استغناء کئی منزل دور ہے۔

التعرف (۲) میں کہا گیا ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اس دنیا میں نہ تو ان ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے دل کی حقیقی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے، ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا ہے تجلی ذات متجلی لہ کی صورت ہی میں ظاہر ہوتی ہے، پس متجلی لہ نے حق کے آئنے میں جو کچھ دیکھا وہ اس کی اپنی صورت کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس نے نہ حق کو

۱ پہلی آیت میں عام مثالوں کی ممانعت ہے، دوسری میں خاص و اعلیٰ مثال کی اجازت۔

۲ التعرف لمذہب اہل التصوف، مصنف محمد بن ابرہیم بن یعقوب اللبابا ذی البخاری، ابو

دیکھا اور نہ ہی اس کو دیکھنا ممکن ہے۔ یحذر کم اللہ نفسہ* چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی زندگی میں دوبارہ جی اٹھنے کا مشاہدہ کیا، ہمارے قول: ”سردار محبوبان خدا کو سننا پڑا“ لیس لک من الامر شیء“ (آل عمران ۱۲۹) (پیارے! آپ اس کی ٹینشن نہ لیں)

اس کے بارے میں آپ کا یہ کہنا کہ اس کا شان نزول ایصال ہے وصول نہیں، تو اس بارے میں عرض ہے کہ اصل تفسیر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما كنت تدرى ما الكتاب ولا الايمان ولكن جعلناه نوراً انهدى به، الخ* (شوری ۵۳)

آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا، لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا، ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس کے ذریعہ ہدایت دیتے ہیں۔^۱

ہمارا یہ قول کہ جسے اس نے ہم کلامی سے نوازوہ بھی پکارا اٹھا کہ میرا دم گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں کھلتی، اسکے متعلق آپ نے یہ تشریح فرمائی کہ (حضرت موسیٰ نے عرض کیا) میں معانی کے حقائق اور معرفت کے نکات بیان تو کرنا چاہتا ہوں لیکن میری زبان جو فرعون کے انکارے کی

آیت کا شان نزول یہ ہے، غزوہ احد میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے تو امت کے حق میں درد مندی کا اظہار فرماتے ہوئے زبان رحمت پر پر یہ الفاظ آگئے کہ وہ تو م کیسے فلاح پائیگی جس نے اپنے نبی کو یہ تکلیف پہنچائی، حالانکہ نبی ان کو ہدایت کی جانب بلارہا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی، شیخ ابوالرضا کا موقف یہ ہے کہ آیت میں تصرف سے انکار کیا گیا ہے یعنی آپ کو یہ اختیار نہیں کہ ان کفار کے متعلق کوئی فیصلہ کر سکیں، یہ کام اللہ کا ہے، جہاں تک وصول یعنی اللہ کو پانے یا ذات باری تعالیٰ تک رسائی ہے تو آیت میں اس سے انکار نہیں کیا گیا ہے، جب کہ شیخ عبدالاحد اس کو ذات باری تک پہنچنے سے عاجز ہونے کے معنی میں لے رہے ہیں، اس میں شک نہیں کہ شیخ ابوالرضا کا موقف زیادہ مضبوط ہے، یہ تمام بحث اس وقت ہے جب ہم آیت کو رسول کے لئے زجر و توبیح، اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے معنی میں لیں، جب کہ آیت کا سابق اس بات کا تقاضہ کرتا ہے اور بعض تفسیروں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے، کہ یہ آیت تسلی کے معنی میں ہے یعنی آیت میں کہا گیا ہے کہ آپ ان لوگوں کی فکر نہ کریں، اور ان کی جانب سے قطعی مایوس نہ ہوں، اور انکی آئی گئی کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ رکھئے، وہ ان سے خود سمجھ لے گا، یقیناً ظالم تو یہ ہیں ہی، لیکن ان میں بھی بعض ایسے ہیں جن کی توبہ ہو جائیگی اور وہ ایمان لے آئیں گے۔

وجہ سے جل گئی ہے میرا ساتھ نہیں دیتی، اس کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ ساری باتیں تفسیر سے متعلق ہیں، اور کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرتا، مگر جو ہم نے بیان کیا ہے یہ بات راسخین کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لکل حرف ظهر و بطن* (۱)

ہر حرف کے دو پہلو ہوتے ہیں، ظاہر اور باطن۔

جس شخص نے ظاہر پر اکتفاء کیا اس نے ہدایت حاصل کر لی اور جس کی بصیرت باطن پر مرکوز ہو گئی تو اس نے ہر سمت میں ہدایت کا ملہ پالی، پس اچھائیوں کی طرف بڑھو۔

ہمارا قول کہ ”جسے اس نے جوامع الکلم عنایت کئے اس نے بھی لا احصى ثناء عليك کی صدا بلند کی اس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے تمام کمالات عیان کے ذیل میں داخل نہیں ہو سکتے، جبکہ مکمل ثناء عیان کے بعد ہی ہو سکتی ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارا مقصود بھی بالکل یہی ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ یہ نفی بھی مقید ہے، اور وہ قید یہ ہے انت کما اثنت علی نفسک، ہم کہتے ہیں کہ یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے، جیسا کہ انہوں نے اللہ کے قول ولاتأکلوا الربا ضعا فامضاعفة میں ذکر کیا، اس صورت میں نفی کا مقید ہونا کلیہ نہ ہو، بلکہ یہ خود ایک مختلف فیہ مسئلہ بن گئی، جیسا کہ شرح مطالع وغیرہ میں حواشی سے معلوم ہوتا ہے، اور اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے تو بھی یہ ہمارے مقصود کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اس کی تائید کرتی ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ عیاں راچہ بیاں اور اس پر آپ کا یہ تبصرہ کہ صاحب عیان کو بیان کی ضرورت نہیں ہوتی، اور جو صاحب عیان نہ ہو اسکو بیان کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اور ہے، وہ اور، اس بارے میں ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ قول آیت کریمہ ”ذالک الکتاب لاریب فیہ“ کے زمرے سے

ہے، ہمارا یہ کہنا کہ کسی ایسے مرتبہ تک پہنچنا جس سے اوپر کسی مرتبہ کا تصور بھی نہ کیا جاسکے محال ہے، یہ بات آیت کریمہ ”قل رب زدنی علماً“ اور حدیث ”انکم لن تستطیعوا ان تغلبوا هذا الدین“ (تم ہرگز اس دین پر غالب نہیں آسکتے) سے لی گئی ہے، پھر اس پر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ سیر صفات کی بات ہے، لیکن اللہ کی ذات سے وصول کے بعد تو اوپر کا تصور یقیناً محال ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ صفات کی سیر سے فارغ ہونے کے بعد اجمالی طور پر باری تعالیٰ کی ذات تک وصول تو ممکن بلکہ یقینی ہے البتہ اس سے آگے بڑھنا عقلاً و نقلاً محال ہے، آخر حق تک رسائی کے بعد آگے بڑھنا گمراہی نہیں تو کونسی خوبی ہے؟

اسی طرح اس کی گہرائی و گہرائی کا احاطہ بھی محال ہے، کیونکہ اگر طالب بسط تر ہے تو اس کی ذات وسیع تر اور ختم نہ ہونے والی ہے، چنانچہ حقیقی سیر جسے محققین سیر فی اللہ کا نام دیتے ہیں وہ بھی ذات باری کی طرح نہ ختم ہونے والی ہے، اور اس کا طے کر لینا ناممکن ہے۔

شربت الحب کاسا بعد کاس فما نغد الشراب و مارویت

میں شرابِ محبت جام پر جام پیتا رہا، مگر نہ شراب ختم ہونے میں آئی، نہ میں ہی سیر ہوا۔

بمیرد تشنه مستقی و دریا ہچناں باقی

صاحب تعرف (کلابا زئی) نے کہا ہے: اصلاح کا قول اس کی قدرت کی انتہا کو ثابت کرتا ہے، اور اس سے اس کے خزانوں کے ختم ہونے اور اس کے بے بس ہونے کا مفہوم نکلتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند ہے، اس لئے کہ جب وہ ان میں صلاح یعنی خیر کی آخری اور انتہائی کیفیت پیدا کر دے تو اس کے بعد مزید صلاح کے لئے کوئی چیز نہیں ہوگی، اب اگر وہ مزید صلاح کا ارادہ کرے تو کہاں سے ہوگی؟ اور اس نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کے بعد انہیں مزید دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوگا، جس کے ذریعہ وہ ان میں مزید اضافہ کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک مقام میں رہتے ہوئے ترقی کرنا اور چیز ہے جبکہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرنا بالکل دوسری چیز، اور ہم جس بات میں الجھے ہوئے ہیں وہ یہی دو صورتیں ہیں، جن میں سے ایک ممنوع اور دوسری واقع ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اصلین (ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے والوں) کے درجات میں فرق نہ ہوتا، اور تقرب الی اللہ میں سب برابر ہوتے، نیز سب ایک ہی مقام پر فائز ہوتے، حالانکہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔

اگر کہا جائے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ ان درجات میں فرق اس وجہ سے ہے، بلکہ درجات کی اونچ نیچ کسی اور بنا پر ہے، تو اس کے بارے میں آپ کیلئے ہمارا یہی جواب ہے کہ آخری درجے کے تصور کا ناممکن ہونا آپ کو خود تسلیم ہے۔

اے عارف باللہ! یہاں ترقی و امتیاز برانڈے سے مکان اور مکان سے چھت کی طرف ترقی کی طرح نہیں، اور اسی طرح سیر و سلوک سے مراد بھی جسمانی حرکت نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا ناقابل بیان اور وجدانی معاملہ ہے کہ جو اس کوچے سے نہیں گزرا وہ اس کے بھیدوں سے باخبر ہو ہی نہیں سکتا، اس کی تعریف میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک کیف کی حرکت ہے، اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف علمی انتقال ہے، لیکن یہ مرتبہ صفات کے اعتبار سے ہے، ذات کے لحاظ سے نہیں، ذات کے لحاظ سے تو یہ مرتبہ معرفت، انکشاف کی زیادتی اور انتہائی گہرائی تک نظر کی رسائی سے عبارت ہے، جیسا کہ اس پر کرامت گواہ ہے، اور یہی صحیح ہے۔

ہمارا یہ کہنا کہ یہ بات اخروی دیدار کی طرح ہے جس پر ایمان لانے کے ہم پابند تو ہیں لیکن اس کیفیت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تو دیدار کی کیفیت کے بارے میں بالکل واضح ہے، اور وصول کے لئے مثلثیت کو لازم ہے، جبکہ یہ دونوں بے کیف ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ یہ تو کیفیت کا وجود نہ ہونے کی وضاحت ہے، کیونکہ کیفیت سے واسطہ نہ رکھنے کا مقصد ہی کیفیت کی نفی ہے، عبارت میں اس قسم کی بھول چوک اکثر و بیشتر واقع ہوتی

رہتی ہیں، جیسا کہ سیاق و سباق خود اس پر دلالت کر رہا ہے، کسی بڑے شیخ کا قول ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات مجہول الکفیت ہے، یعنی اس کی کوئی کیفیت نہیں، پھر علمی قاعدہ کے مطابق بعض چیزوں میں مشابہت کی وجہ سے مثلیت (مثال) بھی ثابت نہیں ہوتی، یہ تسلیم کرنے کے بعد عرض ہے کہ دو بے کیف چیزوں کا آپس میں ایک جیسا ہونا کیفیت کو لازم نہیں، جیسا کہ اس کی تمام صفات میں ہے۔

ہم نے کہا تھا کہ اسم و رسم سے گزر کر تزییہ مطلق اور محض غیب کو توجہ کا قبلہ بنا لینا چاہئے، اس پر آپ نے فرمایا کہ توجہ متوجہ اور متوجہ الیہ کے درمیان ایک نسبت ہے، لفظ متوجہ اسم ہے اور متوجہ کی ذات رسم، تو توجہ مطلق ممکن ہی نہیں، ہم جواباً کہتے ہیں کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے عارف! جب معرفت و ولایت کے دروازے بند ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات پر توجہ مرکوز کر دے، اور اسکے سوا تمام نقشوں کو مٹا دے تبھی یہ دروازے کھلتے ہیں، اگر ایسا نہ کیا جائے تو نہ معرفت حاصل ہوتی ہے نہ حقیقت کاملہ تک رسائی، جیسا کہ صوفیاء نے کہا ہے:

ہیچ کس راتا نکرده او فنا نیست رہ در بارگاہ کبریا

جب تک کوئی اپنے آپ کو فنا نہیں کر لیتا بارگاہ باری میں کوئی درجہ نہیں پاتا۔

صاحب نزہتہ کے اس قول سے دھوکا نہ کھالینا:

گو بند عنان خود چہ تابی گم شو کہ چو گم شوی بیابی

ایں نکتہ نمودنا صوابم چوں گم شوم آنگہے چہ یا بم

یا بندہ اگر کسی دگر خواست از گم شدنم پس او چہ میخواست

کہتے ہیں کہ اپنی دوڑ دھوپ کیوں کرتا ہے؟ اپنے آپ کو گم کر دے جب خود کو گم کر دے گا تو پالے

گا، ان کا یہ نکتہ میرے گلے نہیں اترتا کہ جب خود ہی گم ہو جاؤں گا تو پاؤں گا کیا؟ پانے والا اگر کسی

اور کا متلاشی تھا تو جب میں گم ہو گیا اب اسکے بعد اسے کیا چاہئے؟

یہ تمام فلسفیوں کی موٹنگافیاں ہیں جن میں معارف کا شائبہ تک نہیں، اس لئے سالک کو زیب نہیں دیتا کہ وہ ان کانٹوں بھری وادیوں میں بھٹکتا پھرے، چاہے آپ یہ سمجھتے ہوں کہ اس (گزشتہ بحث) کو محققین نے کس مفہوم میں لیا، اور اس میں موجود شبہات پر کیسے اعتراضات کئے اور پھر کس طرح مکمل اور زبان بند کر دینے والے جوابات دیئے، اگرچہ ان کی گفتگو اتنے سارے تکلفات کے باوجود تاویل کی محتاج ہے لیکن ہم اس تفسیر میں نہیں جانا چاہتے۔

البتہ خواجہ احرار کا ایک پیرا گراف پیش ہے، جو اس بحث میں نہایت مفید ثابت ہوگا، فرمایا:

”جب سالک اپنی ذات و صفات کو فنا کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ترقی دے کر بقا تک پہنچا دیتا ہے، اس وقت وہ اسے نور عطا کرتا ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات کا مشاہدہ کرتا ہے، پس اس وقت ذات کے علاوہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا“

تو سمجھ لینا چاہئے کہ ذات کی طرف توجہ کرنے والے کے لئے اپنی ہستی اور صفات کو مٹا دینا لازمی ہے، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، اور آپ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے تو اسم و رسم اور نفس کے اعتبارات کیوں غائب نہیں ہونگے؟

آپ نے فرمایا تھا کہ تزیہہ اگرچہ ذات کے قریب ترین مقامات میں سے ایک ہے، تاہم وہ ہے تو مقام ہی، جبکہ حقیقت میں کوئی مقام ہے اور نہ مقیم۔

اس بارے میں عرض ہے کہ شاید یہاں ”حقیقت“ سے مراد ذات خالص کا مرتبہ ہے، ورنہ مقام و مقیم کی نفی کرنا بے معنی ہوگا، پس تزیہہ سے ہماری مراد عنایت توجہ و مہربانی، اور آخرت سے متعلق ہمارے قول کی تائید ہے، بلکہ محققین کے اس قول کی تفسیر ہے ”کنہ ذات (باری تعالیٰ کی حقیقت) ادراک سے بری اور اضافات و اعتبارات (جسم و مثل) سے پاک ہے، پس نہ تو اسکی جانب کوئی اشارہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے:

دراغندہ دف ایں آوازہ از دوست کزد و بردست دف گویاں بود پوست

دف نے محبوب کی آواز اپنے اندر ڈال رکھی ہے اور ہاتھ پڑنے سے اس کی کھال بول اٹھتی ہے۔
نبی صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

لا تخالطه الظنون ولا يصفه الوصفون* (۱)

نہ اس تک گمان پہنچ سکتے ہیں اور نہ واصف اسکے اوصاف بیان کر سکتے ہیں۔
ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

التكفير في ذات الله جهل والاشارة اليه شرك وحقيقة المعرفة حيرة*

خدا کی ذات کے بارے میں سوچ بچار جہالت، اس کی طرف اشارہ کرنا شرک اور اس کی معرفت کی حقیقت حیرت ہے۔

آفاق روشن و مہتاباں پدید نیست پرشور عالمی و نمکداں پدید نیست
از مہر تابذ رہ و از قطرہ تا محیط چوں گوئی در تردد و صوگاں پدید نیست
آفاق روشن ہیں مگر مہتاباں کا کہیں نشان نہیں، ایک جہان زخموں پر نمک لئے تڑپ رہا ہے، مگر
نمکدان کا وجود نہیں، ذرے سے لے کر آفتاب تک اور قطرے سے سمندر تک گیند لڑھکتا پھرتا
ہے لیکن اسکے چلانے والے کا کہیں نشان نہیں۔

حسین ابن منصور نے کہا ہے کہ ”قبل“ اس پر سبقت لے جانے سے قاصر ”بعد“ اسے
طے کرنے سے عاجز، من اسے ظاہر کرنے سے عن اس کی موافقت سے الی اس سے
قریب ہونے فی اس میں رچ جانے ان اس سے مشورہ کرنے فوق اسے پناہ میں
لینے تحت اسے گھٹانے حذا اس کا مقابل بننے عند اس کی مزاحمت کرنے خلد اسے
پانے امام اسے محدود کرنے قبل اسے ظاہر کرنے بعد اس کی نفی کرنے کل اسے جمع کر
نے کان اسے موجود کرنے اور لیس اسے مفقود کرنے سے قاصر ہے، اس کی ذات کسی

کیفیت کو قبول کرتی ہے اور نہ کسی تکلف کو۔

کلابا ذی کا قول ہے: مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی جو جتنی معرفت رکھتا ہے اتنا ہی حیران ہوتا ہے۔

ابن العربی نے قول خداوندی: ”وان من شئی الا یسبح بحمدہ“ (الاسراء ۴۴) کے بارے میں فرمایا کہ بجز ہر شے کی ہی نہیں ہو سکتی۔

قونوی قدس سرہ (۱) نے فرمایا: ذات حق کے بارے میں یہ درست نہیں کہ اس پر کسی قسم کا کوئی حکم لگایا جائے یا اسے کسی وصف سے جانا جائے یا اس کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے۔
مولانا رومی نے فرمایا:

حق منزہ ہست از ہر اسم و نام تو چہ می چسپی بہر اسم اے غلام

ہر چہ گوئیم عشق را شرح و بیاں چوں بعشق آئیم نجل باشم از اں

ذات حق اسم و نام سے پاک ہے، اے بندے تو خوا مخواہ ناموں سے کیوں چمٹا ہوا ہے؟

ہم نے عشق کی جو بھی شرح بیان کی، جب عشق سے دو چار ہوئے تو اس سے شرمندہ ہونا پڑا۔

صاحب گلشن راز نے کہا: (۲)

بود اندیشہ اندر ذات باطل محال محض و آں تحصیل حاصل

ذات باری کے سلسلے میں چہ می گوئیاں اور اندازے باطل اور لا حاصل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا: میں جیٹہ شہود (آنکھ کے دائرہ) میں آنے والے یا خیال و وہم میں سما جانے والے خدا کو گوہر گز نہیں پوجتا، میں تو اس لقمے کی طلب میں ہوں جو منہ میں نہ سما سکے، جس نے اس حقیقت کو پایا وہی سمجھدار ہے۔

بعض اہل تحقیق نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ فرعون نے ان سے ماہیت حق کے

۱ صدر الدین محمد بن اسحاق قونوی، ۶۰۷-۶۷۳ھ، ملقب بہ شیخ کبیر، ابن عربی کے ربیب اور شاگردِ خاص۔

۲ سعد الدین محمود بن امین الدین عبدالکریم بن یحییٰ شبستری معروف ب: شیخ محمود شبستری ۶۸۷-۷۴۰ھ

متعلق سوال کیا کہ ”وما رب العلمین؟ (الشعر ۱۶۳) لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا: ”رب السموات والارض وما بینہما“ (الشعر ۱۶۴) یہ جواب حکیمانہ اسلوب میں ہے، کیونکہ ان سے حق کی ماہیت کے متعلق دریافت کیا گیا جو کہ ناممکن البیان تھی تو انہوں نے ان نشانیوں کا حوالہ دیا جو اس کی ذات پر گواہ ہیں۔

دلہا ہمہ آب گشت و جانہا ہمہ خون تا چست حقیقت ز پس پردہ بروں
تمام دل پگھل کر بہ گئے اور جانیں خون ہو گئیں اسی دھن میں کہ پردہ کے پیچھے سے کیا نکلتا ہے؟
بہت ہی بہتر ہوا کہ چست (کیا ہے) کہا کیست (کون، کیسا) نہ کہا۔

ہمارا یہ قول کہ مقصد وصول ہے نہ کہ حصول، اس کے بارے میں آپ نے کہا ہے کہ شاید یہ میرے قول صعب الحصول سے مراد لیا گیا ہے، ہم اس کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ آپ کے قول سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قول ولا یحیطون بہ علما (طہ) سے مراد لیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ نبی کے کلام کو بھی کلام قدسی نہیں کہا جاسکتا، چہ جائیکہ ولی کے کلام کو، ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر اس بارے میں کوئی معتبر حدیث موجود ہے تو سر آنکھوں پر، ورنہ بصورت دیگر کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اشیاء کی اصل ان کا جائز ہونا ہے، احادیث میں حدیث غیر قدسی کو قدسی کہنا جائز نہیں، کیونکہ حدیث میں تو قدسی وغیر قدسی دو قسمیں بنادی گئی ہیں، پس غیر قدسی کو قدسی کہنے سے وہم واقع ہو جانے کا خدشہ ہے، اس لئے ناجائز ہے، مگر جہاں مشابہت کا خطرہ نہ ہو وہاں کوئی حرج نہیں ہے، مزید یہ کہ جب زمین کو ارض مقدسہ اور شہر کو بلدہ قدسیہ کہا جاسکتا ہے تو نبی و ولی کے کلام کو تو بدرجہ اولیٰ کلام قدسی کا نام دیا جاسکتا ہے، اگر کہا جائے کہ قدس تو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے، تو کیا اس کا اطلاق اس کے علاوہ پر کرنا جائز ہے؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ قدس تو سرے سے اللہ کے مخصوص ناموں میں سے ہے ہی نہیں اور اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ اسرائیلیات میں شامل ہو جائیگا، الغرض یہاں پر کوئی وجہ ناجائز

ہونے کی موجود نہیں ہے۔

اے عارف باللہ! بلا وجہ بحث و تکرار اور چہ می گوئیوں کی کثرت سے وحشت پیدا ہوتی ہے، جو نفرت کو دعوت دیتی ہے، طویل سے قلیل بہتر ہے، اور کلام میں اختصار اعجاز سے قریب ہے۔

خموشی فیض دیگر مید ہدیوانہ مارا چراغ کشته روشن میکند ویرانہ مارا

میرے دیوانے دل کو خاموشی فاندہ دیتی ہے، میرے ویرانے کو بجھا ہوا چراغ روشن کرتا ہے۔

میں آنجناب سے خاص وقتوں میں نیک دعاؤں کا طلب گار ہوں، جبکہ میرا حال یہ ہے:

ما خود بگرد دامن مردی نمیرسیم شاید کہ گرد دامن مردی بمارسد

میں خود تو کسی مرد کامل کے دامن کی گرد کو نہیں پاسکا، شاید اسکے دامن کی گرد خود مجھ تک پہنچ جائے۔

میں چاہتا تھا کہ اپنے بعض اشعار آپ کے مطالعہ کی نذر کرتا، مگر یہ ارادہ اس لئے ترک کر دیا کہ

کہیں آپ اکتانہ جائیں، لہذا ان چار شعروں پر ہی اکتفاء کرتا ہوں:

کجا ہر ذرہ دار دتاب حسن بے حجابش را کہ باشد چشمہ خورشید شبنم آفتابش را

نگنجد نشاء حیرت دریں خمخانہ کثرت ازیں نہ شیشہ بیروں یا فتم موج شرابش را

درخانہ ماجلوہ گراں رشک چمن شد ہر خار و خس و گلخن ما برگ و سمن شد

عمریست کہ در حلقہ زلف تو اسیریم مجنون ترا خانہ زنجیر وطن شد

ذرہ اس کے حسن بے پردہ کی تاب کہاں لاسکتا ہے؟ سورج بھی جس کے جلوے کی شبنم ہے،

حیرت کا ٹھکانہ نہیں کہ اس میخانے میں شراب تو موج در موج ہے مگر شیشہ نہیں ملتا۔

ان کی جلوہ گری سے میرا گھر رشک چمن اور ہمارا کوڑا کرکٹ بھی پھول پتیاں بن گیا، عمر تو وہ ہے جو

آپ کی زلف کی اسیری میں گزرے، تیرے دیوانے کیلئے قید خانہ وطن سے بڑھ کر ہے۔

سبحان ربك رب العزت عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين*

دوبول مؤلف کے

جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو چند کلمات فیصلے کے طور پر کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم اس فقیر کی نظر میں انبیاء علیہم السلام کا کلام باطن کی اصلاح اور بلند مراتب کے حصول پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے طہارت، خشوع و خضوع وغیرہ، فضولیات سے ان کا کلام پاک ہوتا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو ان پاکیزہ مطالب کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے، وحی کے علاوہ جو اعمال ان سے اشارۃً یا صراحتاً ظاہر ہوتے ہیں، ان کی قدر و منزلت اور بھی بڑھ کر ہے، جیسا کہ وہ مقام احسان سے نیچے آ کر عام مؤمنوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہوئے دین کی تبلیغ کا کام انجام دیتے ہیں، تاکہ وہ اس مقام میں لوگوں کے لئے نمونہ ثابت ہوں، ذلک تقدیر العزیز العظیم، اس لئے صوفیاء کا ان کے کلام سے اپنے مضامین یعنی توجہ بذات صرف، فناء، بقاء اور توحید و وجود وغیرہ پر استدلال کرنا عبارت نص، اشارت و ایماں اور اقتضا (تمثیل) کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ حقیقت کے اعتبار سے، بلکہ وہ وہی اختیار کرتے ہیں جو نصوص کے ذریعہ ان پر کھلتا ہے، اکثر انکا ذہن ایک سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور کسی چیز کے متعلق وہ کوئی نئی بات کہہ دیتے ہیں، لہذا اس سلسلے میں بحث کرنا مخالف کے لئے فائدہ مند نہیں۔

یہ بھی معلوم رہے کہ جذب مکمل کے حامل مجذوب کو جب ذات خاص سے گہرا رابطہ حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر معرفت کے دروازے کھل جاتے ہیں یا اس کے ذہن میں ذات خالص کی معرفت کے بارے میں کچھ آ جاتا ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، تو اسے خواہ وصول و حصول کہیں یا ادراک کا نام دیں، کالمین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہی معرفت ہے، اس کے بعد اس میں جو بھی اختلاف ہوگا وہ لفظی ہوگا۔

شیخ عبدالاحد نے کہا ہے ”ہم مطلقاً وصل الی الذات کا انکار نہیں کرتے الخ“ اور شیخ مجدد قدس سرہ نے شرح رباعین کی شرح میں بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، واضح ہو کہ مرتبہ لا تعین (جس کا کوئی نام نہیں) میں اگرچہ شہود تجویز کرتے ہیں، لیکن شہود سے اوپر بھی کئی

مراتب ہیں، لہذا یہاں جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ وصول نہیں بلکہ وصول کی دہلیز کا مشاہدہ ہے، وصول کے مراتب اس سے بلند ہیں، چونکہ سب کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے بعید نہیں کہ وہ اس کا انکار کر دیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شیخ کامل سے محبت ذاتیہ کبھی الگ نہیں ہوتی، اور اس کی حقیقت مظہر (اسکرین) جیسی ہے کہ حقیقت سے ملا ہوا اور متبوع (جس کی اتباع کی جائے، شیخ) سے الگ ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا رابطہ دونوں کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ (۱)

اور جہاں تک قلق، حزن اور اندوہ کا تعلق ہے وہ کامل کے مزاج کے تابع ہیں، مگر اس کی اصلیت سے خارج، اگر کامل کے مزاج میں قوت بہیمیہ (حیوانی فطرت) زوروں پر ہوگی تو یہی محبت ذاتیہ اس کے لئے قلق، عشق اور اندوہ کی صورت میں ظاہر ہوگی، اور اگر قوت بہیمیہ اسکے مزاج میں کمزور ہوگی تو خالی الفت و انسیت کی صورت میں ظاہر ہوگی۔

اور یہ بھی معلوم رہے کہ اہل کمال کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتبہ ذاتیہ تک رسائی کے لئے دو راستے ہیں، پہلا راستہ وہ ہے جو براہ راست شاہ راہ وجود سے نکل کر آگے بڑھتا ہے اور اسی پر چل کر فی الحقیقت اس مرتبہ ذاتیہ تک سالک پہنچتا ہے، یہ راستہ صرف اقطاب کے لئے ہی مختص ہے، جبکہ دوسرا راستہ متوسط سالکین کا ہے اور یہی اکثر لوگوں کی گذرگاہ ہے، اصل میں یہ راستہ (مرتبہ ذاتیہ تک) نہیں جاتا۔

اگر صوفیہ میں سے کسی نے معرفت ذات کا انکار کیا ہے تو اس سے انکی مراد احاطہ اور ادراک ہے، اور اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ یہ سارا جھگڑا لفظی ہے، مندرجہ بالا

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کمرے کی دیوار کہ اس کا باہری حصہ باہر کے ماحول کے مطابق متصل ہے اور اندرونی حصہ اندر کے ماحول سے جڑا ہے، وہ ظاہر و باطن کے اتصال اور انفصال دونوں کا کام انجام دیتی ہے، اور دونوں ہی لفظ اس کی تعبیر میں بولے جاسکتے ہیں۔

اصولوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا، البتہ چند عقلی قسم کے مقدمات پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں، جو کہ جھگڑے کا سبب بن سکتے ہیں، مگر انہیں بھی معمولی توجہ کے ساتھ دور کیا جاسکتا ہے، واللہ اعلم عند اللہ۔

ان تمام بحثوں کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ پانچوں خط ان کی شروعاتی ملاقات کے زمانے میں لکھے گئے، چنانچہ پہلے خط میں سے جو حصہ میں نے چھوڑ دیا ہے وہ ان کی شروعاتی ملاقاتوں کی تفصیلات سے متعلق تھا، وہ اس بات پر دلیل ہے۔

جب دوسری ملاقات ہوئی اور دونوں شیوخ ایک دوسرے سے قریب آئے اور ایک دوسرے کے مقامات پر مطلع ہوئے، تو معاملہ ہی بدل گیا، چنانچہ یہ خط جو کہ شیخ عبدالاحد نے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا تھا اس بات کا کھلا ثبوت ہے، خط یہ ہے:

آپ کا مکتوب، مکتوب رحمانی اور خطاب، خطاب منانی تھا، جس نے آپ کی طلب کی اس نے واجد کو آپ کے پاس پایا اور جس نے واجد کو پایا، اس نے آپ کو پایا، اور جس نے اللہ سے عشق کیا گویا اس نے آپ سے عشق کیا، اور جو آپ سے غافل ہو وہ اپنے رب سے بے پروا ہو گیا، ہم آپ کے ہیں اور اس کے جس نے آپ کو دوست جانا، میں نے آپ کو احسان سے قریب اور رؤوف کا ندیم پایا، آپ پر اس نعمت کا شکر ادا کرنا اور اس ثروت و امارت کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیا د آ رحبان بادہ پیمارا

جب تو محبوب کے پہلو میں بیٹھا معرفت کے جام پئے تو یارانِ ہم پیالہ کو بھی یاد کر لینا۔
اب کوئی عذر باقی نہ رہا کہ توحق کی تجلی کو عاشقوں کے آئینہ میں سمودے۔

آں روز کہ مہ شدی نمیدانستی کانگشت نمائی عالمے خواہد شد

تجھے معلوم نہیں کہ جب تو ماہتاب بن جائیگا تو سارا عالم تیری ہی جانب اشارہ کرے گا۔

دوسری مرتبہ شیخ عبدالاحد نے یہ دو شعر تحریر کئے:

یار از آغوش دلم جوشد و دورم هنوز صد تجلی ساقی بزم است و مخمورم هنوز
 لن ترانی گر چه یک وادی خرابم کرده است میکند کا شانہ رنگین آتش طورم هنوز
 محبوب میرے دل میں مچل رہا ہے مگر میں پھر بھی دور ہوں، ساقی کی تجلیاں بکھری ہوئی ہیں اور
 میں مدہوش ہوں، اگر چہ لن ترانی نے میری ایک ہی وادی کا خرابہ کیا تھا مگر میرے طور کی آگ
 اب بھی کا شانہ عالم کو رنگین و روشن کر رہی ہے۔

حضرت شیخ نے تحریر فرمایا: میرے مخدوم و مشفق! دل کا معاملہ ایسا ہے کہ جب تک اپنے آپ کو
 فراموش نہ کر دے، اور تجلی تجلی (۱) کی صورت اختیار نہ کر لے، اور دل کا تمام کارخانہ غیرت کی
 آگ میں جل نہ جائے، پردہ حقیقت سے بے رنگ دلہن اپنا جلوہ نہ دکھا دے، اور دوری و
 مخموری کے حجابات اٹھ نہ جائیں (تو سمجھنا چاہئے) کہ دل پر کام کی ضرورت ابھی باقی ہے۔

وسقا کم ربکم دھا قالا یصدعون بعدھا شقا قاولا تفترقون فراقا*

تمہارا رب تمہیں چھلکتے جام پلائیگا، جس کے بعد نہ کوئی سردردی رہے گی نہ جدائی۔

برنگیرد جہان عشق دوئی چہ حدیث ست اس حدیث توئی

عشق کی دنیا میں دوئی کا کام نہیں، تیری بات کے سوا بات ہی کیا ہے؟

شیخ عبدالاحد کا ایک اور خط

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں بنایا اور پھر ہم نے اسے پایا، اس نے ہمیں
 اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا تو ہم نے اندھیروں کو چھوڑ دیا، اس نے ہماری طرف اپنے
 رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا تو ہم نے اسکی اتباع کی، اس نے ہمارے لئے کتاب
 مبین بھیجی تو ہم نے اسے پڑھا، اس نے ہمیں اپنے جلال و جمال کی تجلی سے نوازا اور اپنے

۱ تجلی سے مراد اللہ کا نور، تجلی، تجلی حاصل کرنیوالا، یعنی جب تک سالک بالکل فنا نہ ہو جائے۔

انعامات و وصال سے مشرف فرمایا، اس نے ہمارے وجود پر اپنے جلال کی تجلی ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور جب عالم قیود میں ظہور فرمایا تو ہمارے لئے کوئی پریشانی باقی نہ رہی، اس نے ہمیں اپنی عظمت کا مشاہدہ کرایا تو ہم حیران رہ گئے، ہم نے اس کی معرفت کی شراب پی تو وہ ہمیں راس آگئی، مکاشفہ کی آنکھوں سے ہم نے اس کا دیدار کیا تو اس نے ہم سے محبت کی، ہم نے چشم بصیرت سے اسکو دیکھا تو ہم اس کے قریب ہو گئے، اس نے منزل صفات سے ترقی دیکر ہمیں اپنی ذات تک پہنچایا، اس نے اپنے کلمات اور کمالات و شان کے مطابق سلوک کیا اور پھر اس نے ہمارے ساتھ وہ الطاف و عنایات کیں جو نہ کسی اشارے میں آسکتی ہیں، اور نہ ہی کسی عبارت کے ذریعہ ان کی تعبیر کی جاسکتی ہے، اور اس کے بعد اس نے ایسے احسانات کئے جن کا بیان کرنا مشکل اور مخفی رکھنا بہتر ہے۔

اور پیاس باقی ہے یہاں تک کہ پنڈلی پنڈلی سے لپٹ نہ جائے، وعدہ مکمل نہ ہو جائے اور چلنا تھم نہ جائے، اس روز فراق ختم ہو جائیگا، اور اسی پر ہمارا یقین ہے، پھر ہم نے کچھ پیش کیا اور کہا اس پر آپکو وسیلہ بناتے ہوئے پروردگار عالم سے بخشش طلب کرتا ہوں۔

آسودہ بکام خویش

حضرت شیخ نے ان کے جواب میں یہ تحریر ارسال فرمائی: تشنگی کا باقی رہنا پیاس سے کی زندگی کی دلیل ہے، اور ہجر کا اثر مہجور کے باقی رہنے کا ثبوت، قید کی نشانیوں پر فراق کا ہونا تشنگی کی علامت ہے، اور تشنگی کا رہنا ترقی کا رک جانا ہے، پس جیسے قید کی نشانیوں پر ترقی کے رک جانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح محبوب کے وصال کے ساتھ فراق کا تصور محال ہے، لہذا محدث حمیم (سالک) کی صفات کے باقی رہتے ہوئے محدث قدیم (اللہ تعالیٰ) کی ذات تو دور، صفات کی طرف بھی ترقی ناممکن ہے، پھر پنڈلیوں کا آپس میں لپٹ جانا، کوشش کرنے اور چلنے سے رک جانا کسی کے لئے موعود (وعدہ) ہوتا ہے اور کسی کے لئے موجود (میسر، حاصل شدہ)۔

اللہ کا ارشاد ہے: ”مکلا“ یعنی حقیقتاً، إذا بلغت التراقي“ (قیمہ ۲۷) یعنی جب انسانی نفس اپنی بلندیوں کی معراج کو پہنچ جائے، تو عالم امر میں جمالِ الہی کے مشاہدے کے اشتیاق کا یہی نقطہ عروج ہے، اور ”من راق“ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کے باطن سے ندا آئیگی، کہ ہے کوئی جو جھاڑ پھونک کرے اور جدائی کے زہر اور شوق کے درد سے مجھے چھٹکارا دے؟

لسعت حية الهوى كبدى فلاتبيب له ولا راق

إلا الحبيب الذى شغفت به انه رقيتى وترىاق

محبت کی ناگن میرے کلیجے کو ڈس گئی ہے، اب اس کے لئے نہ کوئی طبیب کام آسکتا ہے اور نہ جھاڑ پھونک والا، بلکہ میرے لئے تو میرا محبوب ہی تعویذ بھی ہے تریاق بھی۔

اللہ تعالیٰ کے قول ”و ظن انه الفراق“ (قیمہ) کا مفہوم یہ ہے کہ بقا بالحبیب کا پیاسا یہ سمجھے گا کہ جو قلق و اضطراب اس پر طاری ہے وہ دراصل محبوب کے علاوہ ہر چیز سے اس کے جدا ہونے کی وجہ سے ہے ”و التفت الساق بالساق“ کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے ممکنات کی ساق اور عالم رحمان کی ساق دونوں یکجا ہو جائیں گی، یعنی وہ ان دونوں کا ایک ہی وقت میں مشاہدہ کرے گا، یہی مشاہدہ کا مقام ہے، اور ”السی ربك يومئذ المساق“ کا مفہوم یہ ہے کہ اس روز اسے عالمِ الہی کی حقیقت کی طرف لے جایا جائیگا اور اسے ماء زلال پلایا جائیگا، جسکے بعد نہ وصال کی تشنگی باقی رہے گی نہ حد۔

پس اس مقام پر عین، اثر، مخبر اور خبر کا وجود ختم ہو جائیگا، اسے ابدی سعادت سے اس طرح نوازا جائیگا کہ ایک مرتبہ انتخاب کے دائرے میں آنے کے بعد اسے دربارِ الہی کی حاضری سے دور نہیں کیا جائیگا:

آسودہ بکام خویش از وصلِ حبیب نہ بیم فراق ست و نہ تشویق فراق

جو اپنے آپ میں وصلِ یار کی لذت سے آشنا ہو گیا اسے نہ جدائی کا غم رہا نہ رقیب کا اندیشہ۔

ایسے میں عاشق یار کے وصال سے اس طرح شادماں و فرحاں ہوتا ہے کہ نہ اسے جدائی کا غم ہوتا ہے اور نہ فراق کا اندیشہ۔

ایک بار پھر حضرت شیخ نے شاہ عبدالاحد کے نام یہ مکتوب تحریر فرمایا:

ایک اور خط، تفاوت

یامنی الی وجہ حجبی و معتمری و حج قوم الی ترب و احجار

لبیک لبیک من قرب و من بعد سر اُبسر و اجہار اُبا جہار

اے کہ تو ہی میرے لئے حج بھی ہے اور زیارت گاہ بھی، جبکہ لوگوں کا حج مٹی اور پتھروں سے عبارت ہے، میں حاضر ہوں دور سے بھی اور قریب سے بھی، پوشیدہ بھی اور ظاہر بھی۔

اس ذات جل جلالہ کے حسن و جمال کو کیسے لفظوں کا جامہ پہناؤں، اور اس ذات سبحانہ و تعالیٰ کی عظمت و جلال کے بارے میں کیا لکھوں؟

ایک کو ازلی عنایت سے نوازتا ہے، دوسرے کو بے پروائی کا سوز عطا کرتا ہے، آہ! راہ کا تفاوت تو دیکھو کہ ایک ہی لوہے کے دو ٹکڑے جو ایک ہی جگہ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے ایک گھوڑوں کا نعل بنتا ہے تو دوسرا بادشاہ کا چہرہ آئینہ۔

دوہا: بہت ابہا کی کلسری جاک رہی لورائی ایک جو پیو کیوں چاہی سوتی لینہ چکائی۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ نے شیخ عبدالاحد کو یہ حکایت لکھی:

حکایت محبت و محنت

محبت نے محنت کو لوح محفوظ پر دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ محنت نے جواب دیا میرا نقش تیرے نقش جیسا ہے، اور تیرا نقش میرے نقش کی مانند، صرف ایک نقطے کا فرق ہے، محبت و محنت نے باہم پیمان باندھا کہ جہاں تو ہوگی وہاں میں بھی ہوگی اور جہاں میں وہاں تو۔

ظن بود مرا بمن کہ من جملہ منم من جملہ تو بودم و نمی دانستم

کاتب الحروف کہتا ہے کہ یہ شعر حکایت سے متعلق نہیں بلکہ مقامِ محبت میں غلطی یا کوئی نقص رہ جانے پر تنبیہ کے لئے اور وحدت کی طرف ترقی حاصل کرنے کی خاطر لکھا گیا ہے۔

الثاء علاج

ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: خاص معرفتِ اضافت کے ہٹا دینے اور اپنی انا (میں) کو پے در پے انت (تو) کے نورانی شعلوں کے ذریعہ جلا دینے کے بعد حاصل ہوتی ہے:

طوارق انوار تلوح اذ ابدت فتظہر کتماناً وتخبیر عن جمع

ستارے جب نمودار ہو کر چمکتے اور چھپ چھپ کر ظاہر ہوتے ہیں تو سب کی خبر دیتے ہیں۔ اور خاص الخاص معرفت یہ ہے کہ مخلوق کا مشاہدہ احدیت (رب) کی نظر سے کیا جائے:

فامطر الکأس ناراً من ابارقها فأتیت الدور فی ارض من الذهب

وسبح القوم لَمَا اِن رَاوْا عَجَباً نور من الماء فی نار من الغب

محمد مرزا سرہندی نے حضرت شیخ کی خدمت میں اشارۃً لکھا کہ حصولِ حال کے لئے میں نے جو ہلیلہ استعمال کیا تھا اس نے اب تک کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

میری ناقص رائے میں آپ کا مزاج مبارک صفاوی اور حار یا بس ہے جو کہ سلوک کی راہ پر کامیابی کے ساتھ چلنے کے لئے بہت مفید ہے، لیکن بعض رسمی قاعدوں، غلط عقلی اندازوں، اور طبیعت کے مخالف سودائی دواؤں کا آپ کے مزاج پر غلبہ ہو گیا ہے، جو منزل تک پہنچنے سے روک رہا ہے، حکیم حاذق نہ تھا اس لئے صحیح مرض نہ پہچان سکا، ہلیلہ سیاہ کے بجائے ہلیلہ اصفر دیدیا، اس نے صفا کی حفاظت کے بجائے سودا کو بڑھایا، علاج الٹا ہو گیا اور مزاج کا حال بگڑ گیا، جو طریقت کے ماہرین اور حقیقت شناس ہیں وہ نظری اور عملی حکمت کے ساتھ حارہ یا بسہ (گرم و خشک) شربت پلا کر اللہ کے فضل و کرم سے مزاج تبدیل کر دیتے ہیں۔

حق تعالیٰ کس قدر ظاہر ہے کہ کوئی ظاہر اس کے لئے حجاب نہیں، اور وہی باطن ہے اس کے علاوہ باطن میں کوئی چیز ہی نہیں، حضور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات میں فرمایا:

أنت الظاهر لا ظاہر فوقك وأنت الباطن لا باطن دونك^۱*

اے اللہ تو ہی ظاہر ہے کہ تجھ سا ظاہر کوئی نہیں اور تو ہی باطن ہے کہ کہ تیرے آگے کوئی باطن نہیں۔

توهمت قدماء ان لیلی تبرقت وان لنا فی البین ما یمنع اللشما

فلاحت فلا والله ما ثم مانع سوی ان عینی کان من حسنہا اعمی^۲

قد ما کا وہم ہے کہ لیلی نے برقعہ اوڑھ رکھا ہے، مگر ہمارے لئے تو یہ جدائی ہے، جو بوسہ لینے میں آڑ بن رہی ہے، جب محبوبہ نے اپنا چہرہ ظاہر کیا تو اس وقت کوئی چیز اس کے دیدار سے مانع نہیں تھی، مگر ہماری آنکھیں ہی اس کے حسن کا جلوہ دیکھنے کی تاب نہ لاسکیں۔

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

اگر کسی اندھے کو سورج دکھائی نہیں دیتا تو سورج کا اس میں کیا قصور؟

سرمہ معرفت

حقیقت کا سرمہ لگانے والے تو سرمہ عنایت لگا کر اندھوں کو بینا کر دیتے ہیں ”اُنسی اُبری الائمہ والابرص (آل عمران ۱۸۹)“ یہ لوگ سرمہ عنایت کا نسخہ پرندوں کی زبان میں لکھ کر دیتے ہیں، آگے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، میں یہ لکھ رہا ہوں اور خدا ہدایت کرنے والا ہے: سرمہ عنایت دو چیزوں سے مل کر بنتا ہے، نمبر ایک ترفیق، یعنی باریک کرنا، دوسرے تسخیق، یعنی پینا، باریک کرنے سے مراد یہ ہے کہ قلمِ اعلیٰ (اللہ تعالیٰ کا حکم) حروفِ عالیات (اس کی مشیت) سے ٹکراتا ہے تو اس کے دو حصے ہو جاتے ہیں، ظاہر الوجود اور باطن الوجود۔

^۱ أنت الظاهر فلیس فوقك شیء، وأنت الباطن فلیس دونك شیء، مستدرک حاکم ۴۷۴۱

پھر باطن دور استوں پر چل نکلتا ہے جس سے مخلوقات و افعال ظاہر ہوتے ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کو مختلف قسموں سے نوازا دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک کہہ اٹھتا ہے:

مادر پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

میں نے جام میں محبوب کا عکس دیکھ لیا ہے، اے نغمہ خواں کہہ بھی دے کہ اب دنیا کا پورا نظام میری مرضی کے مطابق چل رہا ہے۔

تسخیر سے مراد یہ ہے کہ وجود کے برتن کو توڑ پھوڑ کر نیست و نابود کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں سرمہ فنا حاصل ہوتا ہے، اس سرمہ کو آنکھوں میں لگاتے ہیں تو اس سے شہود کی بجلیاں چمک اٹھتی ہیں اور دل کی کوٹھڑی جمال کے نور کی تابناکیوں سے روشن ہو جاتی ہے، ”وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا“ اور ذاتِ احدیت کی شانِ تجلی طالب کی ہستی کو نیستی (فنائیت) کی طرف لے آتی ہے، اور ”کل شیئ ہالک إلا وجہ“ کے راز کو ظاہر سے جوڑ دیتی ہے، یہاں آ کر ہر شخص اپنی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور محمد مرزا، مرزا محمد بن جاتا ہے۔

جز یکی نیست نقداں عالم باز ہیں و بعالم مفروش

گل ایں باغِ راتوئی غنچہ سر ایں گنجِ راتوئی سرپوش

آں شناسد حدیثِ ایں دل مست کہ از ایں بادہ کردہ باشد نوش

اس عالم کا جو ہر ایک کے سوا کوئی نہیں، پھر سوچ لے، اسے دنیا کے ہاتھ نہ بیچ! اس چمن کے پھول کا غنچہ تو ہی ہے، اور تو ہی اس خزانے کے راز کا نگہبان بھی ہے، اس مستانے دل کی کہانی وہی سمجھ سکتا ہے، جس نے یہ شراب پی ہو۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ہلیلہ اسہال سے مراد وہ محنتیں اور ریاضتیں ہیں جو اہل سلوک تجویز فرماتے ہیں تاکہ باطن بری عادتوں سے پاک ہو جائے اور دل دنیا کی محبت اور اس کے نقشوں سے حالی ہو جائے، مرزا محمد کا یہ قول ”دست اسہال روئے نداد“ سے مراد یہ ہے کہ ان محنتوں اور

ریاضتوں کے باوجود بھی دل برائیوں سے پاک نہیں ہوا، بلکہ غرور و تکبر اور خود بینی جیسے امراض اور وسوسوں کی زیادتی نے ان برائیوں کی اور مدد و اعانت کی۔

واضح ہو کہ صفرا کی خاصیت گرمی، خشکی، تیزی و جلدی بازی ہے، لہذا جس عاشق کی طلب میں شدت اور مراتب کے حصول میں تیزی ہوتی ہے وہ جری اور باہمت ہوتا ہے، اس کے پاس فضولیات پھٹک بھی نہیں سکتیں، اسے صفراوی مزاج سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور جو شخص شکوک و شبہات اور علاقہ چھوڑنے میں بزدلی و سستی اختیار کرے، نفس کی پیروی وسوسوں اور شیطانی خیالات میں مبتلا ہو اس کی مثال سودائی مزاج کی سی ہے۔

تو صفراوی مزاج والے کے اندر وصول کی صلاحیت اور قابلیت ہوتی ہے، جبکہ مذکورہ اصول کے مطابق جو شخص سودائی مزاج کا ہوتا ہے وہ وصل و وحدت سے محروم رہتا ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کی فطرت میں استعداد تو صحیح ہوتی ہے لیکن سودائی مزاج لوگوں کے پاس بیٹھ کر شکوک و شبہات کے سلسلے میں ان کی گفتگو پر پورے اہتمام اور توجہ کے ساتھ کان دھرتا ہے تو خود شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان کی پیروی ہی دین ہے، گرچہ کمال تو نہیں لیکن تورع اور نیکی ضرور جانتا ہے۔

ان کا یہ قول کہ ہلیلہ اسود کے بجائے ہلیلہ اصفر دیدیا، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہلیلہ اسود مسہل (ملین، دست آور) ہوتا ہے جو سوداوی اخلاط کو نکالتا ہے، سودا، وسوسے پیدا کرتا ہے، لہذا اسے دور کرنے کے لئے ہلیلہ سیاہ چاہئے۔ (۱)

امعدہ کھانے کو ہضم کر کے جب جگر کے سپرد کر دیتا ہے تو جگر اس کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے، سب سے نیچے صفرا، اس سے اوپر سودا اور سب سے اوپر بلغم ہوتا ہے، ہلیلہ جسے ہرڑ کہتے ہیں ایک ہی ہے، لیکن جب یہ چھوٹی اور کچی ہوتی ہے تو اسے ہلیلہ اصفر یا زرد اور چھوٹی ہرڑ کہتے ہیں، جب یہ پک جاتی ہے تو ہلیلہ اسود، ہلیلہ سیاہ اور بڑی ہرڑ کہلاتی ہے، تاثیر دونوں کی مختلف ہوتی ہے، ماہرین ہلیلہ کو اکثر بطور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔

جبکہ ہلیلہ اصفرفرا کے لئے مسہل ہے اور اسے نکال دیتی ہے، جس سے گرمی، خشکی اور سرعت مزاج سے نکل جاتی ہے، اسی طرح سخت ریاضتیں طبیعت کے نشاط کو دور کر دیتی ہیں لہذا یہ ہلیلہ اصفر کی طرح ہیں، اور توحید کا انکشاف و وسوسوں کو دور کرتا ہے لہذا وہ ہلیلہ اسود کی مانند ہے۔

ائمہ سلوک کا طریقہ نشاط، گرمی اور محبت کو باقی رکھنا ہے، جبکہ شدید ریاضتوں سے یہ دور ہو جاتی ہیں، لیکن یہ سب معاملہ ذات کی جستجو میں ہوتا ہے۔

اور یہ جو کہا کہ حاذقانِ طریقت الخ، اس کی وضاحت یہ ہے کہ صوفیا کے دو مکاتب فکر ہیں، پہلا متقدمین کا ہے، امام غزالی نے اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

جب کوئی شخص طبیعت کے تقاضوں سے توبہ کر لے تو اسے خلوت میں بیٹھنے، لوگوں سے کم ملنے، اور تمام حالات میں نفس کی مخالفت کرنے کی تلقین کی جاتی ہے، اور اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ خود کو ایسا بنا ڈالو کہ کوئی مارے یا گالی گلوچ کرے لیکن تمہارا نفس سر نہ اٹھائے، لوگوں کی طرف سے تعریف کی جائے یا برائی دونوں کو ایک جیسی جانے، نوافل کی کثرت کرے، غرور اور دکھلاوے کے نقصانات کو سمجھ لے اور ان میں غور و خوض کرے، کھانے میں حد درجہ احتیاط برتے جہاں ذرا بھی شبہ ہو وہاں بالکل نہ کھائے، اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے غرض تمام حالات میں آداب کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان تمام باتوں میں روحانی علاج ضرور اختیار کرے چاہے نفی سے یا اثبات سے، جب ان تمام سے پاک ہو جائے تو محبت الہیہ کا راستہ اسے دکھا دیا جاتا ہے، اس کی تفصیل امام غزالی کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت میں موجود ہے۔

دوسرا مکتبہ فکر نقشبندیہ قادر یہ اور چشتیہ سلسلوں سے متعلق ان متاخرین کا ہے جن کے فیض سے کئی دور کے لوگ فیضیاب ہوتے رہے ہیں، مختصر لفظوں میں اس مکتب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص ان کے ہاتھ پر توبہ کرے اسے اشغال و اذکار کی ہدایت فرماتے ہیں جو کہ حضور، عشق و محبت میں اضافے، توحید اور اللہ کے سوا تمام کی نفی اور مخلوق سے تعلق ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں،

فرائض اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد طالب کو ان اذکار کے علاوہ کسی اور چیز میں بھی مشغول کرتے ہیں، یہ مشغولیت نہ تو ریاضت و محنت کی ہوتی ہے اور نہ نوافل کی، نہ علم حدیث کی نہ پرہیزگاری اور تقویٰ و طہارت کی، جب سالک بفضلِ خدا گرمی شوق اور ماسوا کی محبت سے پاک ہونے کی دولت حاصل کر لیتا ہے تو تمام عیوب خود بخود دھل جاتے ہیں۔

خواجہ محمد پارسا نے بھی اپنے رسالے قدسیہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے، گرم و خشک مشروبات سے مراد یہی اذکار ہیں اور حکمتِ نظری شیخ کی نگاہِ التفات ہے، جبکہ حکمتِ عملی سے مراد ذکر میں محنت ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ حکمتِ نظری انکشافِ توحید ہے، اور حکمتِ عملی دوامِ حضوری۔

ان کا قول ”ترقیق و تسخیق الخ“ کی تشریح یہ ہے کہ سرمہٴ عنایت سے مراد ذات واحد سے مخلوقات کا مشاہدہ اور مخلوقات کے مشاہدے میں ذات واحد کی معرفت ہے، یہ معنی دو طرح سے حاصل ہو سکتا ہے ایک تو ظاہر چیزوں کی کثیر صورتوں و شکلوں کی معرفت کے ذریعہ، اس کا نام ترقیق اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ نفسِ امارہ کو پسینے اور کثرت میں موجود مادیت کی قوت کے ختم ہو جانے کی صلاحیت کا پتہ دیتا ہے، دوسرے یہ معنی وحدت میں کثرت کی معرفت سے حاصل ہوتا ہے، اسے تسخیق کے نام سے اس لئے پکارا گیا کہ یہ کسی الگ جنس کی ماہیت سے وجود حقیقی کی ماہیت کا مطالعہ کرنے اور اس مطالعہ کے نتیجہ میں خود اس جنس کے ختم ہو جانے کی خبر دیتا ہے، جیسے اناج کا جب آٹا بن گیا تو اناج کی حیثیت و ماہیت فنا ہو گئی، حالانکہ اس کی حقیقت بھی موجود ہے اور کام بھی۔ واللہ اعلم

ان کا یہ قول کہ ”ہر کسے از مرزئی خود آگا ہی یابد“ کی تشریح یہ کہ ہر شخص حضرت وجود کی حقیقت کی معرفت حاصل کرے، اور ان کا یہ قول کہ مرزا محمد گورد، اس سے مراد یہ کہ حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام میں جاری و ساری ہے، محمد مرزانے دوسری مرتبہ اپنے خط میں یہ شعر نقل کیا:

مردم دیدہ تیمم کردہ از خاکِ درت گر چہ درخانہٴ خود آب روانی دارد

مردان دیدہ ورنے تیرے در کی خاک سے تیمم کرنے کو ترجیح دی، حالانکہ ان کے اپنے گھر میں آب رواں موجود تھا۔

دیدہ وریا کو دیدہ؟

حضرت شیخ نے جواباً تحریر فرمایا:

مخدوم من! تیمم طہارت مجازی ہے، جبکہ مردان دیدہ ورتو طہارت حقیقی کے طالب ہوتے ہیں، اور اہل حقیقت کی درگاہ تو خاک مجاز سے پاک ہوتی ہے، گویا مردان دیدہ ورنہیں مردان کو دیدہ (اندھے) ہیں، جن کے گھر میں پانی موجود نہ تھا بلکہ سراب کو پانی سمجھ بیٹھے، اگر انہوں نے آنکھوں کو پانی کیا ہوتا تو پانی دیکھا ہوتا۔

مردم خانہ آب باید کرد خانہ خود خراب باید کرد

اس کا شوق رکھنے والوں کو اس کی طلب میں، آنکھیں، پانی اور گھر سب برباد کر دینا چاہئے۔

تاکہ ذات واحد کا سورج اپنے سراپردہ عزت سے جلوہ گر ہو اور تمام اشیاء اس کے سامنے صفر ہو

جائیں، اور ”لمن الملک الیوم لله الواحد القہار“ کا راز ظاہر ہو۔

آں سرکہ از گوش شنیدم ز خلقی از علم بعین آمد و از گوش باغوش

وہ راز کہ جسے میں نے لوگوں کی زبانی سنا تھا وہ آنکھ اور کان کی راہ آغوش میں آ گیا۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہاں یہ اقتباس بے ادبی تھا، کیونکہ مردم دیدہ و

سے مراد سالک کی آنکھ کی روشنی ہے، اور مردم دیدہ است یا نادیدہ است سے ان کی مراد یہ ہے

کہ کسی انسان کامل کو پہچان کر اس کے کمال کے معتقد ہوئے کہ نہیں؟

لیکن جو مردان دیدہ ورتے ہیں وہ رب العزت کی بارگاہ کو ہی تنہا حقیقت سمجھتے ہوئے دیدار

کامل کا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں، لہذا ان کے بارے میں کہا بھی نہیں جاسکتا کہ انہوں نے تیمم

کیا، کیونکہ تیمم طہارت مجازی ہے۔

اور اگر مرد کو دیدہ ہے، یعنی اس نے معرفت کے صرف ظاہری احوال ہی معلوم کئے ہیں تو بدستور حجاب اور شبہ میں مبتلا ہے، اگر پانی کو دیکھا ہوتا یعنی انسانِ کامل کو پہچان لیا ہوتا تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور روشنی ملی ہوتی اور اس قدر نا سمجھ نہ ہوتا، اگرچہ شاعر نے بظاہر تواضع کی انتہا کر دی ہے کہ آنکھوں کو خاکِ در پر رکھ دینے کو اس طرح کارنگین جامہ پہنایا ہے، لیکن اس کا ظاہری معنی یہ ہوگا کہ اپنے آباؤ اجداد سے کمالات حاصل کرنے کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ سے بعض امور میں استفادہ کروں، یہاں خود بینی کا پہلو نکل آیا اور یہ خود بینی مکمل فائدہ حاصل کرنے میں رکاوٹ بن گئی، حضرت شیخ کے مکتوب میں اسی معنی کا اشارہ موجود ہے، دوہا:

جو تو جانی ایک کر جو کے ہو بھی نہ سیکھ
دریں کراپنوں ہوں سودا ہی موں مکھ دیکھ
اگر تو نے اپنے علم کا احساس رکھا تو کچھ سیکھ نہ پائے گا، اگر کچھ سیکھنا چاہتا ہے تو اپنے علم کو بغل رکھ
اور سکھانے والے کی جانب متوجہ ہو جا!

حضرت شیخ نے ایک مرتبہ محمد مرزا کے نام یہ والا نامہ ارسال فرمایا:

اندر کے اسرار کو سر عام ظاہر کرنے خواہش نے خزانوں کے بند دروازے کھول دئے، اور انہیں سارے عالم میں لٹا دیا، ظہور کی صبح نے جیسے ہی پہلی سانس لی، عنایت کی ہوا چلنے لگی، عاشق آبِ حیات کی خیالی لہروں میں کھو گیا، شوق کی سواری پر سوار ہو کر شاہراہِ طلب پر قدمِ صدق دھرا، پہلی بار اسکی اندرونی آنکھ کھلی اور اسکی نگاہیں اچانک جمالِ محبوب پر پڑیں، تو خود کو محبوب کا آئینہ اور محبوب کو اپنا آئینہ پایا۔

عشق مشاطہ ایست رنگ آمیز کہ حقیقت کند برنگ مجاز

تا بدام آورد دلِ محبوب بطراز دیشانہ زلف ایاز

عشق وہ رنگین مشاطہ ہے جو مجاز پر حقیقت کا رنگ چڑھا دیتی ہے، اور ایاز کی زلفوں کو اس طرح سنوارتی ہے جو محمود کے دل کو لوٹ لیں۔

جامعہ کی زبان میں ایک خط

حضرت شیخ نے ایک اور مکتوب میں محمد مرزا کو جامعہ کی زبان میں یہ تحریر فرمایا: ہوا لحي القیوم! اے میرے مرزا اور میرے جلال! تو میری وحدانیت کی طلب میں ہے، جبکہ تو اپنی انانیت کو میری انانیت کے ساتھ شریک کر رہا ہے یہ تو سراسر شرکِ جلی ہے خفی بھی نہیں، کیا تو میرے غلبہ اور قوت سے نہیں ڈرتا اور میری وحدانیت سے تجھے حیا نہیں آتی؟

اے مرحوم! تو موہوم ہے (جس کے ہونے کا صرف وہم ہو) اور میں معلوم (یقینی وجود) میں نور ہوں تو ظہور، میں حق اور حقیقت ہوں تو مجاز و طریقت، اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تو تعظیم کرنے والا، مطلقاً ذات کی عبادت کرنے والا بنے تو موہوم کو اٹھا رکھ اور معلوم کو قائم کر اور اپنے قلبِ سلیم اور سرِ قدیم کے ساتھ آواز لگا کہ بنا کسی عیب و ریب کے ہر زمان و مکان میں وہ نہیں بلکہ میں ہوں، اور میں نہیں بلکہ وہ ہے، جب دوئی اٹھ گئی تو تم نے عین کو پالیا، اگر تو نے اس میں شک کیا تو تو مریض ہے، اگر تر د کیا تو معزول ہے، اور اگر ایمان و ایقان کے ساتھ قبول کر لیا تو منظور نظر سمجھا جائیگا، پس تو شک کرنے والوں اور مردودوں میں سے نہ بن۔

میں نے تجھے اپنی رحمت کے پیش نظر جواب دیدیا، لیکن تم میری عظمت سے غافل مت ہونا، اور تجھ پر یہ ضروری ہے کہ جو میں نے القا کیا ہے اسے مردود لوگوں پر ظاہر مت کرنا، کیونکہ جو راندہ درگاہ ہو وہ خالی اور کھوکھلا ہوتا ہے، اور جس پر رحمت کی گئی ہو وہ اصل ہوتا ہے، اگر تو نے میری بات کو سمجھ لیا ہے تو تجھ پر میری رحمت اور سلامتی ہے۔

ذکرِ لا ہوتی

ایک اور خط میں حضرت شیخ نے لکھا:

اس خدائے کردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں جو واحد و اور احد ہے، مجھ سے حق اور شہنشاہ مطلق نے فرمایا: ”اے میرے فرد اور میری رضا! مجھے اپنی قوت و غلبہ اور حسن و جمال کی قسم کہ میں احد ہوں، مجھ سے وراء کچھ بھی نہیں، اور میں ہی وہ ہوں جو پردہ خُلق میں مخفی ہے، میں نے اپنی ذات کے ساتھ اپنی ہی ذات سے اپنے ہی اندر اپنے شیون و صفات ظاہر کئے اور مخلوقات کو پیدا کیا، میں ہی حق اور حقیقت ہوں میں ہی ہر چیز کے لئے ذات اور ہر روح کی حیات ہوں تمام کائنات میری تخلیق اور تمام مخلوق میرا امر ہے، جو میرے ساتھ بقا چاہتا ہے وہ میری جلا (۱) کا طالب بنے، اور مجھے میرے ذکر لا ہوتی کے ساتھ یاد کرے نہ کہ ذکر جبروتی و ملکوتی کے ساتھ، وہ لا ہوا لا ہو، جس نے میرے کلام کو سمجھ لیا اس پر رحمت و سلامتی ہو۔ (۲)

ایک اور مرتبہ حضرت شیخ نے تحریر فرمایا: وہ بے کیف ہے اور تمام کیف اس کی بے کیفی سے ظہور میں آئے ہیں، وہ بے نمو (ناپیدا، لم یلد) ہے، تمام مخلوقات اس کی تخلیق سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان بلند ہمتوں کی مقصود اور اور ان بلند مرتبوں کی منزل دشمنوں کی مخالفت کے باوجود پردہ راز میں رہتے ہوئے ذات رفیع الشان کی ابدی احدیت ہے، چونکہ کثرت (ایک سے زیادہ) کو ذات مقدس میں کوئی راہ نہیں، اس لئے ذات واحد تک رسائی احدیت طریق (توحید) کے بغیر ناممکن ہے، اور احدیت طریق سے مراد کثرت عیانیہ (مختلف راہوں) کا وحدت صراط مستقیم میں ختم کر دینا ہے، یہی انبیاء و رسل اور کامل اولیاء کا راستہ ہے، نمازی نماز میں اهدنا الصراط المستقیم * سے یہی راستہ طلب کرتا ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں ”توحید ایک ایسا معنی ہے جس میں رسوم کمزور اور علوم ضم ہو جاتے ہیں، اور خدا تعالیٰ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ازل میں تھا اور بندہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے جیسا ہونے سے پہلے تھا۔

ذات میں خود ذات کا ظہور جلا کہلاتا ہے۔

۲ زبان کے ذکر کو ملکوتی، روح کے ذکر کو جبروتی اور پورے وجود کے ساتھ ذکر کرنے کو لا ہوتی کہتے ہیں۔

دیدہ ورشو محسنِ لم یزلی کوز غیرت بسوز معترلی

چہرہ آفتاب خود فاش است بے نصیبی نصیب خفاش است

حسنِ ابدی کے دیدہ ور بنو اور چشمِ غیرت کو جلا دو، آفتاب کا چہرہ تو خود بے نقاب ہے مگر کیا کیا جائے کہ چگا ڈڑکی قسمت میں ہی بے نصیبی لکھ دی گئی ہے۔

شیخ عبدالحفیظ حضرت کے خاص دوستوں میں تھے، ان کے نام حضرت نے یہ خط لکھا:

تیری ہستی حباب کی سی ہے

”یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نور کے دریا کا ایک بلبلہ ہیں یہ بلبلہ جب پھٹتا ہے تو پاتا ہے کہ وہ خود بھی نور کا دریا ہے، وہ اسی خیال کو دل کی توجہ اور اور ارادے کے ساتھ اپنے اوپر نافذ کرتا ہے، چونکہ قصد اور توجہ قلب کے حالات کو باقی رکھنے میں کافی مؤثر ہوتے ہیں، لہذا قصد ٹوٹ جاتا ہے اور غیر کا خطرہ راہ پالیتا ہے تو ذہن فوراً اس خیال کی طرف جاتا ہے کہ ”تعرف الاشیاء بأضدادھا“ (چیزوں کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے) اس نور میں اسمِ ذات اسمِ متکلم (سالک) کے ساتھ اسکی تنہائی و تاریکی میں ہر وقت مسلسل اس طرح موجود رہتا ہے کہ اسکو اس کی خبر نہیں ہوتی، اور اس کے دل کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں، تو وہ تمام فرشتوں اور پیغمبروں کو دیکھتا ہے، (کبھی مراقبہ میں، کبھی خواب میں، اور کبھی خیال و بیداری میں بھی) اور ان سے عظیم فائدے حاصل کرتا ہے، (ہدایت اور ربانی انوار و تجلیات) یہ فضلِ خداوندی ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

چشمِ دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید عینِ دریا گشت چوں بیدار شد چشمِ حباب

جب دل کی آنکھ کھلی تو محبوب کو اپنے اندر موجود پایا اور بلبلہ جب پھٹا تو دریا بن گیا۔

بلبلہ جب تک بلبلہ ہے، اسکی کچھ حیثیت نہیں، لیکن جب فنا ہوتا ہے وہ دریا بن جاتا ہے، موجود حقیقی کے تعلق سے انسان کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نماز

ایک بار شیخ عبدالحفیظ نے اس حدیث قدسی کے بارے میں معلوم کیا ”قف یا محمد فإن اللہ یصلی“ جو کہ معراج کے قصہ میں ہے۔ (۱)

حضرت نے جواباً تحریر فرمایا:

میری ناقص رائے میں یہی آتا ہے کہ جب اس قافِ معرفت کے سیرغ (نبی کریم ﷺ) نے عالمِ خلق و امر (مادہ اور بے مادہ کے وجود میں آنے والے عالم، مراد ارض و فلک ہیں) کی فضا میں اڑان بھری تو عالمِ کون و امکان کی آخری حد تک جا پہنچا، اسے حضرت الہی کی دل لبھانے والی فضا دکھائی دی، اپنے عزم کی بلندی اور قوت سے اس نے اس فضا میں پرواز کرنا چاہی کہ اسی لمحے خطابِ الہی ان کے کانوں میں گونجا ”قف یا محمد“ یعنی اے محمد! عالمِ امر کے اس آخری نقطے پر ٹھہر جائیے! یہ مقامِ عبدیت ہے جس میں مشاہدہ رب ہوتا ہے، فان اللہ یصلی یعنی وہ آپ کے ذریعہ دونوں جہانوں کو نبوت و رسالت کی رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ رسولِ خدا اس برزخ میں ٹھہریں تاکہ بارگاہِ الہیہ سے معارف و احکام کا استفادہ کر کے عالمِ خلق و امر پر مطلع ہوں۔

تو نے میری چاہت کی جو پاس داری کی ہے وہ تیری اپنی مراد کی پاس داری سے بڑھ کر میری رحمت کو متوجہ کرنے والی ہے۔

أرید وصالہ ویرید ہجری فاترک ماأرید لہما یرید

میں اس کے وصال کا طالب ہوں اور وہ میری جدائی پر آمادہ، اس لئے میں اس کی مشیت پر اپنی چاہت کو قربان کرتا ہوں۔

افنودی بصوت أبي بكر: "قف يا محمد إن ربك يصلی" تفسیر روح البیان - (5/102) اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ حدیث قدسی نہیں ہے۔ واللہ اعلم

فانی فی الوصول عبیدة نفسی وفي الهجران مولی للموالی

کیونکہ میں وصال میں اپنے نفس کا بندہ ہوتا ہوں اور ہجر میں سرداروں کا سردار۔

حضرت رسالت مآب ﷺ کے بلند مرتبہ علوشان کے پیش نظر موزوں ترین بات تو یہ ہے کہ حضور ﷺ اس برزخ میں عالم الہی کی فضاؤں میں پرواز کرنے کے بعد واپس آئے تب ان سے یہ خطاب کیا گیا۔

متآخرین صوفیا کے بعض مقلدین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس حدیث کے اور بھی کئی بعید تر معنی بیان کئے ہیں، یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جب وہ شہبازِ بلند پرواز کثرتِ اسماء و صفات کی فضا کو طے کر گیا تو مقصورہ کبریٰ پر آ کر دم لیا، یہ تعینات (مقامات معلومہ) کے مراتب میں سب سے پہلا درجہ ہے، اور یہ مقام حقیقت محمدیہ ﷺ کے نام سے جانا جاتا ہے، اس کے بعد اس نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ذات واحد کی حقیقت کی دنیا میں پرواز کرے تو اس سے خطاب کیا گیا کہ اسی برزخ کبریٰ میں ٹھہر جائیے جو عارفین کے مقام کی آخری منزل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ صلاۃ پڑھ رہا ہے، یعنی وہ اس بلند مرتبہ اور قربت کی آخری منزل میں اپنے کامل بندوں پر رحمت فرما رہا ہے۔

یا ٹھہر جانے کا حکم دیکر ان پر رحمت بھیجتا ہے کیونکہ اس مقام سے آگے جانے کا شوق وقت کو ضائع کرنا ہے، اور آگے جانے کی طلب ایک ایسی شے کی طلب ہے جس کا حصول ناممکن ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی عبادت کر رہا ہے، یعنی اپنے کمالات ذاتیہ کی ثنا کر رہا ہے، یا ان کی طرف متوجہ اور کائنات سے بے نیاز ہے، اس کے حریم ذات اور عزت و جلال کی طرف سعی کرنے کا کوئی مقام ہی نہیں۔

تعالیٰ العشق عن همم الرجال ومن وصف التفرق والوصول

یحل عن الاحاطة والمثال

متی ما جل شیء عن خیال

عشق لوگوں کے ارادوں سے بالا اور ہجر و وصال سے بے نیاز ہے، جب کوئی چیز خیال میں نہ آسکے تو وہ احاطہ و مثال سے بھی آزاد ہو جاتی ہے۔

ولی اور گناہ

ایک مرتبہ شیخ عبدالحفیظ نے لکھا کہ محققین کا قول ہے ”شرط الولی ان یکون محفوظاً“ اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ بھی لکھا کہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ کیا عارف سے زنا سرزد ہو سکتا ہے؟ تو انھوں نے کچھ دیر سر جھکائے رکھا اور پھر فرمایا:

وکان امر الله قدراً مقدوراً* سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کیا موافقت و مطابقت ہے؟ حضرت نے لکھا: دونوں اقوال صحیح ہیں اور اکابرین کا ان پر اتفاق ہے، دونوں ایک دوسرے کے مخالف نہیں ہیں، ولایت کی تین قسمیں ہیں، ولایت ایمانی، ولایت عرفانی، اور ولایت احسانی، پہلی دونوں قسموں سے متصف ولی گناہ کبیرہ کا عمداً بھی مرتکب ہو سکتا ہے، مگر ولایت احسانی کا حامل ولی گناہ کبیرہ سے مطلقاً اور گناہ صغیرہ کے عمداً ارتکاب سے محفوظ ہوتا ہے۔

دس کلمات

حضرت شیخ کے ایک خط کا اقتباس یہ ہے:

طریقہ قدسیہ رضائیہ کی بنیاد دس کلمات پر ہے:

(۱) تنزیہ المقصود (نیک ارادہ) (۲) تفرید الہمہ (ہمیشہ خلوت و تنہائی میں لگن رہے، یہاں تک کہ محفل میں بھی (۳) تجرید التوحید (کسی بھی عمل کی کوئی غرض نہ ہو، نہ دنیاوی نہ اخروی، (۴) مطالعہ جمال فی النفس والآفاق (۵) فنا فی اللہ ہوت (ذات و کائنات کی مکمل نفی، اور تمام امکانی موجودات سے علیحدگی) (۶) بقا بالہا ہوت (باری تعالیٰ کے وجود کا اپنی ذات سے زیادہ استحضار) (۷) ذکر بالا اجتماع (۸) الجمع بین الجہر والاختفاء (۹) الحد مع الاصفیاء (۱۰)

بسم اللہ کے معارف

آپ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بعض مسودات میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے: بامتعلق ہے مقدر (مخزوف) عام سے جو کہ وجود ہے، اور لفظ اللہ واجب الوجود کا علم ہے جو کہ اپنے آپ میں خود موجود ہے تمام کمالات کا مجموعہ ہے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے، الرحمن، الرحیم دونوں تفضّل و احسان کے معنی میں اس کی رحمت کے اسماء ہیں، پہلا اس فیض مقدس کے لحاظ سے ہے جس کے ذریعہ وہ عظیم اشیاء اپنی عظمت کے ساتھ حاصل ہوتی ہیں جنہیں حقیقت و ماہیت کا نام دیا گیا ہے، دوسرا نام یعنی الرحیم اس فضان مقدس کے اعتبار سے ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ ماہیت اپنے لوازم و توابع کے ساتھ خارج (جسمانی، دنیاوی امور) میں حاصل ہوتی ہیں، اس طرح اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ وہ پہلے علمی طور پر حقیقتوں اور ماہیتوں کا بخشنے والا اور فیاض ہے، اور اس کے بعد خارج میں ان تمام کو وجود بخشنے والا فیاض ہے، لہذا الرحمن و رحیم دونوں اسم ذات کی صفات ہیں، یا اس کا بدل ہیں یا دونوں اس کا بیان ہیں، یا دونوں صفات اس مقدر مخزوف کی خبر ہیں جو اس کی طرف راجع ہے، یا دونوں مفعول ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر چیز کا وجود غیب و شہادت میں ذات واجب کے ظہور سے ہے۔

تفسیر سورہ فاتحہ

سورہ فاتحہ کی تفسیر آپ نے اس طرح فرمائی:

- ۱۔ حامدیت (شناخاں ہونا) اور محمودیت (جس کی ثنا کی جائے) اللہ کے ساتھ خاص ہے۔
- ۲۔ یہ یا تو جمع الجمع (ذات کے ذات پر ظہور) کی حیثیت سے ہے، جہاں اس نے مرتبہ غیب میں پہلی اور دوسری تجلی کے ساتھ خود اپنی ذات کے کمالات کو اپنی ہی ذات پر ظاہر کیا، اور اسی طرح اولاً اس نے اپنی ذات پر ہی الہی کیفیات اور حقائق کا اظہار کیا۔

۳۔ مرتبہ جمع علی الفرق (ذات کائنات پر ظہور) ہے، یہ اس طرح کہ اس ذات پاک نے اپنے فیض اور نور افشانی کے ساتھ اپنی ذات کو اپنے ہی علم پر اور صفات کو خارج پر ظاہر فرمایا۔

۴۔ مرتبہ فرق علی الجمع (ذات مطلق پر کائنات کی شہادت) کی بنا پر ہے، کیونکہ موجودات روحانی (فرشتے، روح، احکام، وغیرہ) موجودات مثالی (برزخ، اور اجسام برزخیہ) اور حسی (ہوا، گرمی، سردی) تمام کے تمام اس کی ذات و صفات کے کمالات کو تمام زبانوں میں بول کر بھی ظاہر کرتے ہیں اور زبان حال سے بھی اور اپنی کارکردگی سے بھی اظہار کرتے ہیں۔

۵۔ مرتبہ فرق علی الفرق (اس جمال کا مشاہدہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات نے کائنات کو بخشا ہے) کی بنا پر، کیونکہ مظاہر خلقیہ اور مجالی الکونیہ (جنکا ابھی ذکر ہوا) بھلے ہی اپنے کمالات کو اقوال و افعال اور احوال کی زبان میں ظاہر کریں لیکن حقیقت میں وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ایسی تعریف ہے جو خود اس نے اپنی ذات کے لئے کی ہے۔

شیخ کے تحریری تراشے

آپ کے مسودات میں جمال ہانسوی (۱) کا یہ قول بھی دیکھا گیا ہے:

تاہت عقول الاغیار فی احوال الاخیار* (اغیار کی عقلیں اغیار کے احوال میں بھٹک گئیں۔)
اس کے متعلق فقیر (شیخ ابوالرضا) کا کہنا ہے کہ:

تاہت عقول الابرار فی اسرار الاخیار و تاہت عقول الاخیار فی اسرار الاحرار*

ابرار کی عقلیں اغیار کے رموز میں حیران، اور اغیار کی عقلیں احرار کے اسرار میں بھٹک گئیں۔

شیخ جمال الدین ہانسوی متوفی ۶۵۹ھ بابا فرید الدین گنج شکر کے انتہائی چہیتے خلیفہ تھے، یہاں تک کہ بابا جس کو خلافت دیتے تو اس کو ہدایت کرتے کہ جمال سے مہر لگو لینا، اگر شیخ جمال الدین مہر نہ لگاتے تو خلافت منسوخ ہو جاتی، بابا صاحب فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا ہم رفو نہیں کر سکتے، حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کلیریؒ کو دہلی کی خواجہ نظام الدین اولیاء والی گدی سے انہوں نے ہی محروم کر دیا تھا۔

ایک دوسرے مقام پر یہ تحریر ملی: وجود تیرے اس وجدان (احساس) سے عبارت ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی تمام صفات اور اسماء کے ساتھ تیری ذات میں جلوہ گر ہے، یہاں تک کہ تو خود باقی نہ رہے، صرف ذات حق ہی لازوال صورت میں باقی رہ جائے۔

ایک اور جگہ آپ نے لکھا: فقیر کے نزدیک توحید تفریدِ لطیفہ (خواہشات سے علیحدگی) کا نام ہے، غرورِ نسب اور دوسرے اضافات (کبیرہ گناہوں) سے تفرید (اجتناب) توحید نہیں۔

ایک بحث میں آپ نے تحریر فرمایا: ”محققین نے کہا ہے کہ عجزِ آخری منزل پر پہنچنے والوں کی انتہا اور مقصود کی طرف ترقی کرنے کا راستہ ہے، اس عجز سے آگے نہ کسی کامل کا گذر ہو سکتا ہے اور نہ کمال حاصل کرنے والے کے لئے ترقی کی راہ، یہاں عجز سے مراد وہ عجز نہیں جو مبتدیوں کے ذہنوں میں ہے، بلکہ یہ عجز تو حضرت الحضرات کے مرتبہ میں ادراکِ ازلی (اللہ تعالیٰ کی معرفت کے علمِ صحیح) کو حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ ترین کمال سے عبارت ہے، یہی مقام ہے جسے ادنیٰ او ادنیٰ کا نام دیا گیا ہے، اور اس ادراکِ ازلی کا درک (علم، پہچان) پانے کا کوئی راستہ ہی نہیں اور اس سے عاجز ہونا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

العجز عن درک الادراک ادراک“ (۱)

ادراکِ ازلی کے علم سے عاجز ہو جانا ہی ادراک (معرفت) ہے۔

مزید تحریر فرمایا کہ کمالِ مطلق ولی کا وہ مقام ہے جہاں ولی کامل کو اشیاء کی حقیقت مکمل طور پر بتا دی جاتی ہے، یوں اسے بیک وقت ربوبیت و عبودیت کی صفات سے متصف کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھیلکھا: فنا، لوازمِ بشریہ (انسان کے فطری تقاضے بھوک پیاس نیند وغیرہ) کے ختم ہو جانے کا نام ہے، پہنچا تمہ یا تو ان تقاضوں سے لاپرواہی برتنے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا ان کے فنا ہونے

^۱ المقصد الأسنی - للغزالی (54/1) آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حسین لفظوں میں اس ساری بحث کو سمیٹ دیا:

لا أحصي ثناء عليك أنت كما أثنيت على نفسك* (موطأ مالك - ج ۲۵) اللہ اللہ خیر ص لاج*

کے احساس کی بنا پر، یا حقیقی حال طاری ہونے کے سبب، فنا کے نو (۹) مراتب ہیں:

(۱) پہلا مرتبہ ذہول ہے، یعنی اہل حجاب کا ذکر میں مستغرق ہو کر اپنی ذات کا شعور کھودینا، یا اہل کشف پر محبوب حقیقی کے جمال کا نور ظاہر ہو جانا۔

(۲) دوسرا مرتبہ ذہاب ہے، اس سے مراد بندے کا افعالِ حق کو مشاہدہ کرنے کے بعد اپنے افعال کو ایسا سمجھنا ہے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم، اور کبھی ذہاب کا اطلاق ترقی پر بھی ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا مرتبہ سلب ہے، حق کی صفات کے ظاہر ہونے کی بنا پر مخلوق کی صفات کو فنا کر دینا۔

(۴) اصطلام یعنی ذاتِ حق کے وجود کی خاطر بندے کا خود کو فنا کر دینا۔

(۵) انعدام، بندے کا اپنی فنا نیت سے بھی بے خبر ہو جانا۔

(۶) سحت، بندے کے نفس سے کبر و عجب کا زائل ہو جانا، اور الہی صفات کو اپنے اندر بلا تکلف جذب کر لینا جیسے وہ اپنی صفات کو قبول کرتا ہے، تحقق باللہ کا یہ پہلا مقام ہے۔

(۷) محق، بندے کے جسم اور روح سے حد اور احاطے (فرق) کا زائل ہو جانا۔

(۸) طمس، اس میں بندے کی طبیعت، مزاج اور ظاہر و باطن سے تمام بشری تقاضے ختم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اسے نہ بھوک ستاتی ہے اور نہ نیند۔

(۹) محو، طبیعت کے تمام آثار کا زائل ہو جانا اور حقیقت کے کمال کا حاصل ہو جانا۔

پہلے پانچ مراتب اہل فنا کے ساتھ خاص ہیں، اور آخر کے چار اہل بقا کا حصہ ہیں، ظاہر ہے کہ بقا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لہذا اس سے بندے کو اس وقت متصف کیا جاتا ہے جب بندہ خود کو فنا کر دیتا ہے۔

ولایت کبریٰ کے فرائض

حضرت شیخ نے اپنے رسالے ”اصول الولاية“ میں فرمایا کہ ولایت کبریٰ کے چھ فرائض ہیں، ان میں سے چار قرآن کریم کی اس آیت میں ترتیب وار موجود ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ

تُقْلِحُونَ* (المائدہ ۳۵)

- (۱) سچے دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا۔
- (۲) تقویٰ، یعنی مامورات پر عمل اور شبہات و وساوس سے پرہیز۔
- (۳) شیخ طریقت کی طلب، کہ وسیلہ یہی ہے اور محبوب کے وصل کی راہ اسی سے کھلتی ہے۔
- (۴) انانیت کو فنا کر کے نبوت کی پیروی کا جہاد، اپنی آزادی سے دور ہو کر دوست کے درکا اسیر ہو جانا، یہی فنا ہے اور یہی ولایت کبریٰ۔

خلوت کا طریقہ

اسی رسالے میں آپ نے تحریر فرمایا ہے:

جب سچا مرید خلوت میں داخل ہو تو پوری طرح اپنی دنیا سے نکل آئے، کامل غسل کرے، مصلیٰ اور کپڑے پاک ہوں تاکہ حق کی عبادت کے لائق ثابت ہو، قبلہ رو ہو کر دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے ادا کرے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اپنی نجات سمجھے، نہایت عاجزی و زاری کیساتھ خلوت گاہ میں بیٹھے، کسی نماز میں تکبیر اولیٰ کو فوت نہ ہونے دے، سلام پھیرتے ہی خلوت گاہ میں آجائے، ساتھ والوں سے بچ کر گزرے، ادھر ادھر نہ دیکھے، لوگوں کی نظروں سے بچے، نفس کی لذت اور غفلت کو قریب نہ پھٹکنے دے، جو خلوت ایسی نہ ہو واپسی کام کی نہیں، ذکر مراقبہ اور انکساری کا دامن تھامے رہے، نوافل، تلاوت اور درود و استغفار میں مشغول رہے، تاکہ سستی و کاہلی نہ ہو، سستی آئے تو تازہ وضو کر لے، اگر غنودگی کا غلبہ ہو تو سو جائے، تاکہ فضول باتوں سے بچ جائے اور برائی سے محفوظ رہے، دن اور رات کا تیسرا حصہ آرام کرے، تاکہ نفس اضطراب کا شکار نہ ہو، یعنی چھ ساعت رات اور دو ساعت دن کے وقت آرام کرے، دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے مطابق آرام کے وقت میں تبدیلی کرتا رہے، سورج غروب

ہونے سے پہلے مکمل طہارت کے ساتھ مصلے پر قبلہ رو ہو کر ذکر و مراقبہ میں مشغول رہتے ہوئے نماز کا انتظار کرے، اور مغرب و عشاء کو اس طرح ملا دے کہ بیچ کا وقت ذکر، مراقبہ اور نوافل میں گزرے، قلب کو روشن کرنے میں یہ عمل خاصا مؤثر ہے، جب صبح طلوع ہو تو مندرجہ ذیل چار دعائیں پڑھے تاکہ دنیا میں گم ہو جانے اور شیطان و نفس کے شر سے محفوظ رہے:

(۱) اللھم یارب انت الہ عالم وانا عبد جاہل اسئلک ان ترزقنی علماً نافعا حتی اعبد بعلمک و الاہلکت *

یا اللہ یارب آپ معبود و عالم ہیں اور میں جاہل بندہ، آپ سے بھیک مانگتا ہوں کہ مجھے علم نافع عطا فرمادے، یہاں تک کہ میں آپ کے علم کی روشنی میں عبادت کروں ورنہ ہلاک ہو جاؤنگا۔
(۲) یارب انت الہ غنی وانا عبد فقیر اسئلک ان تحفظنی حتی اسئل من سواک

کفاف الدنیا و الاہلکت *

یارب آپ الہ غنی ہیں اور میں فقیر بندہ، آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میری حفاظت فرمائیے اس سے کہ میں آپ کے سوا کسی اور سے سوال کروں دنیا کا ورنہ میں ہلاک ہو جاؤنگا۔

(۳) یارب انت الہ قوی وانا عبد ضعیف اسئلک ان تعین حتی غلبت الشیطان

بقوتک و الاہلکت *

یارب آپ قوی معبود ہیں اور میں کمزور بندہ، آپ سے سوال کرتا ہوں مدد کا، تاکہ آپ کی قوت سے میں شیطان پر غلبہ حاصل کر سکوں، ورنہ میں ہلاک ہو جاؤنگا۔

(۴) یارب انت الہ قادر وانا عبد عاجز اسئلک ان تجعلنی قاهر اعلی نفسی حتی

اقهرها بقدرتک و الاہلکت *

یارب آپ معبود قادر اور میں عاجز بندہ، آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے میرے نفس پر قابو عطا فرمادیجئے، کہ میں اس پر آپ کی قدرت سے غلبہ حاصل کروں ورنہ میں ہلاک ہو جاؤنگا۔

اس کے بعد فجر کی دو سنتیں گھر میں ہی ادا کرے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص فجر کی

سنتوں اور فرضوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے گا تو اس کا دل زندہ اور ایمان سلامت رہے گا چاہے دوسرے سارے دل مردہ ہو جائیں۔

يا حي يا قيوم يا بديع السموات والأرض يا ذا الجلال والإكرام يا الله لا إله إلا أنت

أَسْأَلُكَ أَنْ تَحْيِيَ قَلْبِي بِنُورِ مَعْرِفَتِكَ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ يَا اللَّهُ*

اے ہمیشہ رہنے والے، اے زمین و آسمان کو بنانے والے، اے جلال و عظمت کے مالک، اے اللہ! آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے حیات بخش دیجئے، یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ (۱)

جب جماعت میں شامل ہونے کے لئے گھر سے باہر قدم رکھے تو کہے:

بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَاللَّهُ وَاللَّهُ وَالتَّكْلَانِ عَلَى اللَّهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ*

اللہ کے نام سے، اللہ کی مدد سے، اللہ کی جانب، اللہ کے بھروسے، کوئی دار و گیر ہے نہ قوت مگر اللہ کی۔ جب مسجد کے دروازے پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اللهم عبدك ببابك مذنبك ببابك وجهه اليك عمن سواك يستغفرك ويطلب رضاك ان

لم تفتح باب فضلك فاي باب سوى بابك*

یا اللہ آپ کا بندہ، آپ کا گنہگار آپ کے دروازے پر حاضر ہے، اس نے اپنی توجہ دوسروں سے ہٹا کر آپ کی جانب کر لی، آپ سے مغفرت چاہتا ہے، اور آپ کی رضا کا طالب ہے، اگر آپ نے اپنے فضل کا دروازہ نہ کھولا تو پھر آپ کے در کے علاوہ کونسا دروازہ ہے؟

پھر داہنا پاؤں مسجد کے اندر رکھے اور پڑھے:

بِسْمِ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ*

ایہ دعا کسی حدیث میں ہمیں نہیں ملی، البتہ امام ترمذی صاحب سنن کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ مجھے اپنے ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا تلقین فرمائی۔

إعانة الطالبين للدمياطى - (1/247)، اللہ اللہ کے بعد اس دعا میں یا رحم الراحمین بھی ہے، واللہ اعلم۔

اور جب اندر داخل ہو جائے تو یہ دعا پڑھے:

اعوذ بالله العظيم بوجهك الكريم وسلطانہ القديم من الشيطان الرجيم*

اور جب اندرون مسجد پہنچ جائے تو سلام کرے، اگر مسجد میں کوئی نہ ہو یا نماز میں مشغول ہو تو کہے: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، نماز کے بعد اپنی جگہ قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور پورے انہماک کے ساتھ ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے، اس وقت سونا انتہائی مکروہ عمل ہے، اگر نیند کا غلبہ ہو بھی جائے تو اٹھتے بیٹھتے ہوئے ذکر کر کے اسے دور کرے، یہاں تک کہ جب سورج ایک دو نیزہ بلند ہو جائے تو دو رکعت شکرانے کی نیت سے ادا کرے۔

اس کے بعد مسجد یا اپنی خلوت گاہ جہاں بھی قلب کو جمعیت خاطر میسر ہو، وہاں پھر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو جائے، جب دن کا ایک چوتھائی حصہ گزر جائے تو وہیں چار رکعت چاشت کی نماز ادا کرے، اس کے بعد اگر کوئی ضروری کام درس و تدریس وغیرہ کا ہو تو اسے انجام دے لے ورنہ تازہ وضو کر کے پھر مراقبہ میں بیٹھ جائے، اگر کھانے کی کوئی چیز ہو تو کھالے، اور کھانے کے دوران زبان پر ذکر اور دل میں تصور رکھے، اس کے بعد تازہ وضو کر کے ذکر کرتے ہوئے قیلولہ کرے، اور سورج ڈھلنے سے پہلے بیدار ہونے کو غنیمت جانے، تاکہ زوال کے وقت تک طہارت کاملہ کے ساتھ قبلہ رو ہو کر مصلے پر ذکر و مراقبہ میں مشغول ہو چکے، جب سورج آگے بڑھ جائے تو چار رکعت زوال کی نماز ادا کرے۔

نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد اگر کوئی ضروری کام ہو، مثلاً کسی سے ملاقات، عیادت، آل اولاد کی تعلیم اور ان کی خبر گیری وغیرہ تو حسب ضرورت ان کے لئے وقت نکال لے، مگر ان سے جلد فراغت حاصل کرے اور استغفار پڑھے ”حسنات الابرار سیئات القہر بین“ اس کے بعد طہارت حاصل کر کے عصر کی نماز کی تیاری کرے اور عصر و مغرب کے درمیانی وقت کو ذکر و مراقبہ میں صرف کرے۔

عمر برف است آفتاب تموز اندکے ماندہ خواجہ خواجہ غزہ ہنوز
 دل گفت مرا علم لدنی ہوس است تعلیم کن دگرت بدیں دسترس ست
 گفتم کہ الف الف گفت دگر ہیچ مگو درخانہ اگر کس ست یک حرف بس است
 عمر برف ہے اور سورج ساون کے مہینے کا ہے، تھوڑی عمر باقی ہے، اور خواجہ ابھی تک مغرور ہے۔
 دل نے کہا مجھے علم لدنی (۱) کی ہوس ہے اگر تو اس میں کچھ دسترس رکھتا ہے تو مجھے سکھلا دے، میں
 نے کہا ”الف“ تو کہنے لگا بس اور کچھ مت کہنا، کیونکہ اگر کسی کا خانہ خالی نہیں ہے تو اس کے لئے
 ایک حرف کافی ہے۔

شیخ ابوالرضا کا سفر آخرت

شیخ محمد ظفر رہتکی کا بیان ہے کہ ابتدائی زمانے میں حضرت شیخ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر
 پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہوگی، جب آپ کی عمر پچاس سال کو پار کر گئی تو آپ کے اس
 فرمان کی وجہ سے ہمیشہ کھٹکار ہنے لگا، پھر جب آپ پچپن سال کے ہو گئے تو مجھے کسی تقریب کی
 وجہ سے اتفاقاً اپنے وطن روہتک جانا پڑا، رخصت ہوتے وقت میں نے آپ سے اپنے اس
 خدشے کا ذکر کیا تو آپ مسکرائے اور ٹالتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اپنے وطن ضرور جانا
 چاہئے، اس خیال کو دل سے نکال دو۔

حضرت شیخ کے یہ آخری کلمات تھے جو میں نے سنے، گلشن شاعر نے بیان کیا کہ حضرت شیخ
 کے آخری ایام میں ایک روز شیخ عبدالاحد آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اس وقت
 میں بھی حضرت شیخ کے ہمراہ تھا جب ہم لوگ حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت آپ
 خلاف عادت پلنگ پر تشریف فرما تھے اور باقی تمام اصحاب زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت
 شیخ نے شیخ عبدالاحد کو دیکھتے ہی تبسم فرمایا، اور خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور اپنے

۱ علم لدنی وہ علم کہلاتا ہے جو درس گا ہوں میں نہیں ملتا بلکہ بلا کسی واسطے کے منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے۔

ساتھ پلنگ پر ہی بیٹھا لیا، کچھ دیر یہ صحبت قائم رہی، تاہم آپس میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، ایسا لگتا تھا جیسے آپ کا دل تمام دنیوی رشتوں سے سرد ہو گیا ہے، بے خودی اور فرط رمیدگی کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ شیخ عبدالاحد کے ساتھ قریبی رشتہ داری تھی اس لئے شیخ کو اپنے ساتھ گھر میں ہی لے گئے، کچھ دیر پھر اسی طرح خاموش صحبت رہی، مغرب کی اذان ہوئی تو آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ فخر العالم نے آکر عرض کیا کہ اذان ہو چکی ہے اب باہر چلنا چاہئے، حضرت شیخ نے فرمایا: بابا ابھی تک اندر باہر میں فرق باقی ہے؟ یہ فرما کر باہر تشریف لائے، اور مسجد میں نماز ادا کی، اس صحبت کے ختم ہونے کے بعد شیخ عبدالاحد نے فرمایا کہ گویا حضرت شیخ اسی حالت میں بیٹھے رہنے پر مامور ہیں، اور شاید آپ کے انتقال کا وقت قریب آ گیا ہے، اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تڑپ کا غلبہ ہے، اس کے تھوڑے عرصہ بعد آپ نے انتقال فرمایا۔

اصحاب شیخ کی ایک جماعت نے بیان فرمایا کہ حضرت شیخ کچھ کمزوری اور کسمل محسوس کرنے لگے تو آپ نے دو تین روز کھانا نہ کھایا، آپ کی طبیعت میں نہایت بے تعلقی سی پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ کسی چیز کی طرف بھی توجہ باقی نہ رہی، نماز عصر کے وقت مسجد کو جانے لگے تو اہل خانہ کو الوداع کہا، نماز کے بعد ”مقامات خواجہ نقشبندیہ“ طلب فرمائی اور اس میں سے کچھ مطالعہ کیا، اسی دوران کسی معتقد نے پان پیش کیا اس میں سے آپ نے ایک دو ٹکڑا لیا، اور خوشی و مسرت کے عالم میں تکتے سے سہارا لیا، اسی وقت آپ کی روح پرواز کر گئی۔

رحلت سے تھوڑی دیر پہلے آپ نے حضرت شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کی طرف اشارہ فرمایا، کچھ لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور بعض نے آپ کو غشی میں سمجھ کر اٹھایا اور دروازے تک لائے، حضرت شیخ عبدالرحیم اسی وقت آگئے انہوں نے دیکھا کہ آپ کی روح پرواز کر چکی تھی، یہ محرم الحرام کی سترہ تاریخ ۱۱۰۰ھ کا واقعہ ہے، بعض احباب نے آفتاب حقیقت سے تاریخ

نکالی ہے، (اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو راضی کرے، اور جنت الفردوس ان کا ٹھکانہ بنائے) یہاں مخدومنا وسیدنا الشیخ ابوالرضا کے احوال و آثار جس قدر میں نے جمع کرنے کا ارادہ کیا تھا مکمل ہوئے۔

تمت حصہ دوم

حضرت شاہ ولی اللہ کے اجداد اور مشائخ کے حالات

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات و على فضله المعول في جميع الحالات و بسم

الله الرحمن الرحيم و صلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه اجمعين، اما بعد!

فقير ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ ہی دنیا و آخرت میں ان کا کفیل ہو)

کہتا ہے کہ یہ چند اوراق اس کے بعض اجداد کے بارے میں ہیں، اس کا نام (الامداد فی آثار
الاجداد) رکھا گیا ہے۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل *

واضح رہے اس فقیر کا سلسلہ نسب امیر المؤمنین عمر ابن الخطابؓ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے:
فقیر ولی اللہ ابن شیخ عبدالرحیم ابن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام
الدین عرف قاضی قادن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب
الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر
حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار بن عثمان بن ہامان بن
ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ و عنہم اجمعین۔
پرانے نسب نامے جو روہتک اور شاہ ارزانی بدایونی کے خاندان میں موجود ہیں جن کا نسب
سالار حسام الدین بن شیر ملک سے ملتا ہے، ان میں ایسا ہی پایا گیا ہے، زمانہ قدیم میں لفظ
ملک تعظیم کے لئے استعمال ہوتا تھا جیسے ہمارے زمانے میں خان، واللہ اعلم

معلوم رہے کہ ہمارے اجداد میں سے جس نے سب سے پہلے شہر روہتک میں رہائش اختیار کی
وہ شیخ شمس الدین مفتی ہیں، روہتک ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک شہر ہے جو دہلی سے تیس کوس
قبلہ کی طرف واقع ہے۔ (۱)

یہ شہر اسی موقع پر اسی نام سے اب بھی موجود ہے، ہریانہ صوبہ کا ایک ضلع ہے۔

ابتدا میں جب ہندوستان فتح ہوا تو سادات اور قریش بڑی تعداد میں یہاں آکر آباد ہوئے، اس علاقہ کا کوئی دوسرا شہر اس سے زیادہ بارونق اور آباد نہ تھا مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ وہ آبادی اور رونق ختم ہو گئی، حضرت شیخ شمس الدین مفتی عالم وزاہد تھے، یہی وہ پہلے فرد ہیں جو خاندان قریش میں سے اس شہر میں آباد ہوئے، آپ نے یہاں اسلام کی اشاعت کی اور کفر کا زور توڑا۔

ان کے حالات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کا جنازہ نماز کے بعد اس مسجد میں رکھ دیا جائے جو ان کی عبادت گاہ اور اور جائے اعتکاف تھی، اس کے بعد تھوڑی دیر کے لئے مسجد کو خالی چھوڑ دیا جائے، پھر اگر جنازے کو موجود پائیں تو دفن کر دیں ورنہ واپس چلے جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کچھ دیر بعد جب دیکھا گیا تو جنازہ موجود نہیں تھا۔

حضرت والد ماجد جب اس واقعہ کو بیان کرتے تو اس کی تائید میں فرماتے کہ میں نے اس زمانے کے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کے حالات پر مبنی کتابوں میں اس واقعہ کو دیکھا ہے، اگرچہ وہاں اس بزرگ کا نام موجود نہیں۔

بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں میں جو ذمی و قار شخص اس قسم کے قصبات میں رہتا تھا تو قضاء، احتساب اور افتاء وغیرہ کی ذمہ داریاں اس کے سپرد ہوا کرتی تھیں، بعض اوقات ان مناصب کے بغیر بھی ایسے شخص کو قاضی، محتسب اور مفتی وغیرہ کے معزز الفاظ سے پکارا جاتا تھا۔

شیخ شمس الدین مفتی کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کمال الدین مفتی لائق ترین آدمی تھے جو ان امور میں اپنے والد کے جانشین ہوئے، ان کے بعد ان کے صاحبزادے قطب الدین، ان کے بعد ان کے خلف الرشید عبدالملک اسی نقش قدم پر چلے۔

ان بزرگوں کے بعد ان شہروں میں باقاعدہ طور پر قضا کا منصب قائم ہوا تو قاضی بدھا ابن عبد الملک نے اپنے سابقہ استحقاق کے بنا پر قضا کا منصب حاصل کیا، آگے ان کے دو صاحبزادے

ہوئے ایک قاضی قاسم جو اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اور دوسرے منگن، ان کے بھی یونس نام کے ایک صاحبزادے ہوئے۔

قاضی قاسم کے دو لڑکے ہوئے ایک قاضی قادن جو اپنے والد کے جانشین اور شہر کے رئیس تھے، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پورا نام عبدالقادر یا قوام الدین ہوگا جو ہندوؤں کی زبان پر اس طرح بگڑ گیا، واللہ اعلم، دوسرے کمال الدین تھے جن کا ایک لڑکا نظام الدین نامی تھا۔

قاضی قادن کے دو صاحبزادے ہوئے، شیخ محمود اور شیخ آدم عرف بھائی خاں تھا، ان کی نسل باقی ہے، شیخ محمود جو اپنے خاندان میں بزرگ تھے انہوں نے کسی سبب سے قضا کا منصب نا منظور کر دیا تھا اور سرکاری ملازمت اختیار کر لی، اس دوران انہوں نے زمانے کے سردو گرم کا خوب تجربہ کیا، ان کا ظاہری حال روہتک کے صدیقیوں کی طرح تھا، ان کی شادی سونی پت کے سید گھرانے کی ایک لڑکی آفریدہ سے ہوئی جس سے شیخ احمد پیدا ہوئے۔

شیخ احمد بچپن ہی میں روہتک چلے گئے اور شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالحکیم کے ساتھ پرورش پائی، انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح شیخ احمد کے ساتھ کر دیا، اور ایک مدت تک ان کی تربیت کی۔

اس کے بعد وہ روہتک واپس آگئے اور قلعہ سے باہر ایک عمارت بنا کر اپنے عزیزوں اور خادموں کے ساتھ رہنے لگے۔

شیخ احمد کے بعد ان کے صاحبزادوں میں سے دو کی اولاد باقی رہی، ایک شیخ منصور جو بہادری، حلم وغیرہ قائدانہ صفات کے حامل تھے، انہوں نے پہلے اپنے ماموں شیخ عبدالغنی کی لڑکی سے شادی کی، اسی عقیفہ کے بطن سے شیخ معظم اور شیخ اعظم پیدا ہوئے، اس کی وفات کے بعد دوسری شادی کی، اس سے شیخ عبدالغفور اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

دوسرے شیخ حسین تھے جو خوشحال اور فارغ البال تھے ان کے دو صاحبزادے ہوئے محمد سلطان اور محمد مراد، حضرت والد ماجد نے شیخ محمد مراد کو دیکھا تھا، محمد مراد کی پکڑ کی طاقت کے

عجیب و غریب قصے مشہور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسی سال کی عمر میں انکو ٹھے اور شہادت کی انگلی میں دینار کو لے کر دوہرا کر دیتے تھے۔

انہوں نے حضرت والد صاحب کو دیکھ کر کہا، اس بچے کو دیکھنے سے میرے دل پر رعب و ہیبت طاری ہو جاتی ہے جیسا کہ اس کے دادا شیخ معظم کی زیارت سے ہیبت طاری ہوتی تھی۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ مطالعہ کرنے والا سلسلہ نسب کے اس حصہ پر اچھی طرح مطلع ہو جائے کیونکہ اس سے مقصود صلہ رحمی ہوتی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعلموا من أنسابکم ما تصلون به أرحمکم فإن صلة الرحم محبة في أهل مثرقة في

المال منسأة في الأثر* (۱)

اپنے نسب کا علم حاصل کرو تا کہ تم اسکے ذریعہ رشتہ داریاں قائم کر سکو، صلہ رحمی محبت کا ذریعہ ہے، اس کی بدولت مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

چتوڑ کی فتح

اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ عبدالغنی مذکور کی اولاد سے سنا ہے کہ وہ عالم و زاہد تھے، جلال الدین اکبر بادشاہ ان کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا، جب بادشاہ الحاد و گمراہی میں مبتلا ہو گیا تو محبت کا وہ رشتہ ختم ہو گیا اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت پیدا ہو گئی، ایک عرصے کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی، لگا تار فوجیں بھیجی جاتی رہیں لیکن فتح نہ ہوئی، اسی دوران ایک رات امام ناصر الدین شہید بن محمد باقر رحمہما اللہ کے مزار مبارک کے بعض معتکفین نے بیداری میں دیکھا کہ ایک جماعت اپنے سردار سمیت ہتھیاروں سے لیس ہو کر آئی ہے، اور ان کے ساتھ ایک مشعل ہے، یہ لوگ روضہ میں داخل ہو گئے، دیکھنے والے نے سمجھا کہ شاید مسافر ہیں جو خانقاہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں، وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سردار قبر میں

داخل ہو گیا اور سب ایک ایک کر کے داخل ہو گئے، اس نے ایک شخص سے معلوم کیا کہ یہ سردار اور افراد کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت امام ناصر الدین اور ان کے ساتھی شہدا ہیں، اس نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟ اس نے کہا کہ چتوڑ فتح کرنے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں برج کی طرف سے فتح کر لیا ہے۔

شیخ عبدالغنی کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے پورا واقعہ فتح کی خوشخبری کے ساتھ بادشاہ کو لکھ بھیجا، کچھ دنوں کے بعد چتوڑ اسی طرح فتح ہوا، چنانچہ بادشاہ نے امام ناصر الدین رحمہ اللہ کی خانقاہ کے لئے بارہ گاؤں وقف کر کے شیخ عبدالغنی کی تحویل میں دے دیئے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے شیخ احمد سرہندی سے نقل کیا کہ میرے والد ماجد (شیخ عبدالاحد) ایک راز معلوم کرنے کے لئے کافی عرصہ سے شیخ عبدالغنی کی ملاقات کے خواہش مند تھے، وہ راز یہ تھا کہ میرے مرشد نانا نے اپنے انتقال کے وقت مجھے اور ایک دوسرے درویش کو اپنے پاس بلایا، تاکہ نسبت اور باطنی فیض فرمائیں، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے حقیقت کا ایک راز ہمیں بتایا، اس کے سنتے ہی وہ درویش تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور میں اسی طرح حیران و سراسیمہ کھڑا رہا۔

حضرت والد ماجد یہ واقعہ شیخ عبدالغنی کی زبانی سننا چاہتے تھے، اتفاقاً شیخ کا کسی مہم کے سلسلے میں سرہند سے گزر ہوا جب سرہند میں پہنچے تو ایک سرہند میں ٹھہرے، والد ماجد بھی وہاں پہنچ گئے، ملاقات اور رسمی مزاج پرسی کے بعد انہوں نے خلوت اور اس راز کو ظاہر کرنے کی درخواست کی، شیخ نے انہیں وہ راز حقیقت بتلایا، جب میرے والد (شیخ عبدالاحد) باہر نکلے تو انہیں شیخ جمیل الدین ملے جو والد صاحب کے خلیفہ، صاحب دل اور عالم و فاضل تھے، انہوں نے پوچھا کیا آپ نے وہ راز معلوم کر لیا؟ والد ماجد نے فرمایا، ہاں، معلوم کیا کہ وہ کیا تھا؟ فرمایا: وہی مسئلہ ہے جس پر ہم ہیں اور جو ہمارے مشرب و طریقہ کی جان ہے، یعنی یہ سب کچھ

جو نظر آ رہا ہے واحد حقیقی ہے، جو کثرت کے عنوان سے ظاہر ہو رہا ہے، مگر چونکہ وہ درویش سادہ لوح تھا، لہذا جب اچانک اس کے کان میں یہ راز پڑا تو اس کا متحمل نہ ہوسکا اور ہلاک ہو گیا، شیخ عبدالغنی عالم، صاحب مقام اور واقفِ راز تھے اس لئے اپنی جگہ قائم رہے۔

قہر درویش

شیخ معظم شجاعت و بہادری کی صفات سے متصف تھے، اس سلسلے میں ان کے عجیب و غریب واقعات بے شمار ہیں، حضرت والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ایک بار شیخ منصور کی کسی راجہ سے ٹھن گئی، تو انہوں نے لشکر کا میمنہ (۱) شیخ معظم کے حوالے کر دیا، اس وقت وہ بارہ سال کے تھے، سخت لڑائی ہوئی، دونوں طرف سے بہت سے لوگ قتل ہوئے، اسی اثنا میں کسی نے شیخ معظم سے کہا کہ شیخ منصور شہید ہو گئے ہیں، اور ان کا تمام لشکر شکست کھا گیا ہے، یہ سن کر شیخ معظم کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور انہوں نے کفار کے رئیس کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا، مزاحمت کے لئے جو بھی حائل ہوتا اسے قتل یا زخمی کر کے راستے سے ہٹا دیتے، کافی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، کفار کے سرداروں میں سے ایک نے مقابلہ کیا آپ نے تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور لاش گھوڑے کے نیچے ڈال دی، لوگوں نے انہیں گھیر لیا، راجہ نے ان سب کو ڈانٹا کہ جو شخص اتنی کم عمری میں بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھاتا ہے اس کی شخصیت نابغہ روزگار ہے، اس کے بعد راجہ نے شیخ معظم کے ہاتھ چومے اور بہت احترام سے پیش آیا اور غصہ کا سبب پوچھا، انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ میرے والد شہید ہو گئے ہیں میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ حملہ کرونگا پیچھے نہیں ہٹوں گا، یہاں تک کہ یا تو راجہ کو قتل کر دوں یا خود قتل ہو جاؤں۔

ادایاں بازو، جس پر اقدامی حملہ کی ذمہ داری ہوتی ہے، لشکر میں سب سے اہم یہی حصہ ہوتا ہے۔

راجہ نے کہا آپ کو غلط خبر پہنچی ہے، آپ کے والد زندہ ہیں اور ان کے جھنڈے فلاں جگہ نظر آرہے ہیں، راجہ نے اسی وقت شیخ منصور کے پاس آدمی بھیجا کہ اس بہادر لڑکے کی وجہ سے ہم نے صلح کر لی ہے، شیخ منصور کے تمام مطالبات اس نے قبول کر لئے اور واپس ہو گیا۔

ڈاکوؤں کی توبہ

موضع شکوہ پور شیخ معظم کا تعلق تھا اس کے ایک کسان نے حضرت والد ماجد کو بتلایا کہ ایک مرتبہ تیس ڈاکو گاؤں میں ڈاکہ ڈال کر تمام مویشی لوٹ لے گئے، شیخ معظم اس وقت گاؤں میں ہی موجود تھے، انہیں اس حادثے کی اطلاع اس وقت ملی جب کہ دسترخوان بچھ چکا تھا، شیخ نے کسی بے چینی کا مظاہرہ کئے بغیر حسبِ عادت کھانا کھایا، فراغت کے بعد ہاتھ دھوئے، اور کہا میرے ہتھیار اور گھوڑا لاؤ، جب آپ سوار ہوئے تو دیہاتیوں کا ایک گروہ آیا تا کہ ساتھ چلے، لیکن آپ نے سب کو واپس کر دیا، کہ میں بہت تیزی کے ساتھ جاؤں گا تم میرے گھوڑے کا ساتھ نہ دے سکو گے، البتہ ایک کسان کو ساتھ لے لیا جو گھوڑے کے ساتھ دوڑ سکتا تھا تا کہ وہاں کے حالات لوگوں کو آ کر سنا سکے۔

آپ ڈاکوؤں کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور انہیں اس وقت جالیا جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے، آپ ان کو اشتعال دلا کر میدان میں نکال لائے اور کمال ہنرمندی سے ایک ایک تیر سے دو دو آدمیوں کو مارنا شروع کیا، جب ڈاکوؤں نے دو تین تیروں کا مشاہدہ کر لیا تو مرعوب ہو گئے اور فریاد کرنے لگے کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کر دیجئے، شیخ نے کہا کہ تمہاری توبہ یہی ہے کہ خود اپنے ہتھیار اتارو اور ایک دوسرے کے ہاتھ باندھ کر تمام ہتھیار اور گھوڑوں سمیت گاؤں میں واپس چلو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اپنے مذہب کے مطابق قسمیں کھائیں کہ دوبارہ اس قصبے کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھیں گے، اور شیخ کی منشا کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔

شیخ معظم کی اولاد

سید نور الجبار سونی پتی کی صاحبزادی سے شیخ معظم کے تین لڑکے ہوئے:
شیخ جمال، شیخ فیروز، شیخ وجیہ الدین۔

شیخ وجیہ الدین

شیخ وجیہ الدین بہادری پرہیزگاری میں کمال رکھتے تھے، حضرت والا قدس سرہ (شاہ عبد الرحیم) فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد کا معمول تھا کہ روزانہ دو پارے تلاوت کرتے تھے، سفر ہو یا حضر خوشی ہو یا غم اس معمول میں فرق نہ آتا، بڑھاپے میں بینائی کم ہو جانے کی وجہ سے بڑے حروف کا مصحف ساتھ رکھتے تھے، نیز والد ماجد فرماتے تھے کہ آپ کسی کے کھیت میں اپنا گھوڑا نہ ڈالتے، چاہے سارا لشکر اس میں سے کیوں نہ گذرے، اس لئے بعض اوقات جانے پہچانے راستہ سے ہٹ کر بھی چلنا پڑ جاتا تھا، والد ماجد نے فرمایا ایک بار کسی لڑائی میں شیخ وجیہ الدین کا سامان گم ہو گیا، کھانے پینے تک کا سامان نہ رہا، ان کے دوسرے ساتھی گاؤں کے مویشی زبردستی لیکر کھا جاتے تھے مگر آپ نے پرہیزگاری اختیار کی، جب دو تین دن کا فاقہ ہو گیا اور طاقت بالکل جاتی رہی تو رزاق حقیقی کی شان جلوہ گر ہوئی، آپ اپنے چابک سے زمین کرید رہے تھے، جیسا کہ سوچ بچار کے دوران اکثر لوگ کرتے ہیں کہ اچانک وہاں سے خوراک بھر چنے نکلے، چنانچہ آپ نے انکو دھو کر صاف کیا اور ابال کر کھالئے۔

والد گرامی فرماتے تھے کہ میرے والد شیخ وجیہ الدین خدام، ملازمین، اور گھسیاروں تک سے ایسی شفقت سے پیش آتے کہ اس زمانے کے متقی بھی کم ہی ایسا برتاؤ کرتے تھے۔

مزید آپ نے فرمایا کہ ایک سفر میں میرے والد نے کسی ولی کی ولایت کے ایسے شواہد دیکھے کہ انہوں نے اس سے بیعت کر لی، اور صوفیاء کے اشغال میں مصروف ہو گئے، کم گوئی اور کم

آمیزی (لوگوں سے کم ملنے) کو اپنا شعار بنایا اور اس سلسلے میں انہوں نے ایسا کمال دکھایا کہ اس زمانے کے صوفیاء میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ شیخ مظفر رہتلی میرے والد ماجد اور عم بزرگوار کے ساتھ ان کے والد شیخ وجیہ الدین کے رابطہ کو بیان کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ان کے فیض سے مستفید اور اس چشمہ شیریں سے سیراب ہوئے ہونگے۔

حضرت والد ماجد شیخ وجیہ الدین کی بہادری کی بہت سی حکایات بیان کرتے تھے، میں ان میں سے کچھ واقعات بیان کرتا ہوں تاکہ اہل خاندان کو اخلاقِ فاضلہ کی حرص اور رغبت ہو۔

انما لاعمال بالنیات*

خونی بوسہ

والد ماجد نے فرمایا کہ جب میری عمر چار برس کی تھی کہ میرے والد صاحب (شیخ وجیہ الدین) سید حسین کی ہمراہی میں قصبہ دہامونی کی جانب متوجہ ہوئے جو مالوہ کے علاقے میں ہے، سید حسین اپنے زمانے کا مشہور بہادر تھا، اس کی بے جگری اور شجاعت کی دھوم تھی۔

اتفاق سے میں بھی اس سفر میں ساتھ تھا، وہاں ایک کافر نے فساد برپا کر رکھا تھا یہ کافر بھی اپنی بے باکی اور سفاکی میں مشہور تھا، بڑی کوشش کے بعد وہ سید حسین کی ملاقات کو آیا، دربان چاہتے تھے کہ اس کو مسلح اندر نہ جانے دیں، وہ اس پر راضی نہ ہوا، بحث نے طول پکڑا تو اس کافر نے سید حسین کو یہ پیغام بھجوایا کہ آپ سپاہی ہیں، ایک بڑا لشکر آپ کے ساتھ موجود ہے، آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی کو ہتھیار سمیت اندر نہیں آنے دیتے؟ سید صاحب اس بات سے متاثر ہوئے اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس کے اسلحہ کو نہ روکے، فرمایا کہ ان کا ہشاش بشاش چہرہ آج بھی میرے تصور سے نہیں اترتا، وہ کافر پان چباتے ہوئے متکبرانہ انداز میں چل رہا تھا جیسے شادی کی محفل میں آیا ہو، والد صاحب نے جب اسے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص اس مجلس

میں ہاتھ پائی کرے گا، انہوں نے جلدی سے اپنے خدمت گار کو طلب کیا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس بچے کو کسی بلند جگہ پر بٹھا دو تا کہ اس دن کا فساد میں اس کو نقصان نہ پہنچے۔ جب وہ سلامی کی جگہ سے آگے بڑھنے لگا تو دربان نے روکا کہ یہیں سے سلام کرو، آگے مت بڑھو، اس نے دربان کی بات سنی ان سنی کر دی اور کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ سید صاحب کے پاؤں کو بوسہ دوں تا کہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے، جب بالکل قریب پہنچا تو اس نے آپ پر تلوار کا وار کیا، سید حسین بڑی پھرتی سے وار بچا گئے، تلوار نے تکیہ کی خبر لی، اس نے دوسرا وار تو لا ہی تھا کہ والد صاحب نے تیزی کے ساتھ بڑھ کر خنجر کا ایک بھر پور وار اس پر کیا اور اسے جہنم کی راہ روانہ کر دیا۔

فراست و بہادری

فرماتے تھے کہ اسی جنگ میں والد ماجد سید حسین کے ساتھ تھے، صفیں آمنے سامنے آراستہ ہو گئیں تو کفار کی صف سے ایک مسلح شخص نکل کر کہنے لگا، میں فلاں ہوں، چنیں ہوں چناں ہوں، تنہا کھڑا ہوں چاہو تو مجھے قتل کر سکتے ہو، مگر شرط بہادری تو یہ ہے سید حسین اکیلے میرے مقابلے کو نکلیں، سید صاحب کی رگوں میں ہاشمی خون کھول اٹھا، اپنے گھوڑے کو صف سے باہر لائے، اور اس کے ساتھ مقابلے میں مشغول ہو گئے، اس کا فرنیے چابک دستی سے وار کیا آپ نے اسے ڈھال پر روکا، تلوار ڈھال کی ایک طرف کو کاٹ کر دوسری طرف میں جا پھنسی، دشمن نے اپنی تلوار پر قوت لگائی تو سید صاحب گھوڑے سے نیچے گر گئے، دشمن کو دکر سید صاحب کے سینے پر سوار ہو گیا اور ذبح کرنے کی کوشش کرنے لگا، والد صاحب فوراً پہنچے اور تلوار کے ایک ہی وار سے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچایا۔

صفیں پھر برابر ہو گئیں تو ایک سوار ہو بہو پہلے کی صورت آگے بڑھا اور پکارا: میں مقتول کا بھائی ہوں آپ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں جو چاہے قتل کرے، مگر شجاعت تو یہ ہے میرے بھائی کا

قاتل میرے مقابلے کو آئے، والد ماجد آگے بڑھے اور تھوڑے سے مقابلے کے بعد اسے بھی
واصلِ جہنم کیا۔

تھوڑی دیر بعد ایک تیسرا سوار ویسی ہی شکل و صورت کا سامنے آیا، اور اسی طرح دعوت
مبارزت دی، والد صاحب مقابلے میں آئے، دشمن نے ان کے دونوں ہاتھ قابو کر کے چاہا کہ
انہیں گرا دے یا اپنے گھوڑے پر کھینچ لے، والد صاحب نے اندازہ کیا کہ دشمن زیادہ طاقت ور
ہے تو ہوشیاری کے ساتھ کہا، اے فلا نے پیچھے سے اس پر حملہ کر، دشمن نے فوراً پیچھے دیکھا اور
اس کی پکڑ کمزور پڑ گئی، پیچھے کوئی نہ تھا لیکن والد صاحب کے لئے اتنی مہلت کافی تھی، آپ نے
اسی مہلت میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور بھرپور وار کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا، اس مبارزت کے
بعد دشمن نے شکست قبول کر لی اور لشکرِ اسلام مظفر و فتح یاب ہو کر اپنی چھاؤنی میں واپس آ گیا۔

بہادر ماں

اس واقعہ کے تین بعد ایک ضعیفہ پوچھتے پوچھتے آپ کے خیمہ تک پہنچی اور کہنے لگی کہ میں ان
تینوں مقتولوں کی ماں ہوں، میں سمجھتی تھی کہ میرے بیٹوں سے بہادر کوئی نہیں ہے، لیکن خدا کی
رحمت تو تجھ پر ہو کہ تو سب سے بہادر اور قوی ہے، اس لئے بجائے ان کے تجھے اپنا بیٹا مانتی
ہوں، میری آرزو ہے کہ تو مجھے اپنی ماں سمجھتے ہوئے میرے ساتھ میری بستی میں رہ، تاکہ تجھے
جی بھر کر دیکھوں اور مقتولوں کے غم سے تسلی پاؤں، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میرے
گھوڑے پر زین کسو، آپ کے بھائی بندوں نے منع کیا، کہ عجیب بات ہے آپ جیسا ذی عقل
آدمی ایسا اقدام کرے؟ مگر نہ مانے، تو اقرباء نے سید حسین صاحب سے کہا وہ فوراً خیمہ میں
آئے اور انتہائی کوشش اور اصرار سے آپ کو روک لیا، جب کوئی چارہ آپ نے نہ دیکھا تو اس
بڑھیا کو بلا کر فرمایا: ماں میرے ساتھی مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانے دے رہے، چند دن بعد
میں تیری بستی میں آؤں گا۔

کچھ دن بعد جب ان کے ساتھی غافل ہو گئے تو آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اس عورت کے گھر جا پہنچے، وہ عورت اس قدر محبت و اخلاص اور تعظیم سے پیش آئی کہ حقیقی ماں اور اس میں کوئی فرق نہ رہ گیا، حضرت والد گرامی (شاہ عبدالرحیمؒ) نے فرمایا کہ میں کئی بار اس عورت کے گھر گیا میں اسے دادی جان کہتا تھا وہ شفقت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی، میں نے اپنی حقیقی دادی کو نہیں دیکھا تھا، مجھے بچپن میں معلوم ہی نہیں تھا کہ میری دادی اس کے علاوہ کوئی اور تھی۔

قربانی کا وقت

والد گرامی نے فرمایا: جب عالم گیر بادشاہ بنا تو اس کے بھائی شاہ شجاع نے بنگالہ کی طرف سے بغاوت کی، عالم گیر مقابلے کو نکلا، والد ماجد (شاہ وجیہ الدینؒ) شریک تھے، سخت لڑائی ہوئی، دونوں لشکر تھک کر چور ہو گئے، شاہ شجاع کی جانب سے دو تین مست ہاتھیوں نے حملہ کر دیا، ہر ہاتھی کے پیچھے زرہ پوشوں کا دستہ تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر عالم گیر کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، خود عالم گیر کے ہاتھی کے ارد گرد چند آدمی باقی رہ گئے، اس وقت میرے والد (شیخ وجیہ الدینؒ) کے دل میں خیال آیا کہ ان ہاتھیوں میں سے کسی پر حملہ کرنا چاہئے، انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ یہ جان کی قربانی کا وقت ہے، ایسے موقع پر استقامت ہر ایک کا کام نہیں، جو شخص علیحدگی چاہتا ہو اسے میری طرف سے اجازت ہے، لہذا چار کے علاوہ سب نے باگیں موڑ لیں، آپ نے فرمایا کہ اگر ہمارے احباب میں سے کوئی ہماری محبت میں شریک ہوگا تو یہی چار ہوں گے، ان چاروں نے آپ کے شکار بند کو مضبوطی سے تھاما اور پیمان کیا کہ جہاں شیخ وجیہ الدین ہوں گے ہم بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔

چنانچہ انہوں نے سب سے سرکش ہاتھی کو نشانہ بنایا اور اسے اشتعال دلایا، ہاتھی نے انہیں گھوڑے سے گرانے کیلئے سونڈ اوپر اٹھائی، حضرت نے ایک ہی وار میں اسے کاٹ کر رکھ دیا، ہاتھی بری طرح چنگھاڑتے ہوئے واپس بھاگا اور اپنے ہی لشکر کو روند ڈالا، یہ پہلی فتح تھی۔

عالم گیرنے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فتح کے بعد حضرت والا کا منصب بڑھانا چاہا، لیکن آپ نے استغنا اختیار کیا اور منصب کو منع فرما دیا۔

ضمانت

فرمایا: ایک بار سید شہاب الدین کو بادشاہ کے سامنے محاسبہ کے لئے پیش ہونا پڑا، حضرت والا (شیخ وجیہ الدین) ان کے ضامن بن گئے، مگر شہاب الدین نے رقم ادا نہ کی تو والد صاحب سے مطالبہ ہوا، آپ نے ان سے بات کی تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے، البتہ تلوار حاضر ہے۔

حضرت والا مسکرائے، اور فرمایا تلوار کا پکڑنا تو آسان ہے نباہنا مشکل، یہ سن کر سید شہاب الدین کی حمیت جاگ اٹھی اور خنجر سے حملہ کر دیا، آپ نے اسے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور دائیں سے ایسا تھپڑ رسید کیا کہ الٹا زمین پر آ رہا، اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا، آپ نے خادم سے فرمایا کہ اسے قید کر لو، اور اس کے اصطبیل سے تمام اونٹ گھوڑے نکال لاؤ، تھوڑی دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: تیری وہ ڈینگیں کیا ہوں گی؟ کہنے لگا، میرا کوئی قصور نہیں، میرے ہاتھ سے پہلے آپ کا ہاتھ چل گیا، اور میں بے ہوش ہو گیا اس میں میری کیا تقصیر؟ آپ نے فرمایا: درست کہتے ہو، اور خادم کو اشارہ کیا کہ اس کے بند کھول دو، اور اس کا خنجر اس کے ہاتھ میں دیدو، اس نے خنجر لیتے ہی پھر حملہ کا ارادہ کیا، فوراً اس کے بدن میں لرزہ طاری ہو گیا اور حملہ کی جرأت نہ ہو سکی، حضرت والا نے یہ واقعہ اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔

قلبی طاقت

حضرت والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) کی قلبی قوت کا یہ عالم تھا ایک بار معرکہ جنگ میں سخت خونریز مقابلہ ہوا طرفین سے بہت سے لوگ مارے

گئے، لیکن انجام کار مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، جب اسلامی لشکر کا سپہ سالار رات کو کیمپ میں واپس آیا تو سب افسران اکٹھے ہو گئے اور مقتولین کی تعداد کے بارے میں بات ہونے لگی، ہر شخص اپنے اندازے سے تعداد بتانے لگا، آپ (شیخ وجیہ الدین) نے فرمایا میرے خیال میں پانچ کم دوسو یا پانچ اوپر دوسو آدمی کھیت ہوئے ہیں، اور جو شکست کھا کر بھاگے ہیں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

حاضرین نے یہ بات ماننے میں ہچکچاہٹ محسوس کی، آپ نے حقیقت حال کا پتہ لگانے کی ٹھان لی اور مجلس سے اس انداز سے رخصت ہونے جیسے رفع حاجت کے لئے اٹھے ہوں، اندھیری رات، بارش اور ہوا کا زور لیکن آپ میدان کارزار میں پہنچ گئے، آپ ایک زخمی سے ٹکرائے اس نے چیخ ماری، آپ نے اس کو تسلی دی اور اپنا نام بتایا، اس کے بعد ان کے دل میں آیا کہ جنگ گاؤں کے بیچ بھی ہوئی تھی وہاں بھی دیکھ لینا چاہئے، جہاں بھی ذرا شک ہوتا وہاں ٹول کر دیکھ لیتے، اسی اثنا میں ان کا ہاتھ ایک بڑھیا سے ٹکرایا جو لڑائی کے دوران چھپ کر بیٹھ گئی تھی، ہاتھ لگنے سے وہ بری طرح چیخی، آپ نے اسے بھی تسلی دی اور اپنا نام یاد کرایا، مقتولین کی تعداد ان کے اندازے کے مطابق نکلی، آپ لشکر کے پڑاؤ پر پہنچے تو اس مجلس کو بدستور اسی حالت میں پایا، آپ نے جو کچھ دیکھا اور کیا تھا ان کو بتایا تو ان کا تعجب اور بڑھ گیا، سپہ سالار نے تقریباً سو آدمی مشعلوں کے ساتھ متعین کئے تاکہ مقتولین کو شمار کریں اور ان زخمیوں کو بھی لیکر آئیں، یہ لوگ اس ہیبت ناک رات میں جانے کو تیار نہ تھے ناچار گئے، مقتولین کی گنتی کی اور ان زخمیوں کو بھی لے آئے، گنتی بھی آپ کے کہنے کے مطابق نکلی اور ان زخمیوں نے آپ کے وہاں جانے کی بھی تصدیق کر دی۔

آپ کے متعلق اس قسم کے عجیب و غریب واقعات تو بے شمار ہیں، لیکن ہم نے چند پر اکتفا کیا ہے کیونکہ تھوڑا دلیل ہوتا ہے زیادہ کی، اور چلو بھر پانی دریا کا پتہ دیتا ہے، شیخ وجیہ الدین کی

شادی رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز کی لڑکی سے ہوئی جس سے آپ کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔

(۱) مخدومی شیخ ابوالرضا محمد (۲) مخدومی شیخ عبدالرحیم (۳) مخدومی شیخ عبدالحکیم

جائے شہادت

والد ماجد (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ ایک روز میرے والد (شیخ وجیہ الدین) تہجد کی نماز ادا کر رہے تھے، ان کو سجدے میں بہت دیر ہو گئی، میں نے سمجھا کہ شاید روح پرواز کر گئی، جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے لمبے سجدے کی وجہ پوچھی، انہوں نے فرمایا کہ مجھے غیبت واقع ہوئی تو میں نے اپنے ان عزیزوں کے حالات دیکھے جو شہید ہو گئے تھے، ان کے درجات اور مقامات سے میں بہت خوش ہوا، اور اللہ تعالیٰ سے شہادت کی درخواست کی اور بہت زیادہ گڑ گڑایا، یہاں تک کہ میری دعا قبول ہو گئی، اور مجھے اشارے سے بتلایا گیا کہ تیری شہادت دکن کی طرف ہوگی، اس واقعہ کے بعد آپ نے از سر نو سفر کا ارادہ کیا حالانکہ نوکری چھوڑ چکے تھے، اور اس کام سے نفرت سی ہو گئی تھی، گھوڑا خریدا اور دکن کو چل دیئے، آپ کا خیال تھا کہ یہ مقابلہ شیوا سے ہوگا جو اس وقت کفار کا راجہ تھا، اور اس سے مسلمانوں کے قاضی کی بہت بے حرمتی ہوئی تھی، جب آپ برہان پور پہنچے تو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ جائے شہادت کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں یہاں سے پھر واپس پلٹے، راستہ میں آپ نے بعض صالح اور متقی تاجروں کے ساتھ ہم سفری کا معاہدہ کیا، اور ارادہ کیا کہ قصبہ ہنڈیا کی جانب سے ہندوستان میں داخل ہوں، اسی دوران آپ کو ایک ضعیف العمر شخص ملا جو گرتا پڑتا جا رہا تھا، آپ نے اس سے منزل پوچھی تو اس نے بتایا کہ میرا دہلی جانے کا ارادہ ہے، آپ نے اس پر رحم کرتے ہوئے کہا کہ میرے ملازم سے ہر روز تین پیسے لے لیا کرو، دراصل وہ بوڑھا کافروں کا جاسوس تھا، جب یہ قافلہ نونبریا کی سرائے میں پہنچا جو دریائے نرندہ سے دو تین منزل ہندوستان کی طرف ہے تو

اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دیدی، چنانچہ لٹیروں کا ایک بہت بڑا گروہ سرائے میں پہنچ گیا، آپ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول تھے، اس گروہ میں سے تین آدمیوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ شیخ وجیہ الدین کون ہے؟ جب پہچان لیا تو کہا کہ ہمیں آپ سے سروکار نہیں ہے، ہمیں یہ بھی پتہ چلا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت نہیں ہے اور ہمارے گروہ کے ایک آدمی پر آپ کا حق نمک بھی ہے، لیکن ان تاجروں کے پاس تو اتنا مال ہے ان کو ہم ہرگز نہیں چھوڑیں گے، کیونکہ آپ کو اس سفر کے مقصد سے آگاہی حاصل تھی لہذا تاجروں کی رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اور انہیں قتل اور لوٹ سے بچانے کی خاطر آگے بڑھے، اس مقابلے میں آپ کو بائیس زخم آئے، آخر آپ کا سرتن سے جدا ہو گیا، اس کے باوجود تکبیر کہتے ہوئے ایک تیر کی مار تک آپ نے ان کا تعاقب کیا، ایک عورت یہ حال دیکھ کر بہت حیران ہوئی، آپ اسی وقت گر پڑے اور وہیں دفن ہوئے۔

حضرت والا (شاہ عبدالرحیم) فرماتے تھے کہ اسی دن کے آخری حصہ میں آپ تمثیلی جسم میں منتقل ہو کر میرے پاس آئے اور زخموں کے نشانات دکھلائے، میں نے ایصالِ ثواب کے لئے کچھ صدقہ دیا، میرا ارادہ تھا کہ آپ کے جسد کو وہاں سے منتقل کروں، لیکن ایک روز انہوں نے متمثل ہو کر اس بات سے مجھے منع فرما دیا، آپ کے قتل کی خبریں بہت مشہور ہیں۔

شیخ رفیع الدین محمد کے خاندان کے حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو منعم اور وہ نعمتیں بخشنے والا ہے جو حد و شمار سے باہر ہیں اور درود و سلام ہو افضل الانبیاء پر اور ان کی آل پر بھی سلامتی اور رحمت ہو جو ارباب فہم و فراست کے قائد ہیں۔

فقیر ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے) کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ (النبذ الابریزیہ فی اللطیفۃ العزیزیہ) کے نام سے موسوم ہیں شیخ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے اسلاف و اخلاف، قدست اسرار ہم کے حالات پر مشتمل ہیں، جو کہ ماں کی جانب سے والد بزرگوار کے جد اعلیٰ (شاہ عبدالرحم کے نانا) ہیں۔

شیخ طاہر اور علمی غیرت

شیخ طاہر کا اصلی وطن اوچ (ملتان) ہے اور آپ وہاں کے سربر آوردہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ ابتدائے حال میں سارا وقت سیر و تفریح اور شکار میں گزارتے تھے، یہاں تک کہ یہ مشاغل انہیں تحصیل علم سے بھی باز رکھنے لگے، ایک دن آپ کے بھائی نے آپ سے قرآن مجید کی ایک آیت کا مفہوم دریافت کیا جس کا جواب آپ سے نہ بن پڑا۔

یہی واقعہ ان کی غیرت کو جگانے کا سبب بنا، قرآن مجید ہاتھ میں لیکر وطن محبوب کو خدا حافظ کہا۔ جہاں بھی جاتے استفادہ علم کرتے، جب تھانیسرا پہنچے تو اسی آیت کی تفسیر و تشریح لکھ کر ہمشیر کو بھجوا دی، اس کے بعد حصول علم کا شوق انہیں بارہ لے آیا، جوان دنوں علماء کا مرکز تھا، اس دوران مناظرہ و ریاضت میں مہارت بھی انہیں حاصل ہوئی، تحصیل علم کے بعد بارہ کے قاضی نے جب ان کے علم و فضل اور وجاہت کو دیکھا تو اپنی دختر نیک اختر ان کے نکاح میں دے دی،

اس کے بعد آپ پورب کے کسی علاقہ میں قیام پذیر ہو گئے، اس بیوی سے تین فرزند ہوئے، آخر عمر میں شیخ نے اپنے بیٹوں کے ساتھ جون پور میں رہائش اختیار کی اور یہیں رحلت فرمائی، آپ کا مزار مبارک اسی شہر میں واقع ہے، جو زیارت گاہ خلائق اور مرکز برکات ہے۔

شیخ حسن کا حافظہ

شیخ طاہر کے بڑے صاحبزادے شیخ حسن تھے، جنہوں نے نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں تمام کتب متداولہ (نصابی کتابوں) سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس مشغول ہو گئے۔

بچپن ہی سے آپ میں معرفت کی طلب اور اولیاء کی جستجو تھی، جن دنوں سید حامد راجی شاہ کی عظمت کا شہرہ عام تھا، شیخ حسن آزمائش و امتحان کی غرض سے سید صاحب کی ملاقات کو گئے تو سید صاحب کی پہلی نگاہ ہی نے آپ کو اپنے حلقہ ارادت کی طرف کھینچ لیا، سید صاحب اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے، آپ شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ تھے، شیخ حسام الدین جامع شریعت و طریقت اور اکابر مشائخ چشتیہ میں سے تھے، آپ شیخ نور قطب العالم کے خلیفہ تھے، شیخ نور قطب العالم ہندوستان کے مشہور مشائخ میں گزرے ہیں، وہ صاحب عشق و محبت، ذوق و شوق، تصرف و کرامات اور ریاضات و مجاہدات تھے، یہ اپنے والد شیخ علاء الحق ابن سعد کے خلیفہ تھے جو کہ ظاہری و باطنی علوم کے جامع، عوام و خواص میں مقبول اور پورب و بنگال کے معروف ترین بزرگوں میں سے تھے۔

شیخ علاء الحق ابن سعد شیخ سراج الدین اودھی کے خلیفہ تھے جو کہ شیخ نظام الدین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے خلفاء میں سے تھے۔

کہتے ہیں کہ شارح ہدایہ شیخ اللہ داد اور دیگر نامور علماء جو شیخ حسن کے ہم درس اور ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ تھے، انہوں نے سید حامد راجی سے آپ کی بیعت پر حیرانی و تعجب کا اظہار کیا

کیونکہ سید صاحب علوم ظاہری سے پوری طرح بہرہ ورنہ تھے، شیخ حسن نے ان سے کہا کہ اہل علم کی ایک جماعت سید صاحب کی خدمت میں جا کر ان سے ہر قسم کے اشکالات کے بارے میں سوالات کرے، اگر صحیح جواب ملے تو عقیدت کے ساتھ ان سے بیعت ہو جائے ورنہ جیسے ان کی مرضی، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، ان میں سے بعض کے اشکال تو راستے ہی میں حل ہو گئے اور بعض لوگوں کے اعتراضات سید صاحب کے جمال پر انوار پر نگاہ پڑتے ہی کا فور ہو گئے اور باقی حضرات کے مسائل آپ کی حکمت آمیز اور پراسرار گفتگو سے حل ہو گئے۔

الغرض سب کے سب ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے، کچھ عرصہ تک شیخ حسن وہیں طالبان معرفت کی تعلیم و ارشاد کا منصب سنبھالے رہے اور اس کے بعد سلطان سکندر کی درخواست پر دہلی تشریف لائے، جو کہ سلاطین دہلی کے انتہائی انصاف پسند بادشاہوں میں سے تھے، یہاں آپ نے بے منڈل کے محل میں رہائش اختیار کی اور یہیں پر رحلت فرمائی، آپ کا مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے، کہا جاتا ہے کہ سلطان سکندر کے صاحبزادے فتح خاں شیخ کے معتقد تھے، اس کے دل میں اچانک بغاوت کا خیال پیدا ہوا، اور امرائے مملکت اس سلسلے میں اس سے متفق ہو گئے، جب اس نے شیخ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے اس کام سے منع فرمایا اور امن کی بشارت دی، چنانچہ یہ بات سلطان سکندر کی آپ سے عقیدت کا سبب بنی، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب شیخ دہلی پہنچے تو بادشاہ کو خواب میں ان کے بعض کمالات کا علم ہوا، اس طرح اس کا اعتقاد اور بڑھ گیا، آپ نے ۹۰۹ھ میں وجد کی حالت میں رحلت فرمائی، اس وقت آپ کی مجلس میں یہ رباعی پڑھی جا رہی تھی۔ اے ساقی ازاں مے کہ دل و دین است الخ آپ کی کتاب ”مفتاح الغیب“ علم سلوک میں آپ کی یادگار ہے، آپ کے چار فرزند ہوئے جن میں سے دو کی نسل چلی: (۱) شیخ محمد خیالی (۲) شیخ عبدالعزیز

شیخ محمد خیالی اور حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ محمد خیالی، پاکیزہ مشرب، صاحب ریاضت اور صحیح الحال بزرگ تھے، اپنے والد گرامی سے بیعت تھے، لیکن بعد میں سلسلہ قادریہ کی نسبت آپ پر غالب ہو گئی، آپ نے حرم مدینہ منورہ میں ساہا سال عبادات و ریاضات اور مجاہدے کئے، حاجی عبدالوہاب بخاری جب دوسری بار زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے تو شیخ محمد خیالی کو یہ خوشخبری سنائی:

مجھے خاتم النبیین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات نے خواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس ہندی شیخ زادے نے یہاں کافی وقت دشواری اور مشقت سے گزارا ہے، اب انہیں ہندوستان واپس لے جاؤ، انہوں نے کہا: جب تک مجھے بذات خود اس بات کا حکم نہیں ہوگا میں یہاں سے ہرگز نہیں ہلوں گا، آخر انہیں بھی حکم دے دیا گیا چنانچہ حاجی عبدالوہاب انہیں ہندوستان لے آئے، جہاں بچے منڈل میں وہ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودہ خاک ہوئے۔

آپ کے خلفاء بے شمار ہیں، جو سب کے سب مرتبہ کمال کو پہنچے، ان میں سے شیخ امان اللہ پانی پتی اور شیخ عبدالرزاق جھنجانی اس علاقہ کے مشہور بزرگ ہیں۔

شیخ عبدالعزیز کے حالات

آپ دو یا تین برس کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، وہ اپنا باطنی فیض اپنے بیٹے شیخ عبدالعزیز کے لئے (جو ابھی صغیر سن تھے)، بطور امانت شیخ قاضی خاں ظفر آبادی کے حوالے کر گئے جو کہ شیخ حسن کے خلیفہ اور استقامت و کرامت، زہد و تجرید اور ریاضت و تاثیر صحبت کے حامل بزرگ تھے، جب شیخ عبدالعزیز نے شعور سنبھالا تو جناب سید محمد بخاری ابن حاجی عبدالوہاب سے فصوص الحکم (ابن عربی ۵۶۰-۶۳۸، ۱۱۶۵-۱۲۴۰ م) کی تعلیم حاصل کر کے سلسلہ سہروردیہ کا خرقہ خلافت زیب تن کیا۔

حاجی عبدالوہاب مذکور نے سید راجر قتال سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا جو کہ مخدوم جہانیاں رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی اور عمر رسیدہ بزرگ تھے، انہوں نے اپنے برادر مخدوم جہانیاں اور شیخ رکن الدین ابوالفتح سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا، ان کا سلسلہ معروف ہے۔

حاجی عبدالوہاب شیخ عبداللہ قریشی کی صحبت میں بھی مدتوں رہے، اس کے بعد شیخ قاضی خاں نے اپنے فرزند شیخ عبداللہ کو شیخ عبدالعزیز کے پاس بھیجا تا کہ وہ انہیں امانت یاد دلائیں جو شیخ کے والد ان کے سپر کر گئے تھے اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں خود آتا مگر مجبوری یہ ہے کہ اس سلسلے میں طلب شرط ہے۔

شیخ عبدالعزیز یہ خبر سنتے ہی ظفر آباد روانہ ہو گئے، جب وہاں پہنچے تو کچھ کپڑے، نقدی اور گھوڑے وغیرہ ساتھ تھے، سب کے سب راہ خدا میں دیدیئے اور تجرید کے عالم میں مسلسل تین سال تک ریاضات کے دور سے گزر کر ارشاد و تکمیل کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

پھر شیخ قاضی خاں کی اجازت سے واپس دہلی آئے اور قواعد ارشاد کی بنا ڈالی، اس دوران فرصت کے لمحات میں سید ابراہیم ایرچی سے علوم تصوف کا استفادہ کر کے خرقہ قادریہ بھی حاصل کیا، سید ابراہیم ایرچی تمام فنون علم میں درجہ کمال رکھتے تھے اور کئی خانوادوں کی برکات کے جامع تھے، مگر نسبت قادریہ ان پر غالب تھی، اور سلسلہ قادریہ میں انہیں شیخ بہاء الدین قادری سے خلافت حاصل تھی۔

الغرض شیخ عبدالعزیز کی زندگی مجاہدے اور ریاضت سے عبارت تھی، انہوں نے جن چیزوں کو بچپن سے خود پر لازم ٹھہرایا انہیں آخری سانس تک قضاء نہ کیا، اسلاف کے طور طریقوں کی اتباع میں کبھی کسر نہ چھوڑی۔ آپ آداب مشائخ کی حفاظت اور حاجت مندوں کی اعانت کے سلسلے میں بہتکوشش فرماتے تھے، تواضع، انکساری، خوش اخلاقی، علم، بردباری، صبر، رضا و تسلیم، الغرض تمام اخلاق محمودہ میں مشائخ چشتیہ کا مثالی پیکر تھے۔

آپ نے ۶ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں انتقال فرمایا اس وقت زبان پر یہ آیت کریمہ تھی:

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ [یس: 83]

فقیر نے شیخ یحییٰ جنیدی کے مجموعے میں شیخ عبدالعزیز کے قلم سے سلسلہ قادریہ لکھا ہوا دیکھا جسے تبرکاً من وعن نقل کیا جاتا ہے:

شجرہ سلسلہ قادریہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں راہ ہدایت دکھائی اور حق کی اتباع پر مامور فرمایا اور درود و سلام ہوں اس کے نبی علیہ السلام اور ان کی صاحب ولایت و ارشاد آل پر اور درود و سلام ہوں ان کے مکرم اور صاحب مجد و کمال اصحاب پر۔

یہ بندہ ناچیز خاکپائے خدام اہل بیت نبوی علیہ السلام عبدالعزیز بن حسن (اللہ اس کے عیوب کی ستر پوشی کرے اور اس کی آخرت کو دنیا سے بہتر بنائے) عرض کرتا ہوں کہ برادر محترم و مکرم، عالم باعمل، فخر فضلاء کا ملین، مایہ اولیاء اور نمونہ اصفیاء شیخ یحییٰ بن شیخ معین الدین خالدی حفظہ اللہ اور ان کے خلوصِ محبت اور کمالِ معرفت کی بنا پر جب ہم نے ان کے یہاں حاضری و صحبت پائی اور جب ہمارے ساتھ ان کا تعلق اور جذبہٴ محبت پوری طرح قائم ہو گیا تو ہم نے ان کے ساتھ اخوت دینی کا رشتہ جوڑ لیا، میں نے انہیں خرقہ مشائخ پہنایا۔

یہ خرقہ خلافت میں نے بطور ارشاد و وکالت، نیابت اور اجازت اپنے شیخ مرشدی مخدومی و سیدی سید السادات سرچشمہ برکات سید ابراہیم بن معین بن عبدالقادر ابن مرتضیٰ احسن القادری سلمہ اللہ تعالیٰ سے، اور انہوں نے اپنے شیخ و مرشد ابوالبرکات بہائل ملت، والد ابراہیم الانصاری القادری سے اور انصاری نے اپنے شیخ سید قطب العصر ابوالعباس احمد بن حسن الجیلی المغربی الشافعی سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید حسن سے، انہوں نے اپنے والد گرامی سید

موسیٰ سے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید علی سے، انہوں نے اپنے والد ماجد سید محمد سے، انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد صلوا احمد سے، انہوں نے اپنے والد سید محی الدین ابونصر سے، انہوں نے اپنے والد سید ابوصالح سے، انہوں نے اپنے والد عبد الرزاق سے، انہوں نے اپنے والد گرامی قطب ربانی غوث صمدانی محی الملتہ والدین ابو محمد عبدالقادر الحسینی والحسینی البجلانی سے، انہوں نے شیخ ابوسعید علی المخزومی سے، انہوں نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن محمد بن یوسف القرشی الہنزکاری سے، انہوں نے شیخ ابوالفراح یوسف الطرطوسی سے، انہوں نے شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز الیمنی سے، انہوں نے شیخ سید الطائفہ جنید بغدادی رحمہ اللہ سے، انہوں نے شیخ سری سقطی سے، انہوں نے شیخ معروف کرخی سے، انہوں نے ابوسلیمان داؤد ابن نصر الطائنی سے، انہوں نے امام علی بن موسیٰ رضا سے اور انہوں نے اپنے والد امام موسیٰ کاظم سے، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر سے، انہوں نے اپنے والد امام زین العابدین سے، انہوں نے اپنے والد امام حسین رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد امام علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ اجمعین) سے، اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حبیب رب العالمین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

ادبني ربي فاحسن تلاميذي *

میرے رب نے مجھے سکھایا (یعنی اپنی معرفت کی تعلیم) اور کیا ہی خوب سکھایا۔

قطب العالم کا انکار

حضرت شیخ عبدالعزیز کے فرزندوں میں شیخ قطب العالم اپنے فضل و کمال، علم و دانش اور جود و سخا کی بنا پر سب سے ممتاز تھے، کہتے ہیں کہ ابتداء میں آپ طریقہ وجد و سماع اور صوفیاء کے تمام احوال و اطوار کے معترض اور منکر تھے، ایک روز شیخ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنی ایک

مجلس میں ان پر توجہ کی، بے خود ہو گئے، حاضرین نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ضرور صوفیاء کے معتقد ہو جائیں گے اور اعتراض و انکار سے باز آ جائیں گے۔

شیخ نے فرمایا کہ ابھی اس کا انکار مضبوط ہے اور طلب کا وقت نہیں آیا، جب شیخ قطب العالم ہوش میں آئے تو حاضرین نے بے ہوشی کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو فرمانے لگے، ایک خواب جیسا سماں تھا اس کا کیا اعتبار؟

جب شیخ عبدالعزیز واصل بحق ہوئے، تو شیخ نجم الحق جو ان کے سب سے بڑے خلیفہ تھے، اپنے شیخ کے مزار مبارک کی زیارت اور پسماندگان شیخ سے تعزیت کے لئے آئے، جب زیارت سے فارغ ہوئے اور ارادہ کیا کہ اس جگہ سے باہر نکلیں تو دیکھا کہ شیخ قطب العالم درس دے رہے ہیں، ان کی جانب نظر التفات سے دیکھ کر تصرف کیا، اور پاکی پر سوار ہو گئے۔

ابھی ان کی پاکی تھوڑی دور نہیں چلی تھی کہ شیخ قطب العالم پر بے قراری و اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی، یہ کیفیت لمحہ بہ لمحہ بڑھنے لگی، یہاں تک کہ گرتے پڑتے پیادہ پا شیخ نجم الحق کی طرف چل پڑے، اور ان سے بیعت ہو گئے۔

خواجہ محمد باقی قدس سرہ کے طریقہ نقشبندیہ کی تبلیغ میں مشغولیت کے بعد شیخ قطب العالم اکثر ان کی خدمت میں پہنچتے اور فیض صحبت حاصل کرتے، جو کہ طریقہ نقشبندیہ کی بہترین روایت ہے، اگرچہ ابتداء میں خواجہ محمد باقی نے شیخ قطب العالم کے سامنے شاگردی اختیار کی تھی اور ان کی خانقاہ میں ایک عرصہ تک مجاور بن کر رہے تھے۔

والد گرامی فرمایا کرتے تھے: کہ جن دنوں خواجہ محمد باقی ان کی خانقاہ میں مقیم تھے، تو شیخ قطب العالم پر نصف شب کے وقت یہ آشکار ہوا، کہ خواجہ محمد باقی کی تعلیم و تلقین کی تکمیل بخارا میں ہوگی، اسی وقت باہر تشریف لائے اور خواجہ محمد باقی سے فرمایا کہ آپ کو مشائخ بخارا بلا تے ہیں، آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہئے، اس وقت خرقة موجود نہ تھا، صرف تہ بند تھا، وہی عنایت کیا

جسے خواجہ محمد باقی نے دستار کے طور پر سر پر باندھ لیا اور فوراً بخارا کو روانہ ہو گئے، وہاں آپ حضرت خواجہ ملنگی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے فیوض برکات کی نعمت حاصل کی۔ شیخ قطب العالم کے فرزندوں میں سب سے بڑے اور صاحب فضل شیخ رفیع الدین محمد تھے۔

شیخ رفیع الدین محمد کا مختصر تذکرہ

آپ جامع معلوم ظاہری و باطنی اور کتب تصوف کے ماہر تھے، اور صوفیاء کے اسرار و اشارات کو بیان کرنے پر کامل دسترس رکھتے تھے، پہلے اپنے والد سے طریقہ چشتیہ قادریہ میں بیعت کی، شیخ نجم الحق کی صحبت سے بھی فیض حاصل کرتے رہے، اسکے بعد اپنے والد کی ترغیب پر خواجہ محمد باقی کی صحبت اختیار کی اور انہیں کی نسبت آپ پر غالب آ گئی۔

حضرت والد ماجد فرماتے تھے: خواجہ محمد باقی شیخ رفیع محمد پر بے حد مہربان تھے، جو کچھ عرض کرتے خواجہ ضرور مان لیتے تھے، اس لئے خواجہ کے احباب حضرت شیخ رفیع محمد کو خواجہ کا معشوق کہتے تھے، جب شیخ رفیع الدین کی زوجہ انتقال کر گئی تو انہوں نے شیخ محمد عارف بن شیخ اعظم پوری کی دختر سے نکاح کا ارادہ کیا، اور حضرت خواجہ سے نکاح کی مجلس میں تشریف لانے کی درخواست کی، حضرت نے ضعف کا عذر کیا، شیخ نے کہا: اگر حضرت خواجہ اس مجلس میں نہ آئیں گے تو میں بھی نہیں جاؤں گا، حضرت خواجہ کو مجبوراً جانا پڑا، وہاں کے صوفیاء نے سنا تو اطراف و جوانب کے صوفیاء اس مجلس میں حاضر ہوئے اور ایسی محفل برپا ہوئی کہ ویسی کبھی سنی نہ گئی۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ حضرت والد بزرگوار کی والدہ اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

خواجہ محمد باقی کی گرہ

مزید آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے حضرت خواجہ محمد باقی رحمہ اللہ کی شان میں ایک ناگوار بات سرزد ہو گئی، کہنے والے نے وہ بات جوں کی توں حضرت خواجہ کی خدمت

میں بیان کر ڈالی، جسے سنتے ہی ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے اور غصہ کے عالم میں قریب پڑی ہوئی ڈورا اٹھائی اور قوت کے ساتھ اس میں گرہ لگادی، شیخ رفیع الدین جو حضرت خواجہ کے مزاج شناس تھے، انہوں نے اس ڈور کو احتیاط کے ساتھ اٹھا کر رکھ لیا۔

چند روز بعد شیخ احمد سرہندی قبض (رکاوٹ، طاعات کی لذت ختم ہو جانا) میں مبتلا ہو گئے، سبب تلاش کیا تو حقیقت معلوم ہو گئی، فوراً دہلیجا ضر ہوئے، اور حضرت کے احباب سے سفارش کی درخواست کی، ان میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ ہوا اور کہا کہ ہم خواجہ کی مرضی کے بغیر کسی سفارش کی جرأت نہیں کر سکتے، البتہ خواجہ کے محبوب جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر شیخ احمد نے شیخ رفیع الدین کی طرف رجوع کیا، شیخ رفیع الدین نے اس بات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ خلوت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کیا اور کافی لیت و لعل کے بعد ان کی نفرت و غضب کو دور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت خواجہ نے فرمایا: کیا کروں؟ وہ دھاگا ہی گم ہو گیا ہے، شیخ رفیع الدین نے فوراً وہ دھاگا پیش خدمت کر دیا، حضرت خواجہ نے اس کی گرہ کھولی تو اسی وقت شیخ احمد کا قبض دور، اور مقصود حاصل ہو گیا۔

بیوی کے لئے وجد

والد ماجد فرماتے تھے کہ شیخ فرید بخاری جو اپنے وقت کے بڑے امراء ہونے کے باوجود جامع شرافت اور صوفیاء کے معتقد تھے، انہوں نے ایک عمارت بنوائی، یہ عمارت ان کی مشہور سرا ئے تھی یا کوئی اور اللہ بہتر جانتا ہے، اس عمارت کی تعمیر کے بعد انہوں نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور شہر کے مشائخ کو دعوت دی، شیخ رفیع الدین موجود تھے، جب نغمہ سرود چھڑا تو اہل مجلس میں سے ایک شخص کا حال متغیر ہوا مستی کے عالم میں نعرے لگانے لگا، اور رقص بھی کر رہا تھا اور اس کے چہرے سے حسن انداز بھی ظاہر تھا، تمام حاضرین مجلس آداب سماع کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تواضع کے لئے اٹھے، مگر شیخ رفیع الدین اپنی جگہ بیٹھے رہے، بعض لوگوں نے شیخ

کے نہ اٹھنے پر اعتراض کی زبان کھولی اور باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ شیخ نے آداب طریقت کی خلاف ورزی کی، شیخ فرید بخاری نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وجد کرنے والے کے سکون کے بعد شیخ رفیع الدین سے پوچھا کہ آپ صاحب وجد کی تعظیم کے لئے کیوں نہیں اٹھے؟ شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ آپ وجد کرنے والے شخص سے اسکے وجد و رقص کا سبب دریافت کر لیجئے میرے نہ اٹھنے کی حکمت آپ کو خود بخود سمجھ میں آ جائیگی۔

شیخ فرید نے اس شخص کو قریب بلا کر وجد اور نعروں کا سبب دریافت کیا۔

اس نے کہا: میں اور تو کچھ نہیں جانتا البتہ دو تین روز ہوئے ہیں کہ میری بیوی انتقال کر گئی ہے، اس کی جدائی کا غم و حزن میرے دل میں تھا، جب یہ غمگین نغمے شروع ہوئے، تو وہ غم و اندوہ بے اختیار وجد و رقص کی صورت میں ظاہر ہو گیا، اس پر شیخ رفیع الدین نے فرمایا کہ اب بتاؤ کہ ایسے شخص کی تعظیم کے لئے اٹھنا، جو اپنی بیوی کے غم میں نعرے لگا رہا ہو، مشائخ نے کہاں فرمایا ہے؟

یہ سن کر معترض حضرات بہت نادم ہوئے اور اس بحث سے توبہ کی۔

چچا ٹھگ

حضرت والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے امراء میں سے خان عالم شیخ رفیع الدین کے معتقد تھے، ایک دفعہ ان کے گھر سے متصل باغ میں ایک درویش وضع شیخ وارد ہوا، یہ فقیر بظاہر دنیا اور اہل دنیا سے بالکل بے خبر نظر آتا تھا، بات بات میں اس کی زبان سے قال اللہ اور قال الرسول نکلتا تھا، خان عالم چند ہی دنوں میں اس کا معتقد ہو گیا، اتفاق سے ایک دن شیخ محمد رفیع الدین کا گزر اس باغ سے ہوا، آپ نے اس فقیر کو دیکھا اور خان عالم سے فرمایا یہ تو کالا ناگ ہے، اس سے بچ کے رہو، خان عالم نے خیال کیا کہ شیخ نے یہ بات شاید حسد میں کہی ہے، چنانچہ اس نے شیخ کی یہ بات سنی ان سنی کر دی۔

کچھ عرصہ بعد بادشاہ نے خان عالم کو ایران کی سفارت پر مقرر کیا، چونکہ اس سفر کے لئے خان عالم کو رقم کی ضرورت تھی، اور رقم تھی نہیں، لہذا خان عالم پریشان تھے، اس فقیر کو پتہ چلا اس نے خان عالم سے پریشانی کی وجہ پوچھی، وجہ بتائی گئی تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اس کا علاج میرے پاس موجود ہے، میں اکسیر بنانا جانتا ہوں، اس پر اتنی رقم خرچ ہوگی۔

خان عالم اس دھوکے میں آگئے اور ایک لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ کی خطیر رقم اس کے سامنے ڈال دی، تاکہ وہ اس سے اکسیر کے لئے ضروری سامان منگوالے، اس کے بعد فقیر نے عجیب عجیب حیلے شروع کر دیئے اور تمام روپیہ برباد کر کے ایک دن خود بھی روپوش ہو گیا، بہت جستجو کی گئی لیکن اس کا کچھ پتہ نہ چل سکا، خان عالم بھی اپنی اس حرکت پر نادم ہو کر چپ ہو رہے، اس سفر سے واپسی کے بعد حافظ محمد حسن نے جو کہ خان عالم کا متنبی تھا ایک برہمن کو دیکھا، جس نے ڈاڑھی، مونچھ منڈائی ہوئی تھی، اور سنسکرت زبان میں گفتگو کیا کرتا تھا، اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی ٹھگ ہے حافظ محمد حسن نے اس پر سختی کی تو اس نے دھوکہ کا اقرار کر لیا، اس سے کچھ مال برآمد ہوا اور باقی ہاتھ نہ آیا۔

حضرت والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ خان عالم نے خواب میں ایک بزرگ (شیخ رفیع الدین) کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے بیعت کی، خان عالم مصوری بھی جانتے تھے، لہذا ان بزرگ کی تصویر بنا کر حضرت خواجہ محمد باقی کی خدمت میں بھیجی اور تعبیر بھی پوچھی، حضرت خواجہ نے کہلا بھیجا کہ میں اس بزرگ کو اچھی طرح جانتا ہوں، اس سے آپ کا بیعت کر لینا مناسب ہے شیخ رفیع الدین کی بیعت اور روحانی تعلق کا سبب ظاہری طور پر یہی واقعہ بنا۔

اندھا جاسوس

سننے میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ راہزنوں کے گروہ نے شیخ رفیع الدین کے گھر کو لوٹنا چاہا، یہ ارادہ کر کے وہ کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے، اور اپنے میں سے ایک کو آگے بھیجا تاکہ آنے جانے کا

راستہ اور اہل خانہ کی حالت دیکھ لے، جب یہ جاسوس شیخ کے گھر میں داخل ہوا تو اندھا ہو گیا اور ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگا، جسکی وجہ سے اہل خانہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے چراغ کی روشنی میں ساری حقیقت حال معلوم کر لی، حضرت شیخ نے مہربانی کی اور چور کو فرمایا کہ چلے جاؤ، چور بولا، کیسے چلوں، بینائی تو ہے نہیں اور نہ ہی چلنے کی طاقت ہے؟ شیخ اس کے پاس آئے اور اپنا عصا اسکے گھٹنوں اور آنکھوں پر لگایا، یہاں تک کہ ان کے عصا کی برکت سے وہ اس مصیبت سے نجات پا کر اپنے گروہ سے آ ملا اور کہنے لگا: یہاں تو معاملہ ہی اور ہے، تمام ڈاکو پشیمان ہو کر واپس ہو کر چلے گئے، اسکے بعد انہوں نے کبھی شیخ کے دولت کدے کا رخ نہ کیا، حالانکہ شیخ کا مکان شہر کی آبادی سے الگ تھا اور اس کی عمارت بھی پختہ نہ تھی، پھر آپ کی دو لتمندی اور امارت کے قصے بھی مشہور تھے اور پھرے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔

قدوة العارفين حضرت شیخ محمد قدس سرہ العزیز کے حالات و کرامات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، جس نے اپنے اولیاء کو مختلف نشانیوں کے ذریعہ عزت بخشی اور اپنے بندوں میں سے مقربین کو فضائل کے ذریعہ منتخب فرما دیا۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین۔

فقیر ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم العمری الدہلوی عرض کرتا ہے کہ یہ چند کلمات جو کہ ”العطیة الصمدیہ فی انفاس الحمیدیہ“ کے نام سے موسوم ہیں، میرے جد مادری (نانا) قدوة العارفين عمدة الصالحين حضرت شیخ محمد پھلتی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کے احوال و مناقب اور ان کی کرامات پر مشتمل ہیں۔

واضح ہو کہ حضرت شیخ محمد کے اجداد پہلے پورب کے ایک شہر سدھور میں ہوئے اور وہ نسلاً بعد نسل مسند تدریس کو زینت بخشے رہے، یہاں تک کہ شیخ احمد بن شیخ یوسف سلطان سکندر کی صحبت میں پہنچے اور وہاں ایک خاص مقام پیدا کیا، سلطان سکندر نے انہیں معاش کے لئے بارہہ کے علاقہ میں چند مواضع پیش کئے، اسی بنا پر قصبہ پھلت کو ان کی مستقل قیام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا، کچھ مدت کے بعد ان کی آل اولاد نے بھی وہاں سکونت اختیار کر لی، شیخ احمد مذکور کے برادر شیخ محمود کے فرزندوں میں سے شیخ فرید اور شیخ محمد وہیں رہ گئے مجموعی طور پر شیخ فرید اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ پر کار بند اور ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے۔

ان کے تین فرزند ہوئے، شیخ فیروز شیخ ابوالفتح اور شیخ عبدالرحمن، ان تینوں میں سے شیخ ابوالفتح نے عین جوانی کے عالم میں تحصیل علوم کی طرف توجہ کی، انہیں علم سے وافر حصہ ملا، اس کے بعد علوم باطن کی طرف اپنی بلند ہمت کو متوجہ کیا اور کافی عرصہ تک اس دور کے صوفیاء کی صحبت میں رہے، ایک ثقہ روایت کے مطابق آپ نے شیخ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچ کر ان سے بھی

فیض حاصل کیا، اس کے بعد شیخ نظام نارنولی کی صحبت اختیار کی، جو کہ مشاہیر مشائخ چشت اور خواجہ خانوی گوالیری کے خلفاء میں سے تھے، یہ صحبت ان کو بہت راس آئی، برسوں ریاضتیں کیں اور بے حد فیوض سے اپنی تشنہ روح کو سیراب کیا۔

جب آپ نے سلوک و ارشاد کی تکمیل کر لی تو اپنے وطن واپس ہوئے، سننے میں آیا ہے کہ شیخ نظام خود علوم ظاہری زیادہ نہیں جانتے تھے، ان کے گھر میں ان علوم کا فیض شیخ ابو الفتح ہی کے ذریعہ پہنچا، حضرت شیخ نے اپنے مرشد کی اولاد کی تربیت کا بیڑا اٹھایا اور تھوڑے ہی عرصے میں انہیں پڑھا لکھا کر دانش مند اور نامور بنا دیا۔

مزید یہ سنا گیا ہے کہ ایک صاحب دل بزرگ نے جب شیخ ابو الفتح کو حضرت نظام کی بارگاہ میں دیکھا تو سخت تعجب کے انداز میں کہا: آفتاب ستارے کی پناہ لئے ہوئے ہے!

یہ بھی سنا گیا ہے کہ حضرت شیخ عبدالعزیز کے خلفاء میں سے شیخ ہیبت اللہ انصاری جو کہ پھلت کے باشندے تھے، انہوں نے سفر آخرت سے پہلے یہ وصیت کی کہ ان کا جنازہ شیخ ابو الفتح پڑھائیں، جبکہ اس وقت شیخ ابو الفتح نارنول میں تھے، لوگ وضو کر رہے تھے، کہ اتنے میں شیخ نہایت تیزی سے پہنچ گئے اور نماز جنازہ کے امام بنے، نارنول میں ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور وہ فوری طور پر وطن روانہ ہوئے، گویا ان کے وطن پہنچنے کا سبب یہ وصیت ہی تھی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ دونوں شیوخ (شیخ ہیبت اللہ شیخ ابو الفتح) نے آپس میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان میں سے جو بھی پہلے رحلت کرے گا دوسرا اس کی نماز جنازہ پڑھائے گا، جب شیخ ہیبت اللہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور شیخ ابو الفتح نے نارنول کا عزم کیا تو جاتے وقت شیخ ہیبت اللہ نے انہیں وعدہ یاد دلایا، شیخ ابو الفتح نے کہا کہ اگر ایسی صورت ہوئی تو وہ وعدہ ضرور پورا ہوگا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پھلت پہنچنے کا سبب دراصل یہی وعدہ تھا، یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ شیخ ابو الفتح کا رشتہ خواجہ طیفور کی عفت مآب صاحبزادی کے ساتھ ہونا قرار پایا

مجلس نکاح میں جب گانے کی آواز بلند ہوئی تو شیخ ابوالفتح کی حالت متغیر ہو گئی، اور وجد و رقص کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔

چونکہ خواجہ طیفور سماع کو ناپسند کرتے تھے، اس لئے اس واقعہ کو خواجہ طیفور تک پہنچایا گیا، خواجہ صاحب آئے اور خود آنکھوں سے دیکھا تو کہنے لگے کہ اس عزیز کو حقیقی وجد ہوا ہے، جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ایک روایت یہ بھی سنی گئی ہے کہ جب شیخ ابوالفتح کے انتقال کا وقت قریب آیا تو اپنے بھتیجے شیخ ابو الحسن کو بلوایا اور اشارے سے فرمایا کہ قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھو جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے، تو شیخ ابوالفتح نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے اور سبحان ربك رب العزت عما یصفون پڑھتے ہوئے اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے، اور آپ کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اور ادو وظائف پر مشتمل ایک نہایت لطیف رسالہ آپ کی یادگار ہے۔

الغرض جب شیخ ابوالفتح وصال فرما گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالفضل ظاہری و باطنی فیوض عام کرنے کے لئے ان کے جانشین ہوئے، آپ نے طویل عمر پائی، جو سب کی سب رضائے الہی، ترک دنیا، تدریس علوم دینیہ اور کتب سلوک مثلاً احیاء اور عین العلم، کی تحقیق و توضیح اور ان کی اشاعت و عمل میں گزاری، آپ آداب طریقت میں نہایت خوش مسلک تھے فقیر شاہ ولی اللہ نے عین العلم کا نسخہ جس پر شیخ ابوالفضل نے اپنے قلم سے حواشی لکھے ہیں، دیکھا ہے، اس کتاب کے حواشی کی خوبی ان کی تحقیق اور باریک بینی پر دلیل ہے۔

سنا گیا ہے کہ ایک روز آپ نے اپنے عزیزوں میں سے ایک شخص کو کوئی چیز لانے کو کہا، اس شخص نے اس میں سے کچھ اپنے پاس رکھ لی اور باقی شیخ کی خدمت میں پہنچا دی، اسی دوران بطور نیاز آپ کی خدمت میں حلوہ آ گیا، شیخ اسے تقسیم کرنے لگے، جب اس شخص کی باری آئی تو اسے سب سے کم دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری خیانت کا بدلہ ہے جو تم نے ہمارے ساتھ کی۔

روح کا فیصلہ

جب شیخ ابوالفضل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے تو ان کے بڑے فرزند شیخ ابوالکرم جو کہ پہلے ملازم پیشہ تھے، سجادہ نشینی کے لئے کوشاں ہو گئے اور اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کا ارادہ کیا، اعزہ واقارب میں سے ایک گروہ ان کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا جب کہ شیخ مبارک نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ متفکر ہوئے اور حضرت شیخ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے، تاکہ شیخ کی طرف سے سجادہ نشینی کے منصب کی وضاحت ہو جائے، شیخ ابوالفضل نے خواب میں اپنے خادم شیخ مبارک سے فرمایا کہ میرا سجادہ نشین وہی ہوگا جو کل فلاں درخت کے نیچے کھانا تقسیم کرے گا، شیخ مبارک نے یہ سارا واقعہ حاضرین کو بتا دیا، صبح سویرے یہ عجیب اتفاق ہوا کہ تقسیم طعام کا کام اسی درخت کے نیچے شیخ محمد عاقل کے ہاتھ میں تھا، رفتہ رفتہ شیخ ابوالکرم کی جماعت میں اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ اس مشکل وقت میں صبر کا مظاہرہ نہ کر سکے جو کہ فقراء کا خاصہ ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیخ محمد عاقل طالبان علم و فقراء کی رعایت فرماتے تھے، اور وظائف و اوراد پر سختی سے کار بند رہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ جو دو سخا اور ترک دنیا میں بہت بلند مقام کے مالک تھے، آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم شیخ محمد تھے۔

شیخ محمد کا علمی و روحانی سفر

بچپن ہی سے شیخ محمد کی جبین مبارک پر رشد و ہدایت کے آثار تھے، اور اہل دل بزرگ ان کے ساتھ تھو جسے پیش آیا کرتے تھے، چنانچہ شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے، اور اس علاقہ میں گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی تھی، شیخ محمد عاقل کے ساتھ بہت قلبی لگاؤ رکھتے تھے، جب شیخ محمد پیدا ہوئے تو انہوں نے بشارت دی اور وضاحت کے ساتھ تمام خواص کو یہ خبر دی کہ یہ نومولود

بچہ بلندرتبہ کا مالک ہے، شیخ جلال نے اس بچہ کی ولادت پر ایک دینار بطور ہدیہ دیا اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت یہ وصیت کی کہ ان کا نسخہ قرآن مجید شیخ محمد کو دیا جائے۔

جب شیخ محمد سن شعور کو پہنچے تو تحصیل علم میں مشغول ہو گئے، آپ نے اپنی تعلیم کا کچھ حصہ نرنول میں اور کچھ مخدومی شیخ ابوالرضا محمد کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا، اس کے بعد قدوہ ارباب کمال سندی و والدی شیخ عبدالرحیم قدس سرہ کی صحبت میں پہنچے جو انہیں بڑی موافق آئی، یہاں انہوں نے علوم کی تکمیل کی، اسی دوران پردہ غیب سے انہیں راہ معرفت کی طرف آنے کی دعوت ملی جسے حضرت شیخ نے مردانہ وار قبول کیا، انہوں نے تمام سرچشموں سے استفادہ کیا، سالہا سال معرفت کی طلب میں کوشاں رہے، اور صوفیاء کے تمام اشغال حاصل کئے، یہاں تک کہ

کان اللہ بود در ماضی تا کان اللہ آمد جزا

تو اللہ کے لئے گیا گذرا ہو جا کہ اس کے بدلے میں خدا تیرے لئے ہو جائے۔

کے مصداق مقامات تکمیل و ارشاد سے دامن بھر کر آپ وطن کی طرف لوٹے، الغرض آپ کی سیرت یہ تھی کہ جو دو سخا تو وضع و انکساری ترک خواہشات نفس، مرشد کا احترام، ایام طلب و ارشاد میں شیخ کی رضا جوئی، ظاہری و باطنی فوائد اور تاثیر و توجہ میں اپنے تمام خاندان میں ممتاز تھے، اس سلسلے میں آپ کے بلند مقام کا یہ عالم تھا کہ ہم عمروں کو برابری کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

ظلمت

حضرت شیخ محمد فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ ہمارے شیخ اکثر و بیشتر تجرد میں مستغرق رہتے تھے، لہذا ہمارے اسباق تھوڑے تھوڑے ہوا کرتے تھے یہ دیکھ کر میرے دل میں قلق پیدا ہوا، انہیں دنوں میرا گزر شہر کے ایک عالم کے درس سے ہوا تو وہاں درس کی پابندی دیکھ کر میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ کچھ ضروری کتابیں اس درس میں پڑھ لینی چاہئیں، جب میں واپس حضرت شیخ کی خدمت پہنچا تو انہوں نے مجھ پر ایک نگاہ ڈالی اور قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر دو

تین لفظ لکھے، اور اسے وہیں پھینک کر گھر تشریف لے گئے، میں نے وہ پرچہ اٹھا کر دیکھا، لکھا تھا ”آج تم کہاں گئے تھے کہ تمہارے اندر ایک ظلمت دیکھ رہا ہوں؟“ میں نے توبہ کی اور اپنے ارادہ سے باز آیا، پھر اس قسم کا کوئی خیال میرے ذہن میں نہ آیا۔

خدمت کا صلہ

ایک روز حضرت مرشد (شیخ عبدالرحیم) نے اپنے ایک مرید کو کسی صاحب کے گھر بکری پہنچانے کا حکم دیا، وہ بکری کو نہ تو ہانک سکا نہ اٹھایا تو اس نے کسی مزدور کی تلاش شروع کی، مگر اسے کوئی مزدور ہاتھ نہ آیا، اس لئے اس کام میں تاخیر ہو گئی، شیخ محمد کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً بکری کو کاندھے پر اٹھا کر چل پڑے، جب شیخ محمد واپس آئے اور حضرت شیخ کو دونوں کے بارے میں علم ہو گیا تو آپ نے فرمایا شیخ محمد کو اس کی حسن خدمت نے مقررین کے درجہ پر پہنچایا، اور دوسرے کو اس کے قصور نے اس مرتبہ کے حصول سے باز رکھا۔

خلافت و اجازت

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک مرتبہ لگ بھگ آدھی رات کے وقت حضرت شیخ مسجد سے اٹھ کر گھر کی طرف چلے، جب اپنے دروازے پر پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے مراقبہ کی صورت میں بیٹھ گئے، اور مجھ سے فرمانے لگے: اگر راہ سلوک کا کوئی طالب علم تمہاری طرف رجوع کرے تو جو کچھ تمہیں مجھ سے پہنچا ہے، اسے اسکی تلقین کرنا تمہیں اجازت ہے، میں ذرا توقف میں پڑ گیا اور میرا دل کہ جس میں کبھی اس طرح کا خیال نہیں آیا تھا، گھبرا گیا، حضرت شیخ میرے اس خدشے پر مطلع ہو کر فرمانے لگے اس وقت خدا تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کے نام مجھے الہاماً بتا دیئے ہیں، جو تم سے براہ راست یا بالواسطہ بیعت کریں گے، چاہو تو میں کچھ کے نام تمہیں بتا دوں، اور جان لو کہ جب کوئی امر خدا تعالیٰ کے یہاں مقدر ہو جائے تو پھر وہ محل توقف نہیں ہوتا۔

یوں بھی ہوتے ہیں شفا یاب

شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک امیر کو پیشاب کی رکاوٹ کا عارضہ لاحق ہو گیا، بہت علاج و معالجہ کیا، مگر افاقہ نہ ہوا، اسی دوران شیخ بایزید اللہ گودرویشوں کی اللہ اللہ کرنے والی ایک جماعت کے ساتھ وہاں سے گزرے، امیر کے متعلقین ان کے پیچھے دوڑے اور عرض کیا کہ ہمارے یہاں ایک بیمار ہے اس کے حال پر توجہ فرمائیں، شیخ بایزید اللہ گواس کے گھر میں داخل ہوئے، بیمار کی پریشانی دیکھ کر شفقت فرمائی، اور خدا کی راہ میں کوئی چیز دینے کے لئے کہا۔

اس نے کہا جس قدر فرمائیں؟ آپ نے فرمایا فی الحال ایک ہزار کرو، شیخ دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے اور اپنا پرایا جو بھی سامنے آیا وہ روپیہ ان میں تقسیم فرماتے گئے، یہاں تک کہ رقم ختم ہو گئی، تو پوچھا کہ اب مریض کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا ابھی تو ویسے ہی ہیں، فرمایا ایک ہزار روپیہ مزید لاؤ، وہ لے آئے اور تقسیم کر دیا، پوچھا کہ اب کیسا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسی طرح ہے، یہ سن کر آپ نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے خدا اب مجھے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے فضل سے اس مریض کو شفا عطا فرمادے، اسی وقت مریض کے پیشاب کی رکاوٹ ختم ہو گئی، اور وہ شفاء یاب ہو گیا۔

تجھے ڈھونڈا کہاں کہاں؟

فرمایا کرتے تھے کہ سترہ سال ہوئے ہیں خود کو نہیں پایا، اکثر یہ رباعی پڑھا کرتے تھے۔

اے دوست ترا بہ ہر مکاں می جستم و ز تو خبر ز ایں و آں می جستم

دیدم بتوں خویش راتوں خود من بودی خلت زدہ ام کز تو نشاں می جستم

اے محبوب ازل تجھے میں نے ہر جگہ تلاش کیا اور این و آں ہر چیز سے تیری خبریں پوچھیں۔ جب

میں نے تیری تلاش میں خود پر نظر کی تو میں نہ تھا تو ہی تھا، اس لئے شرمندہ ہوں کہ میں تیرا نشان پا

نے کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

بشارت

حضرت شیخ محمد نے فرمایا کہ ایک روز مشاہدات میں حق سبحانہ و تعالیٰ ایک دوست کی صورت میں اس طرح جلوہ گر ہوئے کہ گویا ایک بچہ کو انگلی پکڑے ہوئے لارہے ہیں اور مجھے فرمایا کہ یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں، میں نے عرض کیا بارخدا! آپ کی مخلوق ہے، جہاں چاہے پیدا کریں، اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد مخدومی شاہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے جو حضرت شیخ محمد کے سب سے بڑے فرزند تھے۔

زخم کی لذت

فرمایا کہ میرے اقارب میں سے محمد سخی نامی ایک شخص پورب کے کسی علاقے میں شہید ہو گیا تھا، ایک دن میں مسجد جٹو کے ایک حجرے میں تنہا دروازہ بند کئے بیٹھا تھا کہ اچانک وہ عزیز میرے سامنے ظاہر ہوا، اس کے لباس اور ہتھیاروں کی چمک زمین پر پڑ رہی تھی، میں نے کہا کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ؟ کہنے لگا جب میں زخم کھاتا تھا تو ایسی لذت محسوس ہوتی تھی کہ جس کی حلاوت اب بھی میرے دل میں باقی ہے، اس وقت بادشاہ کی فوج فلاں بت خانے کو توڑنے کی خاطر جا رہی ہے، میں بھی ان کی رفاقت میں جا رہا ہوں، یہاں سے گزر رہا تو آپ سے ملاقات کا شوق مجھے یہاں لے آیا۔

شیخ محمد کی روح

جب حضرت شیخ محمد اس دنیا سے رخصت ہوئے تو حضرت والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم) نے ان کے مزار پر بیٹھ کر حاضرین کو ذکر بالجہر کا حکم دیا، اس مجلس ذکر کے بعد آپ نے فرمایا کہ حضرت شیخ محمد کی روح نے میرے سامنے حاضر ہو کر کہا میں چاہتا تھا کہ اپنے جسم سمیت آپ کے پاس آؤں کیونکہ خدا نے مجھے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے، مگر یہ بات مصلحت کے خلاف تھی۔

حضرت شیخ محمدؒ کے بعض تصرفات و کرامات

اک نگاہ کی بات

آپ کے مرید خاص سید علی بیان کرتے ہیں کہ میں نو جوانی میں شراب پیتا تھا، اور کسی بھی برائی سے احتراز نہیں کرتا تھا، میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر کسی بزرگ کی زیارت سے میں ان برے کاموں سے باز آ گیا اور تقویٰ و پرہیزگاری میرے دل میں جم گئی تو میں اس کی صحبت اختیار کروں گا، اور اسی سے بیعت کروں گا، حضرت شیخ محمدؒ کسی تقریب کے سلسلے میں قریہ سرائے شریف لائے چونکہ میرے والد ان کے معتقد تھے، اس لئے میں بھی ان کے ساتھ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا تم کہاں تھے؟ اور کہاں نو کر ہو؟ یہ دو تین لفظ انہوں نے میرے بارے میں ادا فرمائے ہی تھے، کہ میرے دل میں ایک عجیب قسم کی کشمکش پیدا ہو گئی، اور تمام برے امور سے ایسی نفرت پیدا ہوئی جو بڑھتی ہی چلی گئی، یہاں تک کہ میں اٹھا، شراب کی تمام بوتلیں توڑ ڈالیں، برے افعال کے تمام سامان ہٹا دیئے، غسل کر کے نئے کپڑے پہنے اور توبہ کر کے آپ سے بیعت ہو گیا، اور باقاعدگی سے آپ کی صحبت میں رہنے لگا، کچھ عرصہ بعد مجھے کابل جانے کا اتفاق ہوا، تو میں نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ اس وقت آپ کی صحبت کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوتا مگر کیا کروں کہ قسمت کابل کی طرف کھینچے لیجاتی ہے، آپ نے یہ مشہور شعر پڑھا:

گر در یمنی چو با منی پیش منی در پیش منی چو بے منی در یمنی

چاہے تم یمن میں بھی رہو لیکن مجھے ذہنی طور پر ساتھ رکھو، تو یہ ایسا ہے، جیسے میرے سامنے موجود ہو، اور اگر میرے ساتھ ہو لیکن میرے تصور سے خالی ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے یمن میں ہو۔

اس کے بعد آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور میں کابل پہنچ گیا، وہاں ایک دن اتفاق سے مجھے ایک عورت کے ساتھ تنہائی میسر آ گئی اور بدکاری کی خواہش نے مجھ پر پوری طرح غلبہ

پالیا، قریب تھا کہ میری تو بہ ٹوٹ جاتی، کہ اسی وقت حضرت شیخ محمد کی صورت مبارک میری آنکھوں کے سامنے آ موجود ہوئی، آپ کی شکل مبارک دیکھتے ہی مجھ پر سوار شہوت کا بھوت کا ایک دم غائب ہو گیا، اس کے بعد میں نے کابل میں تین چار سال گزارے لیکن اس دوران عورتوں کا خیال تک میرے دل میں پیدا نہیں ہوا، اس سے مجھے یہ گمان ہوا کہ میں نامرد ہو گیا ہوں، مگر جب وطن واپس آیا اور بیوی کے ساتھ خلوت ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ عصمت تھی۔

قلندر کا عتاب

عظمت اللہ نامی ایک طالب علم حضرت شیخ کی خانقاہ میں مقیم تھا، حسین شکل و صورت کا مالک تھا، جب وہ نغمہ کی لے چھیڑتا تو حضرت شیخ بہت خوش ہوتے تھے، ایک رات آپ حد درجہ مسرور تھے کہ عظمت اللہ کو گانے کے لئے فرمایا، اس نے بات سنی ان سنی کر دی، آپ نے اسے دو تین بار طلب فرمایا مگر وہ نہ آیا، آپ ناراض ہو گئے، اور اس پر غصہ کی نگاہ ڈالی، تو اس کی حالت بدل گئی، چہرہ زرد پڑ گیا، جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور اسے اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہوا، چنانچہ اس نے آپ کے خادم خاص محمد جعفر سے سفارش کی التجا کی، جب اس نے حضرت شیخ کے حضور اس کی سفارش کی تو آپ کا غصہ ہتھو کم ہو گیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کی جس خوش الحانی سے مجھے دلچسپی تھی، وہ واپس نہیں آئے گی، اسکے بعد وہ خوش آوازی سے محروم ہو گیا اور تمام لوگوں کی طبیعتیں اس سے اچاٹ ہو گئیں، بعد ازاں کئی طرح کی برائیوں اور بد عقیدگیوں کا مرتکب ہو گیا، اور کہیں امن و سکون نہ پاسکا۔ (العیاذ باللہ)

دوسروں کا درد

ایک بار سید برہان بخاری قونج کے درد میں مبتلا ہو گئے، اور شدید بے چینی محسوس کرنے لگے، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے سر اپنے بیٹھ کر

اس کے مرض کو اس طرح سلب کر لیا کہ اسے فوراً شفا کے عالم ہو گئی، البتہ کبھی کبھی قونج کا یہ عارضہ حضرت شیخ کو ہو جاتا تھا۔

میر عبداللہ

میر عبداللہ جو کہ آپ کے خاص دوستوں میں سے تھے بیان کرتے تھے کہ حضرت شیخ ایک دفعہ ایک جگہ تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ہمراہ تھا، آپ نے جب واپس آنے کا عزم کیا تو مجھے تیز بخار ہوا، یہاں تک کہ ہلنے کی سکت باقی نہ رہی، میرے لئے سواری تلاش کی گئی لیکن نہ مل سکی، آخر فرمانے لگے کہ اگر ہو سکے تو میرے گھوڑے کے آگے آگے چل تجھے ایک عجیب واقعہ دکھائی دے گا، چنانچہ بہت دقت اور محنت کے ساتھ لوگوں نے مجھے کھڑا کیا اور حضرت شیخ کی نظر کے سامنے لے آئے، میں نے تکلیف کی شدت میں کچھ کمی محسوس کی اور آپ کے گھوڑے کے آگے چلنا شروع کیا، بخار کی شدت آہستہ آہستہ کم ہونے لگی یہاں تک کہ میں پوری طرح صحت یاب ہو گیا، اور ساری مسافت پیدل طے کی۔

کھانے میں برکت

ایک دفعہ کا قصہ ہے کہ قصبہ سنو تہرنے والے کے آپ کے ایک معتقد نے دعوت کا اہتمام کیا، اور صرف پندرہ آدمیوں کا کھانا تیار کر لیا، ابھی دسترخوان لگا ہی تھا کہ شیخ یعقوب جو نلوہہ کا حاکم تھا ایک کثیر جماعت لئے ہوئے آپ کی زیارت کو آیا، میزبان کچھ گھبرا سا گیا، آپ نے فرمایا فکر کی بات نہیں ان لوگوں کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے، اسی وقت حکم دیا کہ بہت ساری پلیٹیں لائی جائیں، سب کو اچھی طرح بھرا جائے اور تمام لوگ سیر ہو کر کھانا کھائیں، چنانچہ بالکل اسی طرح ہوا، اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا بعض اوقات فقراء یوں بھی کیا کرتے ہیں۔

گستاخی کی سزا

شیخ الہ بخش جو آپ کے خاندان کا ایک فرد اور باوقار و معتمد انسان تھا، اس نے ایک دفعہ آپ کی شان میں کوئی نامعقول بات کہی اور گستاخی کی، آپ طیش میں آ گئے، اور فرمانے لگے خداوند! اس شخص کا منہ پھر مجھے مت دکھانا اور اسی وقت سوار ہو کر کسی جگہ تشریف لے گئے، وہ اسی دم بیمار پڑ گیا یہاں تک کہ اس پر جان کنی کا عالم طاری ہو گیا، تیسرے روز جب آپ واپس تشریف لائے تو وہ دم توڑ چکا تھا، چنانچہ آپ نے اسکے جنازہ کی نماز پڑھی۔

جنگ وجدل فقراء کا شیوہ نہیں

شیخ عبدالوہاب جو حضرت شیخ محمد کا چچا زاد بھائی تھا، اس نے ایک عمارت تعمیر کرائی، اس علاقہ کے رئیس رستم نے شیخ عبدالوہاب کی عدم موجودگی میں اس عمارت کو گرانے کا ارادہ کیا۔ لوگوں نے یہ بات حضرت تک پہنچائی تو آپ نے فرمایا بہت نامناسب سی بات ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے رستم شیخ عبدالوہاب کی عمارت گرائیں، جنگ وجدل تو فقراء کا شیوہ نہیں، البتہ میں ایسا تصرف کرتا ہوں کہ وہ یہاں تک پہنچ ہی نہ سکے گا، چنانچہ جب رستم عمارت گرانے کی خاطر لشکر لے کر باہر نکلا تو سید لشکر خاں کے عاملوں میں سے ایک آدمی اس کے ساتھ اس بارے میں متفق نہ ہوا، اور اس نے راستے میں ان کے ساتھ تنازعہ شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ اس عامل کا بھائی مارا گیا، رستم اس میں ماخوذ ہوا اور اس مواخذے میں ہی مر گیا۔

شیخ کی بخشش

سید محمد وارث کا بیان ہے کہ مجھے ایک سفر کا اتفاق ہوا، میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے توجہ کی درخواست کی، آپ نے خیر و عافیت کی خوش خبری دی، اتفاقاً سفر میں ایک رات ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا، اور مجھے اپنی موت کا خوف محسوس ہوا، اس حالت میں حضرت شیخ

کی جناب میں متوجہ ہوا، فوراً مجھ پر عرشہ طاری ہو گیا اور خواب میں حضرت شیخ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: فلا نے! تمہیں کس نے روکا ہے؟ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ اس کے بعد آپ نے دو لڈو عنایت فرمائے، جو میں نے جیب میں رکھ لئے، جب اس غنودگی سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں لڈو بدستور میری جیب میں موجود ہیں، چنانچہ میں اٹھا اور سوار ہو کر اپنی منزل کو چل دیا، تمام ڈاکو مجھ سے غافل رہے، اور ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے تعرض نہ کر سکا، وہ لڈو ایک عرصہ تک میرے پاس رہے، مگر جب حضرت شیخ اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو میں نے کھائے، حضرت شیخ کے انتقال کے بعد آپ کے متوسلین میں سے ایک عمر رسیدہ عورت ٹی بی میں مبتلا ہو کر انتہائی کمزور پڑ گئی، رات کے وقت اسے پانی اور لحاف اوپر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی، خود اسے اٹھانے کی طاقت نہیں تھی، اور پاس کوئی تھا نہیں، چنانچہ حضرت شیخ مجسم ہو کر تشریف لائے، اسے پانی پلایا لحاف اڑاھایا اور پھر غائب ہو گئے۔

جب شاہ عالم اور اعظم ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہوئے تو آپ کے ایک مرید نے عریضہ ارسال کر کے آپ سے استفسار کیا، کہ ان دونوں میں سے کون فتح مند ہوگا؟ آپ جس کی فتح اور کامیابی کی تصدیق فرمائیں میں اسی کا ساتھ دوں، آپ نے اسے وضاحت سے لکھ بھیجا، کہ فتح شاہ عالم کی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کفار کا جتھا

کفار مانکیان نے اپنا ایک جتھہ بنا رکھا تھا جو اکثر اس علاقے کے شہریوں کو لوٹا کرتا تھا، بستی والے بہت پریشان ہوئے اور آپ کے حضور دعاء کی درخواست کی، آپ نے فرمایا اس سے پہلے تو ہم جس چیز کی طرف چاہتے اپنی قوت تصرف کو متوجہ کر دیا کرتے تھے، مگر اب وہ ہمت و ارادہ باقی نہیں رہا، مگر حکم خداوندی کے تحت اس کے اسمائے گرامی سے تعلق ضرور کرنا چاہئے، یہ کہہ کر آپ ختم خواجگان میں مشغول ہو گئے، اور فراغت کے بعد فرمانے لگے دعاء قبول ہوگئی

ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ نے کفار کو ہماری طرف آنے سے روک دیا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت شیخ محمد جب کسی کے حق میں بنظر قبول التفات فرماتے تو ایک دم عالم غیبت میں پہنچ جاتے اور عجیب و غریب حالات رونما ہوتے۔

توجہ کا امتحان

ایک دفعہ موضع سنبلہیڑہ کے باشندوں نے آپ سے توجہ اور تاثیر کی استدعا کی، آپ نے ایک ہی نظر ڈالی تو سید نور علی سید ملتانی وغیرہ سترہ کے سترہ حاضرین مجلس شخص بہوش ہو کر گر پڑے۔ ایک مرتبہ قصبہ لادر کے رہنے والے شیخ مانکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: حضور میں آپ کی توجہ تاثیر کو آزمانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت شیخ نے اس پر توجہ فرمائی تو اشراق سے جمعہ تک بے ہوش پڑا رہا، جب اسے جھنجھوڑا گیا تو وہ مستانہ حرکتیں کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد جب ہوش میں آیا تو اس سے اس کی حالت کے بارے میں پوچھا گیا اس نے کہا کہ گر ایک ساعت حضرت شیخ مزید توجہ فرماتے تو روح بدن سے پرواز کر جاتی، سید عبد الرحیم اور سید ہاشم حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ سے بیعت و صحبت کا ناٹھ جوڑا، آپ کی صحبت کی تاثیر کی وجہ سے دونوں میں عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔

بدکاری کی سزا

سید عبد الرحیم کو قلوب اور قبور کا علم حاصل ہوا، جس قبر پر جاتے اس کی حقیقت بیان کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ کھا تولی کے قریب مجھے ایک شعلہ نظر آتا ہے، جو زمین سے نکل کر آسمان تک پہنچ گیا ہے، جب ایک قبر کے نزدیک پہنچے تو فرمایا کہ شعلہ اس قبر سے نکل رہا ہے، جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ صاحب قبر زندگی میں ظلم اور بدکاری میں مبتلا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی شخص سامنے سے گزرا تو آپ فوراً اس کے دل کا حال بیان کر دیا کرتے تھے، رفتہ

رفتہ سید عبدالرحیم پر جنون کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور مجذوبوں اور دیوانوں کے جیسی حالت ہوگئی، ان کی والدہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں فریاد کی، تو آپ نے فرمایا اسے کچھ عرصہ میری صحبت میں رہنا چاہئے، کچھ وقت شیخ کی نگرانی میں رکھا گیا تو ان کی حالت معمول پر آگئی، اور وہ دیوانگی جاتی رہی۔

نہ چھیڑاں خرقہ پوشوں کو

سید ہاشم کی کیفیت یہ تھی کہ جو آسیب زدہ بھی ان کے سامنے لایا جاتا، ان کا سامنا کرتے ہی جن بھوت فوراً فرار ہو جاتا، اس طرح آپ کی نظر کے فیض سے ایک عالم آسیب و جنات سے نجات حاصل کرتا تھا، رفتہ رفتہ ان پر بھی حالت جذب طاری ہوگئی، سارا دن صحرا و بیابان میں گھومتے رہتے تھے، ایک رات آپ ایک ہندو جوگی کے تکتے پر پہنچ گئے، اس نے ایسا جادو کیا سنگریزوں سے ایسی آواز سنائی دینے لگی جیسی خشک کھالوں کی رگڑ سے پیدا ہوا کرتی ہے، مگر آپ نے کوئی توجہ نہ کی، اسکے بعد بھینسے کی شکل میں ایک خوف ناک دیو ظاہر ہوا، اس نے سید ہاشم پر حملہ کر دیا، مگر آپ عالم مستی میں حق حق کا نعرہ لگاتے ہوئے جیسے ہی اس کی طرف پلٹے تو اسے فوراً رکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا، جب جوگی نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً مسلمان ہو گیا۔

توحید کا اثر

ایک دفعہ عبدالسبحان نامی شخص حضرت شیخ محمد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے تصرف فرمایا تو اس پر توحید کی ایک قسم منکشف ہوئی، جس کے نتیجے میں وہ دیوانہ وار گلی کو چوں میں گشت کرتا ہوا ہر چیز کو خدا کہنے لگا، اور ہر قسم کے شرعی و اخلاقی آداب سے بے نیاز ہو گیا، لوگ اس بات سے تنگ آ گئے اور اس کو دوبارہ شیخ کی خدمت لے آئے، آپ نے اس کی اس ساری کیفیت کو سلب فرمایا، تو وہ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔

کشف غیوب

سید عنایت اللہ ساکن سنبلیہڑہ کو حضرت شیخ کی توجہ سے قلیل مدت میں غیب کی باتوں کا کشف حاصل ہو گیا، کہتے ہیں کہ ایک بار سید صاحب بیمار پڑ گئے اور حضرت شیخ ان کی عیادت کو گئے، سید صاحب پر شیخ کے سوار ہونے کے وقت سے لیکر گھر پہنچنے تک کے تمام حالات اس طرح منکشف ہو گئے جیسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، شیخ ادھر سوار ہوئے ادھر انہوں نے کہا کہ اب سوار ہوئے ہیں، پھر کہا اب فلاں جگہ پہنچے ہیں، اب شہر میں داخل ہوئے ہیں، دوستوا ٹھو شیخ کے استقبال کے لئے نکلو، پھر کہا اب میرے دروازہ پر تشریف لے آئے ہیں، مجھے بٹھا دو۔

توحید کا غلبہ

سید ملتانی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عجیب و غریب غیبت حاصل کی، لوگوں کے شور و شغب کا کوئی احساس نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان پر توحید کا غلبہ تھا، کسی نے ان سے توحید کی مثال پوچھی، کہنے لگے جس طرح ایک مٹکے کو ریت سے بھر کر اس میں پانی ڈال دیا جائے اور وہ پانی اس ریت کے ہر ذرے میں سرایت کر جائے، اسی طرح ذات وحدہ لا شریک کائنات کے ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

دیوانے کو فرزانہ بنا دے

محمد محسن حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں علمذات حاصل کر کے ہمہ اوست کی معرفت کے مرتبے پر فائز ہو گئے، حضرت شیخ نے محمد جعفر کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ محمد محسن سے نماز نہ چھوٹ جائے، لیکن تھوڑے عرصہ بعد محمد محسن کو اس کیفیت سکر سے قدرے آفاقہ ہو گیا، تھوڑی ہی مدت میں محمد محسن کی توجہ بلند یوں تک پہنچ گئی، چنانچہ ایک شخص کسی عورت کی محبت میں مبتلا ہو کر دیوانہ وار زار و قطار روتا پھر رہا تھا، اس کے بارے میں بعض دوستوں

نے آپ سے کہا کہ افسوس، ایسا مرد ہاتھ سے جا رہا ہے، اس پر محمد محسن نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور ایک دولحہ اس پر توجہ ڈالی تو اس عورت کی محبت اس کے دل سے بالکل زائل ہو گئی، اور اس کی جگہ محبت الہی نے گھر کر لیا۔

منکر کا وجد

عبدالہادی نامی ایک شخص سماع کا منکر تھا، وہ آپ کی خانقاہ میں وارد ہوا، اتفاقاً اس روز آپ سماع کی ایک مجلس میں مدعو تھے، جب آپ چلے تو عبدالہادی بھی ہمراہ ہولیا، راستے میں اس سے دل لگی کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کبھی تو نے وجد بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کیا تم وجد کرنا چاہتے ہو؟ اس نے تعجب کا اظہار کیا، سماع کے دوران آپ نے اس پر ایک نگا ڈالی اور تصرف کیا، تو وہ شخص مستانہ حرکتیں کرنے لگا، اس کی یہ کیفیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی، یہاں تک کہ مسلسل دو روز اسی طرح بے خود رہا۔

جہاں آباد کارہنے والا ننھو نامی ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس پر توجہ فرمائی، تو وہ ایسا بے خود ہوا کہ جس پر بھی نظر ڈالتا، اس پر بھی بے خودی کے اثرات ظاہر ہونے لگتے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ محمد پھلتی کے تصرفات اور باطنی توجہات حد و شمار سے باہر ہیں۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حضرت شیخ محمد نے ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں رحلت فرمائی، رضی اللہ عنہ وارضاه والحقنا بہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے اساتذہ و مشائخ حرمین کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں، جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا، اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا، اور درود و سلام ہو ہمارے آقا سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب پر، فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنہیں ”انسان العین فی مشائخ الحرمین“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، حرمین شریفین کے بعد ان مشائخ صوفیاء اور علماء محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں، جن سے اس فقیر کو خرقہ سلسلہ صوفیاء اور اسناد حدیث پہنچی ہے۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء*

حضرت شیخ احمد شناویؒ

آپ علی بن عبد القدوس بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد گرامی اولیائے کبار میں گزرے ہیں، شیخ عبدالوہاب شعر اوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علوم شریعت و طریقت کے جامع تھے، علم حدیث و شمس ربلی اپنے والد بزرگوار سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھوں بھی خرقہ خلافت پہنا، آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر ان کے خلیفہ بنے، کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انہوں نے کہا: لو کان الشعر اوی حیا ما وسعہ الا اتباعی* یعنی اگر شعر اوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے، آپ کا قول ہے: عہدنا بحفظ وان لم یحفظ* (ہم نے حفاظت کا اہتمام کیا ہے گرچہ ہونہیں پائی)

کاتب الحروف کہتا ہے کہ متاخرین اہل حریم کی اصطلاح میں بیعت کو قبول کرنے کا معنی عہد ہے، یعنی جب بھی مشائخ صوفیاء کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے زندہ ہوں یا نہ، سب کی برکات اسے حاصل ہو جاتی ہیں، آپ کا قول ہے:

لا یدخل النار من رانی و رانی من رانی الی یوم القیمة*

وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، جس نے مجھے دیکھا، یا جس نے مجھے دیکھنے والوں کو دیکھا، یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے، کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا، حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا، مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا، ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا، مگر شہود وحدت مانع رہا، غرض ان دو اندیشوں کے درمیان الجھے ہوئے تھے، کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا، نشانہ چوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا، آپ بہت خوش ہوئے اور کہا، شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لئے دونوں باتیں جمع کر دیں۔

شیخ احمد قشاشی رحمۃ اللہ نے اس حکایت کے بعد کہا، اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا، اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ اصل میں وحدت اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اسکے احکام کے ساتھ اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں، جیسے پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے اگرچہ ایک ہیں، لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک خاص فائدہ کا مظہر اور مخصوص استعداد کا حامل ہے، لہذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے، اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے، اور حکم شرع اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے، اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت کثرت سے نہ ٹکرائے، اور کثرت وحدت کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنے:

چوں کہ بیرنگی اسیر رنگ شد موسوی با عیسوی در جنگ شد
چونکہ بے رنگی نے رنگ کا روپ اختیار کر لیا، اسلئے موسوی عیسوی کے خلاف جنگ میں کودا۔
آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشیؒ

آپ محمد بن یونس القشاشی عرف عبدالنبی ابن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔
دجانہ، بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے، آپ اسی قصبہ کے نہایت بزرگ
باشندے تھے، شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں، شیخ یونس کو عبد
النبی کے نام سے اس لئے پکارا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و صلوة پڑھیں، آپ کو قشاشی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے
کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے، اور قشاشہ پرانے سامان کو کہتے
ہیں، مثلاً دواتیں، پرانے جوتے اور اسی طرح کی دوسری طرح کی اشیاء، آپ کے والد
بزرگوار محمد مدنی بھی عالم اور مرد صالح تھے، شیخ احمد قشاشی علم حقیقت و شریعت کے امام تھے، حقا
لق معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات و احادیث سے مدلل ہوتی تھی، کئی مشائخ کی
صحبت میں رہے اور خرقہ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، مگر انہیں گوہر مقصود شیخ احمد شناوی
سے حاصل کیا، اس لئے انہوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشی نے مشائخ صوفیاء کی تلاش میں سفر اختیار کیا جب واپسی پر جدہ
پہنچے تو حالت کشف میں ان پر ظاہر ہوا کہ شیخ احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں، اور ان کی شرم گاہ
سے مادہ نمونیہ خارج ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں، جب
بیدار ہوئے تو ان کے ذہن میں اس واقعہ کی یہ تعبیر آئی کہ شیخ شناوی مرتبہ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں،
لیکن ان سے اکتساب فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں۔

اسکے فوراً بعد وہ حضرت شناوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے جب آپ کو دیکھا تو فرمایا: ہم اس شخص کو مر جا کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لئے آیا ہے، کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشی نے خواب میں دیکھا کہ محی الدین ابن عربی نے انہیں خرقة خلافت پہنا کر اپنی ہمیشہ ان کے نکاح میں دیدی ہے، اسکی تعبیر انہوں نے یہ سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربی کی ہمیشہ سے ان کے نکاح کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔

سید محمد بن علوی نے انہیں لکھا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا سلام کہو، اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو۔ اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علوی نے کہا، میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: احمد قشاشی سے میرا سلام کہو اور اسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہوگا۔

کہتے ہیں جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمد فرماتے کہ ہمارے لئے کوئی مقام نہیں اس لئے کہ ہم اہل یثرب سے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ”یا اہل یثرب لا مقام لکم“ گویا اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے، اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر کار بند تھے، شیخ احمد قشاشی کے عجیب کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل قرآن مجید سنایا۔

نام محمد کیا کہئے!

شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کی:

ما علی احدکم ان یکون فی بیتہ محمد و محمدان ثلثہ*

یعنی تمہارے گھر میں ایک، دو یا تین محمد ہونے چاہئیں، (۱) اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جن میں ہر ایک کا نام محمد ہوگا، اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ان کی الگ پہچان کیسے کر سکوں گا؟

شیخ قشاشی میرے خدشہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا ان میں سے ایک ابوسعید اور دوسرا ابوالحسن اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا، ایک مدت بعد ایسا ہی ہوا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا۔ شیخ ابراہیم سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے میرے دل میں ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی، شیخ نے میری طرف توجہ نہ دی اور فرمایا اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات نہ بتا سکتا اور نہ سمجھا سکتا، شیخ قشاشی کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشی کی زندگی نہ فقہاء کے طرز پر تھی، اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی، آپ امراء کے یہاں کبھی نہیں جاتے تھے، اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات کرتے، اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک کرتے، قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے، بڑی نرمی کے ساتھ نیکی کی تلقین فرماتے، اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربی نے آپ کے بارے میں کہا: کہ میں جب بھی شیخ قشاشی کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور نفس ذلیل ہوتا تھا، خواہ میں ان کے پاس کتنی بار بھی حاضر ہوا، میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا، آپ نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ

سید عبدالرحمن ادریسیؒ

آپ مغرب کے شہر مکناسہ میں پیدا ہوئے، مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاولت کی، اس کے بعد زیارت اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے، کیونکہ انہوں نے یہ مشہور مقولہ سن رکھا تھا، کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس، یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غریب قسم کے واقعات اور دلچسپ و رنگین صحبتیں میسر آئیں، پھر جب مکہ واپس آ گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے ان سے استفادہ کیا، اور کئی لوگوں نے خرقة صوفیاء بھی حاصل کیا، آپ سے بے شمار کرامات روایات کی جاتی ہیں۔

ایران کا مکان مکہ میں

شیخ زین العابدین شافعی مفتی مدینہ سے میں نے سنا، انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا جو کہ سید محمد کے خادم تھے، سید محمد سید عبدالرحمن کے معتقد تھے: کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی، سید عبدالرحمن مجوب کی طرف دعاء کے لئے رجوع کیا، سید عبدالرحمن ایک لمحہ تک سر بگریاں رہے، کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلے میں اس قسم کا گھر ہے، بیت المال کے افسر کو چاہئے کہ جس قدر شریف مکہ کو ضرورت ہے اتنا مال اس میں سے لے لے، اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے، لوگ اسی وقت وہاں پہنچے اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے کہ سید صاحب نے فرمایا تھا، وہاں سے انہوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھالیں اور صندوقوں میں مقفل کر دیا، یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے، آپ نے شریف مکہ کے حوالے کر دی، تاکہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے، دوسری بار شریف مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرف میں لے آئیں مگر نہ گھر کا پتہ ملا اور نہ مال، لوگ حیران رہ گئے، اور سید عبدالرحمن سے

اس معاملہ کا راز پوچھا آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا اس کا کوئی وارث نہ تھا، میں نے تصرف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لاکھڑا کیا، وہاں سے جو کچھ تم نے لینا تھا لے لیا، اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پہنچ گیا۔

بند دروازے میں

کہتے ہیں کہ سید عبد الرحمن ایک دفعہ سید احمد بن ملوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبد الرحمن کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کل ان کا استقبال اور تعظیم بجالانا، خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا، بہت تلاش کیا مگر سید صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا، ناامید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں حالانکہ دروازہ بند تھا، اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

رونے کا سبب

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض لاحق ہو گیا، مسلسل چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا، جب حج کے ایام آئے تو ان کے ایک شاگرد شام سے حج کے قافلہ میں آئے، انہوں نے شیخ قشاشی سے شیخ ابراہیم کو حج پر لیجانے کی اجازت، انہوں نے اجازت دیدی، جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبد الرحمن نے ان کی کتابیں اٹھائیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا، جس پر شیخ قشاشی کے قلم سے لکھا ہوا تھا:

اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غائب کر دیا اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارا ڈبو دیں گے، اس وقت پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔

جب حضرت شیخ ابراہیم مکہ پہنچے اور سید عبد الرحمن محبوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیم پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے، چونکہ شیخ ابراہیم احرام کی حالت میں تھے، اور

ان کے لئے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا، اس لئے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیم کی حالت قبض رفع ہوگئی، گویا یہ شیخ قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان مصالحت تھی، جسے سید عبد الرحمن نے انجام دیا۔

سید عبد الرحمن کی ہر دلعزیزی

سید عبد الرحمن جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے، وہاں کمالات ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے، جو دو کرم میں اپنی مثال آپ تھے، ان کے دسترخوان پر صبح و شام بہت سے لوگ جمع ہوتے، اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں نذر و نیاز پیش ہوتے جسے آپ فقراء میں تقسیم فرمادیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا، جو بھی ایک دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بنا پر اٹھنے کا نام نہ لیتا، اس قدر زیرک و دانش مند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے چاہے ایام حج میں ہی کیوں نہ ہوں، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے، جو بھی ان کی زیارت کو آتا استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد و وظائف کی تلقین فرماتے، اور اسی طرح جس میں استعداد دیکھتے اسے صوفیاء کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔

میں نے ان کے لقب محبوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے، جب گرمی شوق کے آثار ظاہر ہونے لگتے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے، اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا، جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا۔ واللہ اعلم

شیخ شمس الدین بابلیؒ

آپ حافظ حدیث، اپنے زمانے میں مصر اور حرمین میں استاذ تھے، اعلیٰ اخلاق، تواضع، ذکاوت و محبت سے متصف تھے، کہتے ہیں کہ انہیں ابتداء حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعد عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے، اسی وقت آپ نے دعاء کی، الہی! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرح بنا دے، چنانچہ آپ کی یہ دعاء قبول ہو گئی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل شرائط کو پیش نظر رکھے، پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جسکی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ گیا ہو، دوسری یہ کہ جس کی تکمیل مقصود ہو اس میں کوئی چیز نامکمل نہ چھوڑے، تیسری کوئی چیز مغلق (سمجھ سے باہر) ہو اور اس کی شرح پیش نظر ہو، چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو اسے مختصر کرنا مقصود ہو، مگر اختصار میں حل معانی اور تفسیر و مطالب کو راہ نہ دے، پانچویں کسی بات میں گڑبڑ ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو، چھٹے کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو، اور یہ اسکی تصحیح چاہتا ہو، ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے، اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا ساتویں وجوہ میں سے ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف اوقات کی بربادی کے علاوہ کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری مؤطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنواری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ مؤطا، بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد تھیں۔

آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعہ ان کتابوں کا سماع کیا تھا، شیخ عیسیٰ مغربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام سندوں کو ایک رسالے میں جمع کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا ماخذ یہی رسالہ ہے، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مصداق ہے:

نَصَرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَلَبَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، الخ (بن حبان ح ۶۶)

اللہ اس کو سلامت رکھے، جس نے ہم سے کچھ سنا اور اسکو جوں کاتوں دوسروں کو پہنچا دیا۔

آپ کی شان و عظمت و جلالت و بزرگی کا عجیب انداز تھا، بادشاہ امراء اور وزراء آپ سے توجہ و دعاء کے طلب گار رہتے تھے، اور آپ کے کسی حکم سے سر مو انحراف نہیں کرتے تھے، قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا، آپ نے ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے، مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰ جعفریؒ

آپ کی پیدائش اور نشوونما مغرب میں ہوئی، مروجہ علوم کے کچھ اسباق بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے، پھر الجزائر میں آگئے اور سجلماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصہ تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا، اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ، مصر اور حرمین کے علماء سے بھی روایت کی، پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنا لیا، آپ نے، مقالید الاسانید، کے نام سے ایک مجتم بھی تصنیف فرمائی، الغرض آپ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث و قرأت کے امام تھے، سید عمر نے آپ کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے ”جو آدمی کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جس کی ولایت شک و شبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے۔

اور سید محمد بن علوی نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی۔ انہیں اعمال حسنہ پابندی نماز باجماعت کثرت طواف اور مداومت صیام و قیام جیسی خوبیاں و دیعت کی گئی تھیں، آپ تمام امور میں اعتدال پسند تھے، ننگ و ناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے، اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا، تاہم سلسلہ شاذلیہ سے باقاعدہ منسلک تھے اور ان پر تادم آخراسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔

آپ نے مسلک ابوحنیفہ کے مطابق ایک مسند بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے، اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلہ حدیث متصل نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔

شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ

آپ حافظ حدیث تھے اور علم ووریاست اور دین و دنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے، آپ کو شیخ ابو مدین مغربی سے خرقہ مدینہ حاصل تھا۔

درحقیقت کتب حدیث کا طریقہ تصحیح اور نسخہ نبویہ کا تعارف حرین میں آپ کے ذریعہ ہوا، آپ تمام اہل حرین کے استاذ اور متبحر و ثقہ عالم تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ استمبول تشریف لے گئے، وہاں ایک شخص نسخہ نبویہ فروخت کر رہا تھا، آپ علم کے اس قدر شائق اور قدر شناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار سکہ میں خرید لیا، اس نسخہ سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آ گیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا، محمد بن سلیمان نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہو گئے، تاکہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

اس فقیر شاہ ولی اللہ نے اس نسخہ کی زیارت کی ہے اور مطالعہ بھی کیا ہے، شیخ تاج الدین قلعی کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محدث بن محمد بن سلیمان علم و روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بھی بہت سے عجیب و غریب علوم و فنون میں ید طولی رکھتے تھے۔

آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ”زادہ بسطة فی العلم و الجسم“ (اللہ نے علمی اور جسمانی طور پر اس کو بڑھایا) مصداق تھے، تدبیر معاش میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظمہ کا نظام آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا، واللہ اعلم۔

اس فقیر نے شیخ مذکور کی مرویات کی اجازت ان کے صاحبزادے محمد وفد اللہ سے لی ہے، کیونکہ انہیں اپنے والد سے ان تمام مرویات کی قرأت، سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔

اس کے علاوہ میں نے مکمل مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انہوں نے مؤطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمد للہ

شیخ ابراہیم کردیؒ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں، آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے، اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے، اس اثناء میں آپ اکثر سیدی شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے مزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے، اور یہیں سے آپ کو اس راہ معرفت کا ذوق و شوق پیدا ہوا، اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا، پھر مصر ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے، اور شیخ احمد قشاشی سے ملاقات کی، دونوں کے درمیان نہایت گہرے روابط و تعلقات پیدا ہو گئے، شیخ ابراہیم کردی نے شیخ قشاشی سے حدیث روایت کی، ان سے خرقہ پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔

آپ فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے، ذہن رسا تبحر علم، زہد، انکساری، صبر و حلم و حوصلہ جیسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔

کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں؟ تو آپ نے دیکھا کہ شیخ اکبرؒ ان کے پاپوش سے گرد و غبار جھاڑ رہے ہیں، آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی ٹھہرنے کا حکم ہے۔

دل گیر نغمہ

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایام حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ اپنے احباب و معتقدین کے ہمراہ اہل مصر کی ایک جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے، راستہ میں وہ ایک ایسی جگہ سے گذرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں، گانے بجانے اور لہو لعب میں مشغول تھیں، آپ کے شاگردوں میں سے سید محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس برے

کام سے روکنا چاہا، شیخ نے انہیں منع کیا، کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا، سید محمد برزنجی خشک مزاج تھے، شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے، جب شیخ اور ان کے رفقاء منزل مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغمہ کا آغاز اس شعر سے کیا:

ان شرفو اسادتی وان غربو اویلی وان عاشرو اغیرنا ویلا علی ویلی
میرے محبوب اگر مجھ سے جدا ہو کر چلے جائیں تو یہ میری بربادی ہے، اور اگر کسی غیر کو اپنائیں تو یہ تو
بربادی پر بربادی ہے۔

یہ شعر عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد کے مطابق تھا، جب یہ شعر شیخ ابراہیم نے سنا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرا ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا، اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ رو پڑا حالانکہ ان میں سنگدل بھی تھے، سید محمد برزنجی بھی رو پڑے اور ان کے دل سے اعتراض کی سیاہی دھل گئی۔

حق پست نہیں ہوتا

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاذ جسے وہاں کے لوگ خواجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء و احباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا، ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی، جس کا قلعہ قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا، شیخ نے پوچھا وہ کونسی بدعت تھی؟ کہنے لگا مساجد میں ذکر بالجہر، جواب میں شیخ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا [البقرة: 114]

اس سے ظالم کون ہے جو اللہ کی مساجد میں ذکر اللہ سے روکے اور انکی ویرانی کی کوشش کرے۔

خواجہ کارنگ متغیر ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا، وہ فتاویٰ قاضی خان وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات لکھ کر لایا تھا، وہ جزئیات جیب سے نکالی اور شیخ کے ہاتھ میں تھادی، شیخ نے فرمایا: اگر

تقلید کی بات ہے تو میں کسی اور کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لئے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لئے ضروری نہیں ہوگا اور اگر تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرہ کے لئے حاضر ہے۔

حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا، اور خواجہ کے شبہات کے منہ توڑ جوابات دیئے، چونکہ حضرت کے احباب نے خواجہ کے مزاج کو دیکھ لیا تھا، اور وہ جانتے تھے کہ وہ دولت عثمانیہ میں بلند مرتبہ پر فائز ہیں، اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں، شیخ نے فرمایا، حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہئے، چاہے کچھ بھی ہو جائے، نتیجہ یہ نکلا کہ خواجہ اور اسکے ساتھی اس رسالہ کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے، وہ مبہوت ہو کر رہ گئے، اور حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

جو ہا تھیوں کو روک لیتا ہے

شیخ ابوطاہر مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلی حرین میں آئے ہوئے تھے، اس دوران انہوں نے شیخ ابراہیم سے بھی ملاقات کی، جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم نے جو شیخ ابراہیم کا معتقد تھا شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ کو کیسا پایا؟ اس نے کہا کہ وہ تو ایک بت ہیں، وزیر یہ سن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا، اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی کو شیخ ابراہیم کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے حرین آنے کا ارادہ کیا، لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی، تو آپ نے فرمایا: جو ہا تھیوں کو روک لیتا ہے وہ اسے بھی قابو کر لیگا، جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔

شیخ ابراہیم کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہاء اور صوفیاء کی طرح بڑے بڑے عماموں، لمبی آستینوں اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے، آپ اہل حجاز کی طرح متوسط درجہ کا لباس پہنتے

تھے، جو مختصر سی پگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا، آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کے ذریعہ اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ آپ کے معتقدین مناظرہ اور مذاکرہ کے ذریعہ آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے: بہر حال یہ ایسے ایسے ہے، کیا تمہیں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی؟ اگر کوئی ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے۔

عبداللہ عیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی، جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس سلسلے میں صوفیاء کی تحقیقات بھی بیان فرماتے اور صوفیاء کے کلام کو حکماء کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں۔

آپ کی تاریخ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے:

واللہ انا علی فراقک یا ابراہیم لمحزونون* (۱۰۷۱ھ)

اللہ کی قسم اے ابراہیم ہم آپ کی جدائی سے غمگین ہیں۔

شیخ حسن عجمی رحمہ اللہ

آپ شیخ الحدیث جامع علوم و فنون اور فصاحت و یادداشت اور فہم و فراست کے پیکر تھے۔ آپ اکثر و بیشتر شیخ عیسیٰ مغربی کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا، ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشی، شیخ محمد بن العلاء بابلی اور شوافع کے امام و مفتی شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔

شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمی نے شیخ نعمت اللہ قادری اور دوسرے صوفیاء کرام سے بھی ملاقات کی تھی آپ اسمائے حسنی کے ساتھ دعا کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔

شیخ ابوطاہر ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن حنفی تھے، مگر سفر کے دوران ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے، اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ بھی پڑھتے تھے، آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انہیں حنفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کر دیا کرو، تاکہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمی باوجود حنفی ہونے کے تمام امور میں ایک ہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے، بلکہ فریقین کے یہاں کسی مسئلہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ کئے بغیر تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابوطاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ عجمی خوبصورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں عیب بھی تھا، اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے، یہ قول نبوی ﷺ ”نضر اللہ عبد آل الخ“ کا اثر تھا۔

آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں جمع کیا ہے جس سے علم حدیث میں ان کے مرتبہ کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے: لوگ کہتے ہیں کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند، اب یہ تو طے ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، اور کسی عالم کے دو نصف کئے نہیں جا سکتے، ایسی صورت میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند جسے نصف عالم کہا گیا ہے کچھ نہیں، اخلاصہ یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو۔

آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرد پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے

روایت کرتے تھے، شیخ ابوطاہر قرأت کرتے، انکے علاوہ کسی قرأت سے مطمئن نہ ہوتے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں، پہلا طریقہ سرد ہے جس کے مطابق شیخ سنے یا تلاوت کرے، دونوں صورتوں میں نہ تو لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء رجال کے بارے میں کوئی بحث کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں غریب لفظ، مشکل ترکیب، اسماء اسناد میں سے نیا اور کمیاب اسم، ظاہری شان نزول اور اس سے نکلنے والے مسائل پر بحث کرتے ہوئے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے، اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

تیسرا طریق ایمان و تعمق ہے، اس کے مطابق ہر لفظ کی تحقیق اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر غریب کلمہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلام شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے، اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و استعمال کی جگہوں کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں، نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے، اس کے ساتھ مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔

علمائے حرین شریفین کے یہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد قطان اور شیخ ابوطاہر کا پسندیدہ طریق سرد تھا، مگر یہ طریقہ اہل علم و فضل اور منتہی طلباء کے لئے زیادہ بہتر سمجھا گیا ہے، تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث اور سلسلہ روایت کو مکمل کر لیں، اور دوسرے مباحث شروحات کی مدد سے حل کریں، کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شرح پر ہی ہے، مبتدی و دورمیانے درجے کے طلباء کے لئے طریقہ بحث و حل ہے تاکہ وہ

علم حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں، شروع کو مطالعہ میں رکھیں تاکہ بحث و تمحیص کے دوران ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

چوتھا طریقہ قصاص ہے، اس کا مقصد روایت و تحصیل علم نہیں بلکہ علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے، چونکہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات، ناموں کی صحت، انکی ثقاہت کا علم خصوصاً صحیحین (بخاری و مسلم) اور صحاح ستہ کے راویین اور ”لیس منا من فعل کذا“ اور ”فان الله وجهه“ (۱) اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات، فقہائیں، فقہاء کے اختلافات، مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق و تدقیق اور گہرائی و گیرائی پر حاوی ہونا چاہئے، مگر امت مرحومہ کے متقدمین علماء انعمالات میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے، ہاں فقہاء و متکلمین اس سلسلے میں غور و خوض کرتے ہیں، لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے، شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا تا یا کئی ہوتے ہیں، کاتب الحروف کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اول جسکے ذریعہ مرید دائرہ بشریت سے نکلا، یا جس سے اس نے ظاہری علوم حاصل کئے،

یعنی وہ احادیث جن میں آقا ﷺ نے بعض گناہوں کے مرتکب کو مومن نہ ہونے کی یا اپنی جماعت سے خارج ہونے کی وعید سنائی ہے، مثلاً حدیث:

من غشنا فلیس منا* (ابن عساکر ۳۹۶) جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ وغیرہ

بعض علماء کرام نے ان کو کفر پر محمول کیا ہے جیسے علامہ ابن تیمیہ جبکہ بعض جزوی کفر یا ایمان کامل کی نفی پر محمول کرتے ہیں جیسے امام بخاری اور امام مالک وغیرہم، جمہور علماء نے کبار میں شمار کیا ہے، ان میں امام اعظم اور امام طحاوی شامل ہیں، اسی طرح وہ احادیث یا آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے لئے بعض جسمانی اعضا کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اسکا مرتبہ تو حقیقی والدین کا سا ہے، جبکہ دوسرے بزرگ جن سے اس نے دیگر خارجی فیوض حاصل کئے ہیں، ان کا معاملہ چچا تایا کا ہے، لہذا انہیں اسی طرح سمجھنا چاہئے۔

شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے سکونت ترک کر کے طائف میں گوشہ نشین ہو گئے تھے آپ کا مقولہ ہے: لیس بکمة من یقر الیہ *

آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ

آپ ظاہری و باطنی دونوں علوم کے جامع تھے، مشائخ طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے، سید عبدالرحمن مجوب، سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلی و غیرہ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء بابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقہ کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہیں سے بخاری و مؤطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا، مشائخ کے کئی خاندانوں سے آپ کا تعلق تھا، ابتداء ہی میں علم اور علماء کی محبت کی طرف مائل ہو گئے ان کی صحبت میں حاضر رہتے، صوفیاء کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حریم شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبت سے استفادہ کرتے رہے، مختصر یہ ہے کہ شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ اعیان مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔

شیخ احمد نخلی رحمہ اللہ کے فرزند شیخ عبدالرحمن نخلی رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے یہاں زرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے، جب شیخ احمد رحمۃ اللہ پیدا ہوئے تو ان کے لئے اولیاء اللہ سے دعاء کی درخواست کی، اور ان سے استمداد اور

روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ کو شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بھیجتے تھے، ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنبھلی نے قدرے تامل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کی زندگی کم ہے۔

جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنبھلی کا پیغام دیا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچہ کو دیدی، اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا مدد عا پورا ہو گیا ہے، اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلی کے رحمۃ اللہ کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے عطا کی، چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔

شیخ احمد نخلی نے نوے سال کی عمر پائی، شیخ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں میں اپنے والد کا وکیل تھا، جب والد بزرگوار یعنی شیخ احمد نخلی اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آگئی، تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش آ گیا تو یہ تمام قرضہ میرے ذمہ پڑ جائیگا، اور عزیز واقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے۔

والد بزرگوار نے فرمایا اس خدشہ کو ہرگز اپنے دل میں راہ نہ دو، مجھے امید کامل ہے کہ میں تب تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمہ واجب الاداء قرض ادا نہ ہو جائے، اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں رہیگا، آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہو گئی جہاں سے

توقع بھی نہیں تھی، اور آپ کے کہنے کے مطابق وہ آخری رات آہی پہنچی، جب کہ آپ کے ذمہ کوئی واجب الاداء کوئی قرض نہیں تھا۔

شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقہ کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا، تاکہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے اور ادو وظائف میں مشغول ہو جائیں۔

اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا کیونکہ میرا میلان پوری طرح نقش بندیہ سلسلے کی طرف تھا، اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی، اس تردد کے عالم میں میں نے ختم الرسل علیہ الصلوٰات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا، اور اسی سال روضہ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا، تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں، میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دست مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفاء کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صف اول کے برابر پیچھے ہوئے، ایک نئے مصلے کی طرف لائے اور فرمایا یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے، اس پر بیٹھ جاؤ، میں سمجھ گیا کہ آپ کا یہ اشارہ طریقہ نقش بندیہ کی طرف ہے، اور آپ نے اس طریقہ کی اجازت عطا فرمادی ہے۔

شیخ عبداللہ بصریؒ

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام دیا، مثلاً مسند امام احمد جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید روئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا محال ہو جائے، آپ نے مصر و عراق، شام اور اطراف و اکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس

کے متفرق اجزاء کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک نسخہ کی صورت میں ترتیب دیا، اور اسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخہ کی صورت میں عام کر دیا۔

اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کئے، اور نسخہ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا، آپ نے صحیح بخاری کی شرح ضیاء الساری کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرد اور بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری۔

الغرض آپ اس دور کے حافظ الحدیث تھے، اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحیح حدیث کو ضبط یعنی محفوظ کرنے کے تین ادوار ہیں، پہلا دور صحابہ و تابعین کا ہے، اس دور میں صحابہ و تابعین احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے، اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے یہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا۔

دوسرا دور تبع تابعین اور آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے، یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے، ان کے نزدیک ضبط ان اصولوں پر مبنی تھا، صفائی تحریر، حرکات و سکنات اور نقاط میں احتیاط، ہیئت حروف کی حفاظت، احادیث کا اصول صحیح سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔

تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل وغریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں، مفصل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ و مشکل مقامات کی تشریح میں رسائل لکھے۔

آج ضبط حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف و شروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان حدیثوں میں تساہل سے کام لینے لگے ہیں جن پر اسلاف سختی سے کار بند تھے، چونکہ متوسطین نے حفظ حدیث میں سستی برتی، اور صرف عبارت پر ہی اکتفاء کر لیا، جس کے نتیجے میں طبقات سابقہ کے

برعکس ان میں وجادت (۱) اور اجازت مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج ہو گئیں، حاصل کلام یہ ہے کہ ضبط حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبد اللہ کے یہاں بکمال موجود تھا بلکہ اس سلسلے کی بقاء کا سبب بھی انہی کی ذات بنی۔

حضرت شیخ عبد اللہ بچپن ہی سے علم و علماء اور اصلاح و تقویٰ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے، روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے تھے، آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس و تدریس، تلاوت کلام پاک، نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔

میں (شاہ ولی اللہ) نے سنا ہے کہ جب شیخ عبد اللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کر لی تو شیخ عبد اللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شامل ہونا تو درکنار ان کے گھر کے نمک مصالحوں سے احتراز فرماتے تھے، آپ نے حجرہ کعبۃ اللہ میں دوبار صحیح بخاری ختم کی، پہلی بار مرمت کعبہ کے وقت اور دوسری دفعہ اس وقت جب کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جا رہا تھا، اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح و جمع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپن و رز میں ختم کی، آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الہی میں گزری آخر عمر تک سمجھ بوجھ، حافظہ اور حواس درست رہے، البتہ قوت سماع میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی، عمر کے آخری حصہ میں شیخ عبد اللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا ۴ رجب ۱۱۳۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے، خرقہ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، جنہوں نے آپ کے لئے بے شمار بزرگوں سے خرقہ و اجازت حاصل کی تھی، جن میں شیخ محمد بن

۱ کسی محدث کی کتاب یا کاپی سے بنا اجازت حدیث روایت کرنا، ایسی صورت میں راوی وجدت بخط فلاں یا قرأت بخط فلاں وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے، اس لئے اسے وجادت کہا جاتا ہے۔

سليمان مغربی بھی شامل ہیں، آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویہ و سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورہ تبت تلاوت کی، جب وہ نماز سے فارغ ہو کر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے کہ میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم رسول اللہ کے حضور سورہ پڑھو جس میں انکے چچا ابولہب کا نام اہانت کے ساتھ مذکور ہے، کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں، تاہم یہ ارباب تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے، مگر ہمارے لئے تو صحابہ و تابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے، وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت بنی مبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابوطاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا، ان کے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے، اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی، اور انہی سے مسند امام احمد دو ماہ سے بھی کم عرصہ میں سنی، ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے، جن سے آپ نے ملا عبدالکلیم سیالکوٹی (۱) کی کتابیں روایت کیں، ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعہ خود مولانا تا تک پہنچتا ہے، اسی طرح شیخ عبدالحق دہلوی کی کتابیں بھی آپ

ملا عبدالکلیم سیالکوٹی متوفی ۱۶۵۶ء خیالی، شرح عقائد، شرح شمسیہ، تفسیر بیضاوی وغیرہ کے حواشی کے مصنف ہیں۔

نے اسی واسطے سے پڑھیں، مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ (۱)

الغرض آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علم و شغف اور بحث و تمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے، جب آپ سے کسی مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور و فکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے جواب نہ دیتے۔

آپچند رقیق القلب تھے جب بھی کوئی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پر نم ہو جاتیں۔

لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے، اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے، صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات، احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابوطاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات ﷺ کی انتہائی جامعیت (ہمہ گیری) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تراضداد و موافقات سموئے ہوئے ہے۔

راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن احوال صوفیاء اور ان کی باہمی تردید و تنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی چل پڑتی ہیں، اس پر گفتگو چھڑ گئی، تو شیخ ابوطاہر نے فرمایا کہ میں صوفیاء کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں، اگرچہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیاء کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے، مگر جہاں تک کہ میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید و تنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں۔

۱۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی، خواجہ محمد باقی باللہ کے خلیفہ اجل، امام الحدیثین، ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت کا سہرا انہیں کے سر ہے، اسی لئے لقب ہی محدث ہو گیا، امت کو حدیث دانی، اتباع حدیث، اور حب رسول ﷺ کی دعوت انکا نمایاں کارنامہ ہے، ۱۶۴۲م میں رحلت فرمائی۔

یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاذلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے، یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی دوران شیخ یحییٰ شاذلی اس دنیا سے کوچ کر گئے، ایک عرصہ کے بعد کسی وجہ سے ان کی میت کو لحد سے باہر نکالا گیا تو اسی طرح صحیح و سالم تھے جیسے آج سوئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلافات کی وجہ سے طعن و تشنیع نہیں کرنا چاہئے۔

یہاں انہوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ نے اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب وصیت فرمائی ہے، یہ کہہ کر انہوں نے شیخ ابن عربی کے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا، کہ وہ شیخ ابو مدین مغربی پر طعن و تشنیع کرتا تھا، جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت اور بزرگی کا معترف تھا، ایک دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟

میں نے عرض کیا: اس لئے کہ وہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے، جبکہ میں انہیں بزرگ سمجھتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا: رکھتا ہے۔

فرمایا: گویا تمہیں ابو مدین سے اس کے بغض کی بنا پر تو عداوت ہے، لیکن میرے محب ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی، اس شیخ کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا، اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا، اس کے بعد میں نے اس سے ابو مدین کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا، اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابو مدین سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی

جس پر اسنے خدا تعالیٰ سے توبہ کی، اور ابو مدین کے بارے میں طعن تشنیع سے رجوع کر لیا، اس طرح سب کے دلوں میں الفت نبی ﷺ کی برکات جاری ہو گئی، اس پر اللہ کا شکر ہے۔ جس روز میں (شاہ ولی اللہ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابوطاہر کی خدمت میں الوداعی سلام کے لئے حاضر ہوا، توبے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا:

نسیت کل طریق کنت اعرفه الا طریقا یو دینی لربعمکم

میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گیا۔ یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا، اور بہت متاثر ہوئے، آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفی

آپ قاضی عبدالمحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے، کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کئے، اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی، آپ ابھی کم سن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لئے اجازت حاصل کی۔

آپ فرماتے تھے کہ ہمیں شیخ محمد بن سلیمان مغربی کے درس میں سنن نسائی کی تکمیل کے موقع پر حاضر ہوا، انہوں نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی، جن میں میں بھی شامل تھا، آپ نے علم حدیث کا اکثر حصہ شیخ عبد اللہ بن سالم بصری کی خدمت میں مکمل کیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں میں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں، صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں، اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں ان کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر ان سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا، اپنے شیخ احمد نخلی سے بھی اجازت و روایت حاصل کی، شیخ احمد قطان بھی آپ کے مشائخ میں تھے جن کی صحبت میں ساہا سال رہ کر درس کا طریقہ سیکھا۔

شیخ تاج الدین فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطان کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبداللہ مصری اور شیخ احمد نخلی وغیرہ اس پر مصر ہوئے، کہ شیخ احمد کی جگہ حرم کعبہ میں مصلیٰ مالکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں، جیسا کہ میرے شیخ کا معمول تھا، مگر مجھے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں ہوتی تھی، اس لئے میں اس پر آمادہ نہ ہوا، اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمی کی خدمت میں ساری صورت حال لکھ بھیجی، وہ ان دنوں طائف میں مقیم تھے، انہوں نے بھی مشائخ کا کہنا مان لینے کی تاکید کی۔

آخر کار اس معاملہ میں ہر طرح کا استخارہ وغور و فکر کر کے میں اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا، اور شیخ قطان کی مسند پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا جہاں شیخ نے چھوڑا تھا، ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔

آپ نے شیخ ابراہیم کردی سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی، حدیث مسلسل بالا ولایت بھی انہی سے حاصل کی۔ (۱)

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدین سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی، انہوں نے فرمایا: ایک دفعہ میں سخت بیمار ہو گیا، اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت نہ رہی، اسی حالت میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی آکر کہہ رہا ہے کہ مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کر کے مریض کو کھلایا جائے، تاکہ بیمار اسے کھا کر شفا یاب ہو۔

جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ امام محمد بخاری میرے غریب خانہ پر تشریف لائے ہیں، اپنے ہاتھوں سے دیکچہ

احدیث کی پوری سند میں کسی لفظ یا راوی کی کیفیت کا مسلسل قائم رہنا، مثلاً ہر جگہ سمعت، یا اخذ اللحیہ وغیرہ موجود ہو، تو جس لفظ یا حالت کا تکرار ہوگا اسی کے ساتھ اس مسلسل کا نام رکھا جائے گا، جیسے سمعت ہو تو مسلسل بسمعت، وغیرہ۔

چڑھا کر آگ جلائی اور اسمیں صبح سے لیکر شام تک مرغ پکاتے رہے، جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے، میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا اسے کھا لو، اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ مرض کا نشان بھی باقی نہ رہا، اور صحیح و تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا، مجھے جو مسرت و شادمانی حضرت امام بخاریؒ کے اس لطف و کرم سے حاصل ہوئی وہ صحت یاب ہونے میں بھی نہ ملی۔

کاتب الحروف (حضرت شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس بخاری میں دو تین روز لگاتار حاضر ہوا، اور ان سے صحاح ستہ اور مؤطا امام مالک کے کچھ حصے، مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور مؤطا سماعت کی، حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کی جن میں فقیر بھی شامل تھا، حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارت نبی ﷺ سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیم سے سماعت کی ۱۱۴۲ھ۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي بدأ بالنعيم قبل استحقاقها وخص من شاء بمعرفة الاسماء واذواقها
والصلوة والسلام على سيدنا محمد المتحلى بتيجان الكرامات واطواقها المكرم
بصنوف العطيات واطباقها وعلى آله واصحابه الذين بهم قيام الملة ورواج اسواقها

اما بعد

فقير عبد اللہ بن عبد الرحیم (خدا سے اور اس کے والدین کو بخشے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے) رقم طراز ہے، کہ یہ چند کلمات میں نے اپنی زندگی کے حالات کے بارے میں
الجزء الطيف في ترجمه العبد الضعيف، کے نام سے تحریر کئے ہیں۔

ولادت

میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ ہجری بوقت طلوع شمس ہوئی بعض ستاراشناسوں نے
علم نجوم کے مطابق یہ کہا ہے کہ میری پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی
اسی درجہ میں تھا، زہرا آٹھویں، عطارد اکیسویں، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجہ
میں تھے، اور وہ سال علویین کے قرآن کا سال تھا، یہ قرآن درجہ اول میں تھا، اور مرتخ اس سے
دوسرے درجہ میں تھا، اور اس سرطان تھا۔ واللہ اعلم

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش عظیم الدین سے نکالی ہے، میرے والدین
قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صلحا کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اسکے بعد
بشارتیں ہوئیں، چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے
واقعات کے ساتھ اپنے رسالے قول جلی میں بیان کی ہیں (اللہ سے بہترین جزاء عطا فرمائے،
اسکے اسلاف و اخلاف کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور اسکے تمام مقاصد پورے فرمائے۔)

ابتدائی تعلیم

پانچ سال کی عمر میں میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ میرے والد بزرگوار نے مجھے نماز کے لئے کھڑا کر دیا، اور روزے رکھنے کا حکم دیا، ختنہ بھی اسی سال ہوا اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اس سال ختم کر کے عربی فارسی کی کتابیں شروع کیں۔

دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی ۱۴ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی، والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی جب میرے سسرال والوں نے سامان شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ کر بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے، اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے کچھ ہی دن بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نانا شیخ ابوالرضا محمد قدس سرہ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم، میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ، اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے، اللہ کو پیارے ہو گئے، الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے، اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔

راہِ سلوک اور تعلیم حدیث

پندرہ برس کی عمر میں والد ماجد سے بیعت کر کے صوفیاء خصوصاً نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا، اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقہ صوفیاء حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا، اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو والد ماجد نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا، اور درس کی اجازت عطا فرمائی، خلاصہ یہ کہ اس علاقہ کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں فراغت حاصل کر لی۔

میں نے تمام علوم کی کتب مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ پڑھیں:

حدیث میں کتاب البیج سے کتاب الآداب کا حصہ چھوڑ کر مکمل مشکوٰۃ، صحیح بخاری کتاب الطہارات تک، شمائل مکمل، (والد ماجد سے ان کتابوں کی قرأت ہم درس ساتھیوں نے کی) تفسیر میں بیضاوی ومدارک کے کچھ حصے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا، جو میرے لئے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ۔

اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ۔

منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ۔

کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے۔

سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ، اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔

حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص، خواص اسماء والد بزرگوار کا مجموعہ جس کی انہوں نے چند بار اجازت دی۔

طب میں موجز القانون، حکمت میں شرح ہدایۃ الحکمت وغیرہ۔

نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا۔

معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے۔

اور ہندسہ و حساب میں بعض مختصر رسائل۔

حضرت والد ماجد سے اجازت

اس حصول علم کے دوران ہرن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے، جو مزید غور و فکر سے کئی اور راہیں سمجھا دیتے، میں اپنی عمر کے سترویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے، اور اسی علالت میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔

آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت و ارشاد کی اجازت عطا فرمائی اور دوبار یہ جملہ ارشاد فرمایا ”یدہ کیدی“ (ولی اللہ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے)، یہ میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے، اور اسی عالم میں دنیا سے رخصت ہوئے، مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی باپ کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی، میں نے کسی ایسے والد استاذ یا مرشد کو نہیں دیکھا جو اپنے فرزند شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت کرتا ہو، جس شفقت کے ساتھ میرے والد بزرگوار پیش آتے تھے۔

(اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت اور رحمت و نعمت کا انہیں ہزاروں ہزار گنا اجر عطا فرما بیشک تو قریب اور دعا کو قبول کرنے والا ہے)

درس و تدریس اور فقہی مسلک

والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم و بیش بارہ برس تک میں دینیات اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصہ درک حاصل ہوا، جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل تو حید حل ہو جاتے، جذب کا راستہ کھل جاتا، سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا، اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث کے مطالعے کے بعد جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، مجھے نور بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔

سفر حرمین شریفین اور خرقہ جامعہ

اس بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سما یا، ۱۱۴۳ھ کے آخر میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا، اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ کے شرف کیساتھ شیخ ابوطاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ سے روایت حدیث کی سعادت حاصل کی، اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اتمام التحیات کے روضہ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کئے، علماء حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہر سے خرقہ جامعہ حاصل کیا، جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے، اسی سال کے آخر میں فریضہ حج ادا کیا، ۱۱۴۵ھ میں وطن کو روانہ ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب صحیح سالم وطن پہنچ گیا، واما بنعمة ربك فحدث (اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو۔)

خلعت فاتحیہ

خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے خلعت فاتحیہ، سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا اور مجھے اس طرح رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئی سرے سے بنیاد رکھوں۔

اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے، ان تمام اسرار و رموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے، اگر کسی کو اس فن کی عظمت و بلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین ابن عبدالسلام کی کتاب، قواعد کبری، دیکھنی چاہئے جس میں انہوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشر تک نہیں پہنچ پائے۔

طریقہ سلوک، کمالات اربعہ اور حکمت عملی

طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے، وہ مجھے الہام کیا گیا، جسے میں نے اپنے دور سالوں ”لمعات اور الطاف القدس“ میں قلم بلند کیا ہے، میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک و شبہات سے پاک کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔

مجھے کمالات اربعہ یعنی ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول و عرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے، یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا۔

حکمت عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جاسکتی ہے، مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے، اس کے ساتھ مجھے کتاب و سنت اور آثار صحابہ کے ذریعے اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے، اور جو کچھ پیغمبر علیہ السلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کئے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا ہر فرقے نے نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں، ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے، اگر میرا ہر بن موزبان بن جائے تو بھی میں کما حقہ اس کا شکر نہیں بجالا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

اختتام

یہ ترجمہ اللہ کی نصرت و مدد سے ۲۹ شعبان ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۸ جون ۲۰۱۴ء، دارالعلوم منہاج الدعویہ میں مکمل ہوا۔

فله الحمد على ذلك وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم